الحبیب

سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ھو الحبیب الّذی ترجیٰ شفاعتہٗ

وہ جن سے امید ہے شفاعت کی

حسن اختر

(حصّہ دوم)

مدنی زندگی

صلّی اللہ علیہ وسلم   صلّی اللہ علیہ وسلم

الحبیب

مولّف حسن اختر

کتاب .... الحبیب

مولّف .... حسن اختر

جلد دوئم .... اپریل 2005ء

تعداد .... ایک ہزار

ناشر .... المصطفٰے پبلی کیشنز

قیمت .... 200 روپے (جلداول + جلد دوئم)

المصطفٰے پبلی کیشنز

24th،61/C کمرشل اسٹریٹ، توحید کمرشل ایریا، فیز5،

D.H.A، کراچی۔

Tel: 583-7497 Fax:587-6343

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ان کی خوشبو نَفَس نفس میں ہے
سانس لینا بھی اب ہے کارِ ثواب

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

حضور کا سفر مدینہ کی طرف

قبا میں چودہ دن قیام کے بعد حضور نے یثرب یعنی مدینۃ النبی کی طرف سفر کا ارادہ فرمایا۔ وہ دن جمعہ کا تھا۔ (بحوالہ تاریخ طبری)

عمرو بن عوف خود حاضر ہوئے اور ساتھ میں سارا خاندان لے آئے۔ عورتیں بوڑھے بچے سب ہی آ گئے۔

''یارسول اللہ ہم سے کیا خطا ہوئی؟ آپ ہمیں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں؟۔ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ یہاں سے نہ جائیں''۔ سینے پر بندھے ہوئے ہاتھ اور آنسوؤں کی دھار اور گریہ آلود درخواست نے حضور کو متاثر کیا۔ حضور نے اہل قبا کو دعائیں دیں اور اپنی مجبوری ظاہر کی کہ میں اللہ کے حکم سے اُس بستی کی طرف جا رہا ہوں جو سب بستیوں پر غالب رہے گی انشاء اللہ۔ مدینہ منورہ کا ایک نام اکالۃ البلدان بھی تھا۔ (وہ بستی جو دوسری بستیوں کو کھا جائے/ محاورۃً۔ یعنی ہر بستی پر غالب رہے)۔ (ترجمہ وفا الوفا)

حضور اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور قصویٰ چل پڑی۔ لوگوں نے داہنے اور بائیں جانب پرے باندھ لیئے تھے۔ عرض وفا کرنے والے ایک دفعہ کے انکار کو کب مانتے ہیں۔ محلّوں اور گلیوں سے اونٹنی گذرتی تھی انصار کی عرض داشت حضور کو سننی پڑتی تھی۔ ''یارسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہماری اولاد ازواج آپ پر قربان ہمارا مال ہماری دولت آپ پر قربان۔ آپ ہمیں چھوڑ کر نہ جایئے۔ ہمارے پاس مال ہے قوت ہے ہماری جانیں ہیں۔ ہمارا جذبہ ہے۔ ہم آپ کی ایسی حفاظت کریں گے کہ کسی نے نہ دیکھی ہوگی نہ سنی ہوگی۔ بس آپ ہمیں چھوڑ کر نہ جایئے''۔ کتنا مشکل وقت تھا حضور صل اللہ علیہ وسلّم کے لیئے۔ عاشقوں کی عرض داشت رد کرنا کتنا مشکل تھا۔ حضور کا ایک ہی جواب تھا کہ ''حکم اللہ کا ہے۔ ہجرت ابھی مکمّل نہیں ہوئی''۔ نبی کریم ہر ایک کو دعائیں دیتے مسکراہٹیں بانٹتے۔ برکتیں لٹاتے آگے بڑھتے گئے۔ قبیلہ بنی سالم بن عوف کے محلّے میں جمعہ کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ وہاں جس مسجد میں (چھوٹی

سی مسجد میں) نماز پڑھی اسکا نام قسطلانی نے مسجد غبیب لکھا ہے مگر حضور کے جمعہ پڑھنے کے بعد سے وہ مسجد جمعہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ وہاں ہمارے زائرین نے شاید ہی کوئی نماز پڑھی ہو کیونکہ لوگ مسجد قبا میں نماز پڑھتے ہیں اور وہاں سے مسجد نبوی کی کشش شدید ہوجاتی ہے اور مدینہ کی بستی نظر آنے لگتی ہے اور پھر راستے میں رکنا ناممکن ہوجاتا ہے یہ مسجد بہ روایت قسطلانی قبا راہ گذر پر داہنی طرف ہے۔

اس نماز جمعہ میں (بحوالہ طبقات ابن سعد) شرکاء کی تعداد 100 تھی۔ ابن سعد نے صرف انسانوں کے سر گنے تھے۔ اس کو خبر نہیں کہ اس دارالحکومت شاہِ ہر زماں حضور صل اللہ علیہ وسلّم کے دروازے پر پہلی نماز جمعہ کے خطبے یعنی منشور عالیہ کو سننے کے لیئے کتنے فرشتے اتارے گئے تھے کہ قیامت تک شاہد رہیں۔

منشور حیات

محلہ بنو سالم ہی میں نماز جمعہ کا اہتمام ہوا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق شرکاء کی تعداد 100 تھی۔ خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

"حمد و ستائیش اللہ کے لئے ہے میں اس کی حمد کرتا ہوں۔ مدد و بخشش اور ہدایت اسی سے طلب کرتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتا جو کرے اس کا دشمن ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی اللہ کے سوا عبادت کے لائق نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اسی نے محمد کو ہدایت دی، نور اور نصیحت کے ساتھ بھیجا ہے جب کہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا میں نہیں آیا۔ علم کم ہوگیا تھا اور لوگ گمراہ ہوگئے تھے۔ اسے آخری زمانے میں قیامت کے نزدیک زندگی کے اختتام کے قریب بھیجا گیا جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے۔ جس نے ان کا حکم نہ مانا وہ بھٹک گیا۔ مقام (انسانیت) سے گر گیا۔ ضلالت اور گمراہی میں پھنس گیا۔

مسلمانو! میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ بہترین وصیت جو مسلمان، مسلمان کو کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کے لئے آمادہ کرے اور تقویٰ کے لئے کہے۔ اللہ نے جن باتوں سے تمہیں دور رہنے کو کہا ہے ان سے بچتے رہو۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے نہ ذکر۔ یاد رکھو! جو شخص خشیّت الٰہی کے ساتھ عمل کرتا ہے اس کا تقویٰ امور آخرت میں بہترین مددگار ثابت ہوگا۔ نیز جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ خفیہ اور ظاہر میں درست کرتا ہے تو اس کے لئے دنیا میں ذکر باقی رہے گا اور آخرت میں نیکیوں کا ذخیرہ بن جائے گا لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو اس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے۔

وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ: ''انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال اس سے دور ہی رکھے جائیں۔ اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے''۔

جس نے اللہ کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت اللہ تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

''ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔

مسلمانو! اپنے موجودہ اور آئندہ، ظاہری اور باطنی امور میں اللہ سے ڈرتے رہو جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کی برائیوں کو دور اور اس کے اجر کو بہت زیادہ کر دیتا ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرا اسے یقیناً عظیم کامیابی نصیب ہوئی۔ تقویٰ اللہ کے غضب عذاب اور غصہ سے بچاتا ہے۔ تقویٰ چہرے کو روشن (سرخرو) اور پروردگار کو خوش رکھتا ہے اور (انسان کے) درجات کو بلند کرتا ہے۔

لوگو! اپنا حصہ لو لیکن حقوق الٰہی میں کمی بیشی نہ کرو۔ اللہ نے تمہیں کتابِ مبین سکھا دی اور اپنی راہ دکھا دی ہے تا کہ سچوں اور جھوٹوں میں تمیز ہو۔ جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے تم بھی دوسروں کے ساتھ احسان کرو نیز اس کے دشمنوں سے دشمنی کرو اور اس کی راہ میں ایسی کوشش کرو جو کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو برگزیدہ کیا اور تمہارا نام مسلمان رکھا۔ وہ ہلاک ہوا جو بَیِّنَہ یعنی قرآن مجید کے مطابق ہلاکت میں پڑا اور وہ زندہ ہوا جس نے قرآن کے مطابق زندگی بسر کی۔ کسی کو نیکی کی طاقت اس کی مدد کے بغیر نہیں ہے۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور کل (آخرت) کے لئے عمل صالح کرو۔ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان معاملہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملے کو درست کر دینے کا کفیل بن جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا حاکم ہے۔ اور اس کا کوئی حاکم نہیں۔ اللہ لوگوں کا مالک ہے اور اس کا کوئی مالک نہیں۔ اللہ ہی بڑا ہے عظیم و برتر۔ اللہ کی توفیق کے بغیر کسی کو نیکی کرنے کی طاقت نہیں''۔

ہر اک مقام سے آگے مقام تھا انکا

حضرت عمارہؓ بن خزیمہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد ناقہ تیار کرنے کا حکم فرمایا تو بنی سالم بن عوف حضرت عثمانؓ بن مالک اور حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہمارے پاس ہی قیام فرمائیے۔ ہم تعداد میں زیادہ ہیں۔ ساز و سامان کی بھی کمی نہیں۔ مقابلہ اور دفاع کی بھی طاقت رکھتے ہیں۔ آپؐ نے اونٹنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ یہ جس جگہ بیٹھ جائے گی وہیں میرا قیام ہوگا''۔ یہ اس آبادی کیلئے مامور ہے جو اَکَّالَۃُ الْقُریٰ (بستیوں پر غالب بستی ہے) یہ سن کر انہوں نے راستہ دے دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ قصویٰ پر آپؐ کے ساتھ سوار تھے۔

بنو سالم کی بستی حضور کی ننہالی بستی تھی۔ مدینہ میں حضور ﷺ کے دادا کی بھی رشتہ داری تھی اور اسی استحقاق سے سردار وہب کی بیٹی آمنہ بنت وہب کا رشتہ اپنے بیٹے عبداللہ کے لیئے مانگ کر لے گئے تھے اسطرح بنو سالم کا محلّہ حضور ﷺ کا ننہال تھا۔

اسعد بن زرارہ مدینہ میں حضور کی تشریف آوری سے پہلے سے اسلام کے بڑے مبلّغ تھے اور بڑے سردار بھی تھے ان امّید واروں میں تھے جو قطار میں کھڑے تھے کہ شاید ان کو میزبانِ رسول کا شرف مل جائے مگر جب قصویٰ نے ان پر مہربانی نہیں کی اور ابوایوّب انصاری نے نہ کوئی توقف کیا نہ تکلّف اور حضور کا سامان لیکر گھر میں گھس گئے اور حضور ﷺ کے میزبان بن گئے تو انھوں نے اپنی مایوسی اور محرومی پر بہت جلد ہی قابو پایا اور قصویٰ کو اپنے گھر لے گئے اور فتح مکّہ تک بیگم قصویٰ کی خاطرداری کی۔

حضور جب مدینہ میں تشریف لائے تو انکو یقینی علم تھا کہ اب انکا کام کی نوعیّت اور انداز سب کچھ بدل گیا ہے۔ مکّہ میں حضور ایک سرد جنگ لڑ رہے تھے اور ان کی حیثیت صرف ایک مبلّغ پیغامبر کی تھی۔ خود اسلام کی حیثیت مکّہ میں دوسری تھی۔ مکّہ میں اسلام کے دور کن یا اسے تین کہہ لیں۔ توحید اور رسالت ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رّسول اللہ میں اور حیات بعد الموت جزا سزا نماز ہجرت سے چند مہینے پہلے معراج میں فرض ہوئی۔ روزہ زکوٰۃ حج اور فقہ کے سارے مسائل کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جہاد کا تصوّر نہیں تھا مدینہ کے پہلے چند سالوں میں اسلام سے پابندی ہٹائی گئی۔ اب حضور کو پورے معاشرہ کا معلّم اخلاق و مذہب جج یا قاضی مقنّن سپہ سالار اعلیٰ سبھی کچھ بننا تھا اور تبلیغ کی ذمّہ داریاں ویسی ہی تھیں۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی اب کئی گروہوں کی سربراہی کرنی تھی۔ چونکہ مسلمان اکثریت میں تھے اسلیئے مسلمانوں کا سردار اعلیٰ پیغمبر اس مدینہ کی ریاست کا بھی سربراہ تھا۔ مختلف گروہ تھے۔ مسلمان مہاجر۔ مسلمان انصار۔ مشرکینِ مدینہ۔ بڑا اور طاقتور گروہ یہود کا جن کے شہر کے باہر اور اندر قلعہ (گڑھیاں بھی تھیں) اور چھوٹا گروہ نصرانیوں کا۔ یہ سب کام اتنے بڑے تھے کہ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیئے ایک پیغمبر کی بصیرت اور قوت عمل اور فراست کی ضرورت تھی دنیاوی سطح پر اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت و مدد اسکے علاوہ۔

سب سے پہلا کام

ایک مسجد کی تعمیر سب سے پہلا کام سمجھا گیا۔ اور فراست نبوی نے محسوس کیا کہ دوسرا کام مسلمانوں مہاجرین اور انصار میں وقتی یک جہتی کو دائمی بنانے کا کام مسجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے۔

حضرت ابوایّوب انصاری کے مکان سے ملحقہ ایک غیر آباد زمین افتادہ تھی۔ یہ زمین چھوارے پھیلانے کے لیئے (شاید سکھانے کے لیئے) استعمال ہوتی تھی۔ معاذ بن عفرا نے بتایا کہ یہ زمین دو انصاری یتیم بچوں کی ہے (واضح رہے کہ اس وقت سے اندازاً ڈیڑھ سال کے بعد معاذ بن عفرا نے اپنے بھائی معوذ بن عفرا سے مل کر ابو جہل کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا اور ان کا ایک بازو کٹ گیا تھا)۔

ان دو بچوں سہل اور سہیل کو بلوایا گیا اور حضور ﷺ نے اس زمین کو قیمتاً خریدنا چاہا۔ بچوں نے اور ان کے قبیلہ والوں نے کہا کہ ان کو قیمت دنیا میں نہیں جنت میں چاہیئے۔ لیکن حضور کے اصرار پر اسکی مناسب قیمت دس دینار ادا کی گئی۔ امام زہری نے ابوبکر صدّیق کا نام لکھا ہے کہ یہ قیمت حضرت ابوبکر صدّیق نے ادا کی لیکن سمہودی نے وفا الوفا میں واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ نے اس زمین کے عوض بچوں کو بنو بیاضہ میں ایک باغ دیا۔ فتح الباری نے قسطلانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کی قیمت حضرت ابوایّوب انصاری نے ادا کی۔

جس نے بھی یہ رقم ادا کی وہ اتنی خفیہ تھی کہ

اسوقت سے لیکر آج تک طے نہیں ہوا کہ رقم کس نے دی

تعمیر مسجد کا کام ربیع الاوّل ۱ھ میں مطابق اکتوبر 622ء میں شروع ہوا کھجور کے درختوں کے تنوں سے ستون بنائے گئے۔ صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ اب اسپر چھت بھی ڈال لیں تو اچھا ہوگا۔ حضور نے اجازت نہیں دی۔ مصلحت اللہ ہی جانے۔ چھت کے بجائے سائبان کی طرز پر (سایہ کے لیئے) کھجور کے درخت کی شاخیں معہ پتّھے کے

ڈالے گئے۔ سایہ تو مل گیا مگر بارش سے امان نہیں ملی۔ ایک رمضان میں حضور اکرم ﷺ اور چند صحابہ اعتکاف میں تھے کہ بارش نے آلیا۔ یہاں تک کہ کھجور کی ٹہنیوں والی چھت سے پانی ٹپکنے لگا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ پانی اور گارے میں سجدہ فرمارہے تھے۔ جسکے نشانات پیشانی مبارک پر تھے۔ کچھ صحابہ نے اپنی اپنی جگہ پر سنگ ریزے بچھالیئے بطور فرش کے۔ حضور نے اسے پسند فرمایا۔ حضور کی پسندیدگی کے بعد تقریباً تمام صحابہ نے سنگ ریزے بچھالیئے اسطرح سنگریزوں کا فرش بن گیا یہ پہلا فرش تھا مسجد نبوی کا۔ (حوالہ ہے سُنن ابی داود کی حدیث کا)۔

صحابہ کا طرزِ مزاح

مسجد کی تعمیر میں حضور ایک برابر کے مزدور کی طرح شامل تھے۔ (آجکل بھی بڑے لوگ شمولیت کرتے ہیں کسی عمارت کی تعمیر میں۔ کسی سنگ مرمر کی نصب شدہ تختی پر ایک ہتھوڑی بجا کر۔ یا زمین کے کسی قطعہ پر ایک پھاوڑا چلا کر کچی مٹی میں ایک نشان ڈال کر)۔

حضور ﷺ بھی ان کے ساتھ اس کام میں برابر کے شریک تھے اس طرح آپ نے محنت مزدوری کے پیشہ کی عزت بڑھائی نیز مساوات کا عملی درس دیا۔ صرف بنیاد کا پتھر رکھ کر یا پھاوڑا چلا کر دوسروں کی محنت کا کریڈٹ اپنے کھاتے میں نہیں ڈالا۔ شروع سے آخر تک اس میں شرکت فرمائی

اَللّٰھُمَّ لَا خَیرَ اِلَّا خَیرُ الْاٰخِرَة

فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَة

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَة

فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَة

ترجمہ: اے اللہ بھلائی تو بس آخرت کی بھلائی ہے۔ بس اے اللہ انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔ اے اللہ بے شک اجر تو آخرت کا اجر ہے۔ بس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں خوشخبری سنائی۔

لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃ

اَللّٰھُمَّ نحمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

ترجمہ: تو صرف آخرت ہی کی عیش ہے۔ یا اللہ انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔

انصار و مہاجرین ایک ساتھ کہہ اٹھتے "اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی کریمؐ کام کریں تو ہمارا یہ عمل بہت برا ہوگا"۔ حضرت علیؓ یہ رجز پڑھنے میں مصروف رہتے۔

اَیَسْتَوِی مَنْ یَّعْمُرُ الْمَسَاجِدَا

یَدْابُ فِیْھَا قَائِمًا وَّقَاعِدَا

وَمَنْ یُّرَی عَنِ الْغُبَارِ حَائِدَا

ترجمہ: جو شخص اٹھتے بیٹھتے مسجد کی تعمیر میں لگا رہتا ہے۔ ان میں قیام وقعود میں (وقت) بسر کرتا ہے۔ اور وہ شخص جو کپڑوں کو مٹی اور غبار سے بچاتا ہے دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔

حضرت علیؓ کے رجز کا آخری مصرعہ حضرت عثمانؓ بن مظعون پر ایک مزاحیہ طنز تھا کیونکہ وہ بہت نفاست پسند تھے۔ اینٹوں کو اٹھاتے ہوئے کپڑوں سے دور رکھتے تھے۔ جہاں کپڑے پر ذرا گرد و غبار پڑا اس کو جھاڑنے لگے انہیں سنانے کے لئے حضرت علیؓ بار بار یہ رجز پڑھتے تھے۔

حضرت علیؓ کا یہ رجز حضرت عمار بن یاسرؓ نے یاد کرلیا اور دن بھر پڑھتے رہے ایک ساتھی نے سمجھا کہ شاید عثمان پر طعن کیا جارہا ہے تو انہوں نے غصہ سے کہا۔ اے ابن سُمیّہ! تم جو کچھ کہہ رہے ہو میں نے سن لیا ہے۔ واللہ میں اس لاٹھی سے تمہاری ناک کی خبر لوں گا۔ یہ بات حضورؐ تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا۔ ان لوگوں کو عمار سے کیوں پرخاش ہے۔ سن لو کہ عمارؓ میری آنکھوں اور ناک کے درمیان کا چمڑا ہے (وہ مجھے اس قدر عزیز ہے) اس ارشاد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بڑی مستعدی سے کام کررہے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ہم تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے مگر عمارؓ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ ایک اپنی اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی جانب سے۔ حضورؐ نے جب عمارؓ کو دیکھا تو ان کے کپڑوں سے مٹی جھاڑنے لگے فرمایا افسوس کہ عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی یہ ان کو جنت کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے۔

ماہ ربیع الاوّل سے ماہ صفر تک مسجد کی تعمیر اوّل ہوتی رہی اور یہ مسجد صفر ۲ھ میں مکمّل ہوئی۔ اسوقت اس مسجد میں نہ کوئی محراب تھی نہ منبر نہ مینار نہ فرش نہ چھت۔

جب مسجد تیار ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ یہ حضرت بلالؓ کا ہیڈ کواٹر ہے۔ بلالؓ حضور ﷺ کے چیف خادم بن گئے اسلئے کبیر صحابہؓ کے مخدوم بھی تھے۔ مسجد میں پانچ وقت باجماعت نماز ہونے لگی۔ مسئلہ آیا کہ لوگوں کو نماز کے لئے کیسے بلایا جائے۔ کچھ ناقوس گھنٹے قرنا (بگل) وغیرہ کی طرف خیال گیا مگر اس میں عیسائیوں مجوسیوں یہودیوں کی نقل کا شائبہ تھا۔ اسوقت عبداللہ بن زید صحابیؓ نے بیان کیا کہ انھوں نے خواب میں ایک صدا سنی ہے۔ وہ پکار حضور ﷺ کے سامنے پیش کی گئی۔ حضور ﷺ نے پسند فرمائی۔ اور پھر بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ یہ صدا لگائیں۔ ابھی بلالؓ اذان دے ہی رہے تھے کہ حضرت عمرؓ دوڑتے بھاگتے ہوئے تشریف لائے کہ یہ ہی صدا انھوں نے ابھی خواب میں سنی ہے۔

یہ توارد ہوگیا۔ اکیلا مسلمان ایک فرد ہوتا ہے مگر جیسے ہی دو ہوں جماعت قائم ہوجاتی ہے۔ اذان کا فیصلہ ہوگیا۔

کون ہے یہ قریۂ جاں میں مقیم
دل سے آواز آنے لگی

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر

اشہدانّ لا الہٰ الا اللہ اشہدانّ لا الہٰ الا اللہ

اشہدانّ محمد رسول اللہ اشہدانّ محمد رسول اللہ

حیّ علی الصّلواۃ حیّ علی الصّلواۃ

حیّ علی الفلاح حیّ علی الفلاح

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہٰ الا اللہ۔۔۔۔

کہا جاتا ہے اور لکھا جاتا رہا ہے کہ حضرت بلالؓ کی آواز بلند تھی اور حضور ﷺ کو بہت پسند تھی۔ جب حضور ﷺ کو پسند تھی تو کون بد بخت ایسا ہوگا جسکو ناپسند ہوگی۔ کہیں یہ پڑھا تھا یاد نہیں کہاں کہ بلالؓ جب اشہدانّ محمد رسول اللہ کہتے تھے اور حضور ﷺ سامنے ہوتے تھے تو وہ حضور ﷺ کی طرف انگلی سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ کسی اور صاحبِ تصنیف نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا کہ بلال کا تلفظ عربی نہیں تھا اور ایک حرف کے تلفظ میں وہ عربی انداز نہیں رکھتے تھے۔ شاید حرف 'س' اور 'ش' کے تلفظ میں بلالؓ چوک جاتے تھے اور حضور ﷺ سن کر مسکرا دیتے تھے۔ اور جو تلفظ حضور ﷺ کی مسکراہٹ کا باعث بنے وہ ہر تلفظ سے زیادہ صحیح ہے۔ حضور ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو بلالؓ نے اذان دینی بند کردی۔ ہجر کے عالم میں مدینہ کی گلیاں اور مسجد نبوی زیادہ رلانے لگی تو شام چلے گئے۔ عشق میں وحشت ہونا عام بات ہے۔ شام میں ایک رات حضور ﷺ سے ''ملاقات'' ہوئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ ''بلالؓ تم ہم سے ملنے کب آؤ گے؟''

دوڑتے بھاگتے مدینہ آئے۔ مسجد نبوی پہنچے۔ وہاں جو کچھ ہوا ہو گا وہ بلالؓ کا اور انکے آقا کا ذاتی معاملہ ہے۔ خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ کا دور تھا۔ خلیفہ نے ادب سے درخواست کی کہ 'یا سیّدی ایک اذان تو عنایت ہو جائے'' بلالؓ نے اذان نہیں دی۔ خلیفہ وقت کی درخواست نامنظور ہوگئی۔ پھر نوجوان حسنؓ اور حسینؓ آ گئے۔ یہ بچے تھے تو بلالؓ انکو اپنے کندھے پر بٹھا کر بازار لے جاتے تھے۔ اگر یہ مسجد میں کھیلتے کھیلتے سو جاتے تھے تو ان کو اٹھا کر ان کی ماں بی بی فاطمہؓ کے پاس پہنچا دیتے تھے۔ حسنؓ اور حسینؓ نے فرمائش کر دی ''نانا بلالؓ ہم اذان سنیں گے''۔

بلالؓ ماذن (اذان دینے کی جگہ) پر آ گئے۔ جب بلالؓ نے اذان شروع کی تو مسجد میں لوگ چیخیں مار کر رونے لگے۔ گھروں کے دروازے کھل گئے۔ پردہ دار بی بیاں کچھ آواز سے رو رہی تھیں کچھ ہچکیوں سے بازار والے جہاں تھے وہیں رک گئے اور رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ ہر آنکھ ایک آبشار بن گئی۔ خلیفۂ وقت یہ قانون نافذ نہیں کر سکے کہ آواز سے رونے کی اجازت مسلمان مرد یا عورت کو نہیں ہے شاید وہ خود رو رہے تھے۔ یہ بھی سنا ہے کہ بلالؓ خود بے ہوش ہو گئے۔ یہ اذان مکمّل نہیں ہو سکی۔ بلالؓ کی ایک اذان جو مکمّل نہیں ہو سکی۔

حضور۔ نے مدینہ کو حرم قرار دیا۔

''اے اللہ میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم نے مکّہ کو حرم بنایا۔

(حدیث صحیح بخاری)

حضور نبی کریم ﷺ یثرب یعنی مدینہ منوّرہ میں جنوب سے داخل ہوئے۔ بنی بیاضہ کے محلہ میں جاں نثاروں نے صف بندی کر رکھی تھی معہ ہتھیاروں کے سرداران زیاد بن لبیہ اور فروہ بن عمرو نے آگے بڑھ کر نظروں کا سجدہ کیا۔ عرض کی کہ حضور ہم تعداد میں زیادہ ہیں۔ لڑائی میں زبردست ہیں، جاں نثاری کے لیئے حاضر ہیں۔ اگر آپ ہمارے پاس قیام فرمائیں تو۔۔۔۔۔ حضور نے مسکرا کر دعا دی۔ برکت کی دعا کی اور فرمایا کہ اونٹنی کو اللہ تعالیٰ کا حکم مل چکا ہے۔ یہ جہاں ٹھہرائے گی ہم وہاں ٹھہریں گے۔ بنی حارث پر سے گذر ہوا تو سعد بن ربیع اور عبداللہ بن رواحہ نے التجا کی۔

حضور نے معذرت کی کہ ٹھہرنا اونٹنی کو ہے دعائیں دیں مسکراہٹیں عطا کیں اور آگے چلے۔ محلّہ عدی کی سرحد میں ابوسلیط حرمہ بن انیس مجسّم التجا تھے۔ کلمہ خیر سے دعائے خیر سے مسکراہٹوں سے نوازا گیا۔ (یہ التجائیں صحیح بخاری کے حوالہ سے ہیں) مگر اونٹنی آگے بڑھ گئی۔

حضور ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سن کر ننہالی رشتہ دار فخر ومباہات کے ساتھ ہتھیار سجا کر استقبال کے لئے آگئے۔ قبا کی طرح یہاں بھی جب مردوں نے بازاروں اور گلیوں میں پرے جمالئے تو خواتین نے گھروں کی چھتوں پر قبضہ کیا۔ بچوں نے دوڑ بھاگ کر ہر کونے پر قبضہ کیا۔ مدینہ کی بچیاں گانے لگیں۔ سنا ہے کہ پردہ نشین خواتین نے چھتوں پر سے سر ملایا آواز ملائی۔ (سیرۃ النبی شبلی نعمانی)

طلع البدر علینا ہم پر روشن چاند طلوع ہوا۔

من ثنیات الوداع کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا واجب ہوگیا ہم پر شکر

مادعا للہ داع جب تک دعا مانگیں دعا مانگنے والے

ایھا المبعوث فینا اطاعت آپ کی ہم پر فرض ہے آپ کو بھیجنے والا کبریا۔

جیت بالامر المطاع

بونجار کی بچیوں نے اپنی فوقیت جتائی (آخر حضور ﷺ کی پرانی رشتہ دار تھیں)

نحن جوار من بنی نجار ہم لڑکیاں ہیں بنونجار کی

یا حبذا محمد من جار کیا اچھے ہمسایہ ہیں ہمارے محمد ﷺ

حضور ﷺ نے ان بچیوں سے پوچھا۔ کیا تم مجھے چاہتی ہو؟

جواب آیا ''ہاں! ہاں! ہاں!''

حضور ﷺ نے فرمایا میں بھی تمھیں چاہتا ہوں۔ ہاں ہاں ہاں۔

مدینہ میں جانثاروں کی صفیں قائم تھیں سارے گھروں کے دروازے کھلے تھے۔ ''حضور ﷺ ہم حاضر ہیں''۔ ''ہمارا جان و مال حاضر ہے''۔ ''گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں''۔ ''ہم نے راہ میں آنکھیں بچھادیں ہیں''۔ ''آپ یہاں قیام فرمائیں''۔ ''آپ ہمیں خدمت کا موقعہ دیں''۔ ساری ملتجی نگاہیں حضور ﷺ پر لگی ہوئی تھیں۔ ہر ایک کی ایک ہی درخواست تھی۔ سخی داتا کو اتنا مجبور بھی کسی نے کب دیکھا تھا؟ حضور ﷺ منگتے کو مانگنے سے پہلے عطا کرنے والے سخی داتا ہیں مگر آج انھوں نے پہلی دفعہ اور یقینی آخری دفعہ یہ دیکھا کہ انکی سخاوت میں اتنی وسعت نہیں ہے جتنی وسعت مانگنے والوں کے دامن میں۔ کسی ایک کی درخواست قبول کرنے کا مطلب سینکڑوں کو مایوس کرنا تھا۔ فرمایا حضور ﷺ نے۔ ''میری اونٹنی کو حکم مل چکا ہے وہ جہاں بیٹھ جائے گی میں وہاں قیام کرونگا''۔ اب ساری نگاہیں اونٹنی کے قدموں پر تھیں۔ ''قصویٰ۔ پیاری قصویٰ میرے دروازے پر رک جاؤ''۔ مگر قصویٰ بے نیازی سے چلتی رہیں آخر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ اور ابوایوب انصاریؓ نے بجلی کی

طرح تیزی سے دوڑ کر قصویٰ کی نکیل پکڑلی۔

''کہیں قصویٰ ارادہ نہ بدل دے''

حضور ﷺ ابوایوب انصاریؓ کے مہمان ہوئے۔

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

مواخات ۔ بھائی چارہ

جب تمام مہاجرین مکّہ سے مدینہ آگئے تو اس خیرالبشر ﷺ کو انکی بحالی کی فکر ہوئی۔ بحالی ہوگئی۔ مثالی ہوئی اور سب کی عزّت نفس برقرار رہی۔ وہ معاشی سچّائی Economic Truth جو دنیا نے کم ازکم ہزار سال تک نہیں پایا اُس امّی لقب پیغمبر صحرا کے لیئے ایک معمولی بات تھی۔

انصار کھاتے پیتے گھرانوں کے صاحب استطاعت افراد تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی راہ میں دو دو اشخاص بھائی بھائی بن جائیں۔ ہر شخص ایک مہاجر خاندان کو لے لے اور اپنے گھر اور کاروبار میں شریک کرے'' پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو کو بلا کر فرمایا کہ تم ایک دوسرے کے بھائی ہو مل کر کام کرو مل کر کماؤ اور مل کر کھاؤ۔ (ڈاکٹر حمید اللہ علیہ الرحمۃ پیرس کی تحقیق ''رسول اکرم کی سیاسی زندگی'' سے اصل الفاظ ماخوذ)۔

حضور نبی کریم کے حکم کی تعمیل میں انصار نے ایسے ایثار کا مظاہرہ کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ (ساری عالمی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے)۔

انصار بولے کہ یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ ہمارا سارا مال وزر ہم اور ہمارے بچّے سب کچھ آپ پر قربان۔ ہماری تمام زمینیں ان بھائیوں کو دے دیجئے۔ لیکن مہاجرین کی غیرت نفس نے اس کو قبول نہیں کیا۔ (یقیناً حضور ﷺ کا چہرہ

اسوقت خوشی سے دمک رہا ہوگا)۔ یہ دیکھ کر انصار نے کہا کہ ہماری زمینوں پر کاشت کریں اور پیداوار کا نصف اپنی محنت کا معاوضہ لے لیا کریں یہ ایک مناسب سمجھوتہ تھا۔ دونوں فریق خوش تھے۔ جس امّی لقب پیغمبر کے سامنے یہ سمجھوتہ ہوا تھا اس نے کسی یونیورسٹی سے مشارکت یا Co-operative Farming کا کوئی کورس نہیں کیا تھا۔ وہ مدینۃ العلم تھا اسے معاشیات کی کتاب پڑھنی ضروری نہیں تھی۔ کسی بے کار زمین کو بے کار رکھنے کے بجائے بہتر طریقہ تھا کہ ایک ایماندار رفیق کار (مواخاتی بھائی) کو شریک کار کر لیا جائے۔ پیداوار دوگنی نہیں ہوگی اس سے بھی زیادہ ہوگی۔ پچھلی صدی میں روس میں کمیون کا تجربہ ہوا اور ڈھائی کروڑ انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور نتیجہ صفر سے نیچے نفی میں گیا۔ بے حیا سفید اقوام نے کالے غلام جانوروں کی طرح پکڑے اور اپنی معیشت کو مضبوط کیا مگر روسیاہی مقدّر میں لکھی گئی۔ اب ساری دنیا کو مساوات کا درس دے رہے ہیں۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

لوگ کہتے ہیں کہ کفر پر پہلی ضرب بدر کے میدان میں لگائی گئی۔ میرا خیال کچھ دوسرا ہے۔ انصار کی معیشت کا دارومدار زراعت پر تھا۔ یہاں کی تجارت پر یہودیوں کی اجارہ داری تھی۔ مکّہ کے آئے ہوئے مہاجر تجارتی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ مکّہ والوں کا پیشہ زراعت نہیں تجارت تھا۔ انصار کو جو مواخاتی بھائی ملے تھے وہ تجارت اور لین دین کا تجربہ رکھتے تھے۔ مدینہ میں تجارت پر یہودیوں کی اجارہ داری تھی۔ وہ انصار کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ فصل کے بونے کے مرحلے پر وہ کاشت کاروں یعنی انصار کو قرض دیتے تھے۔ قرض سود در سود اور اسکی دستاویز لکھنے والے دنیا کے سب سے زیادہ بے ایمان لوگ یہودی۔ فصل تیار ہوتی تھی تو قرض کی مد میں سستے داموں خرید لیتے تھے اور آگے کا سارا منافع ان کا اور بے چارہ کاشت کار اگلی فصل کے لیئے پھر مقروض یا مقروض در مقروض۔ مہاجرین جو آئے تھے وہ تجارت اور لین دین کے گر جانتے تھے۔ اللہ اور اسکے رسول کے وفادار ایمان دار تھے تو ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک سال کے اندر یہود کا سودی جال ٹوٹ گیا تھا۔ یعنی ایک ہی سال کے اندر بیرونی محاذ پر کفار مکّہ سے بدر میں فیصلہ کیا گیا

اور یہود کی گرفت سے انصار کی گردن چھوٹی اور یہود کو اپنی تجارت ڈوبتی نظر آئی۔ (اسکے بعد بارہ سوسال سوچ کر یہود نے آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک بنا لیئے۔ اور ہمارے لیئے ''**پھر وہی قید قفس پھر وہی میّا کا گھر**''۔

انصار نے مواخات کے نظام کو اسقدر سنجیدگی سے لیا کہ انھوں نے مہاجرین کو وراثت میں شریک کرنا چاہا۔ مگر اللہ تعالٰی نے یہ منظور نہیں کیا۔ سورہ احزاب کی آیت نمبر 6 نازل ہوئی۔

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا○

ترجمہ: ''رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے کے (ترکے میں) زیادہ حق دار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر کچھ احسان کرنا چاہو یہ حکم کتاب میں لکھ دیا گیا''۔

ایک دو خوبصورت واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں۔

فرمان نبوی سن کر انصار نے اپنی ہر چیز کے دو حصّے کر دیئے۔ سعد بن ربیع اپنے مواخاتی بھائی عبدالرحمٰن بن عوف کو لیکر نکلے اور اپنی زمین اور باغ دکھائے اور پیش کش کی کہ ''ان میں سے آدھا تمھارا ہے۔ اور میرے پاس دو بیویاں ہیں۔ تم جس کو کہو میں طلاق دیتا ہوں تم بعد عدّت اس سے نکاح کر لو''۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ ''تمھاری ساری ملکیت اور بیویاں تم کو مبارک۔ مجھے صرف بازار کا راستہ دکھا دو'' تاریخ بتاتی ہے کہ اپنی تجارت سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اتنا کمایا کہ وہ مدینہ کے چند مالدار ترین افراد میں سے ایک تھے۔

جب بحرین پر اسلامی قبضہ ہوا تو حضور ﷺ نے وہاں کی زمینیں انصار کو دینی چاہیں مگر انھوں نے یہ شرط رکھی

کہ وہ اتنی ہی زمین لیں گے جتنی مہاجرین کو عطا ہوگی۔ انصار کے اس غیر معمولی ایثار و ہمدردی سے مہاجرین اسقدر متاثر ہوئے کہ ان کے ایک نمائندہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم جس قوم میں آکر اترے ان سے بڑھ کر غمگسار۔ مخلص۔ تنگی و فراخی میں مددگار کوئی اور قوم نہیں ہوسکتی۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ تمام اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو ہی مل جائے گا اور ہم محروم رہ جائینگے۔ حضور نے فرمایا کہ نہیں تم ان کے لیئے دعا کرتے رہو۔ دعا کا احسان درہم و دینار کے احسان سے کہیں زیادہ ہے''۔ (سیرت المصطفےٰ۔ جلد اوّل)

آیئے ہم سب ایک دوسرے کے لیئے دعا کریں۔ دعا سے پہلے اور بعد درود تو لازمی ہے ہی۔

اللّٰھم صلِ علیٰ محمدٍ و علیٰ آلِ محمدٍ و بارک وسلّم

یا الٰہ العالمین امت محمدیہ پر تمام دینی اور دنوی نعمتیں نازل کیجئے۔

اللّٰھم صلِ علیٰ محمدٍ النبی الامّی و بارک وسلّم

مواخات کا یہ دستور اس درمیان میں نافذ ہوگیا جبکہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی یعنی ہجرت کے بعد پہلے سات مہینے۔

میثاق مدینہ

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ ان کے باپ کے گھر پر سارے مسلم وغیر مسلم قبایل کے نمائیندے جمع ہوئے رسول اللہ ﷺ کی تجویز پر ایک لائحہ عمل مرتب کیا گیا جس کا بنیادی مقصد یہ نظر آتا تھا کہ مدینہ پر بیرونی حملہ کے خلاف کیسا محاذ بنایا جائے اور دوسری یہ بات کہ ایک شخص کو حاکم اعلیٰ مان کر حکَم بنادیا جائے کہ وہ مدینہ کے اندرونی منافشات کو طے کرے۔ مدینہ میں مہاجر و انصار مسلمانوں کے علاوہ یہودی۔ مشرکین۔ اور نصرانی (عیسائی) بھی تھے اور ایک گروہ منافقین کا بھی تھا (جن کی مکمل پہچان صرف رسول اللہ ﷺ کو تھی)۔ ان تمام لوگوں کو ایک لائحہ عمل پر جمع کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ مگر ایسا ہوا۔ ایک دستور بنایا گیا جسکا نام میثاق مدینہ تھا۔ اس دستور کی تمام شقات پر سیاسی معاشی معاشرتی بحث تو پچھلے سو سال کے اندر پیدا ہونے والوں میں سب سے بڑے محقق ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس فرانس) نے تفصیل سے کی ہے اور ایسی کتاب پیش کی ہے جو عوام کے لیئے تو نہیں مگر خواص کی آنکھیں کھل جاتی ہیں یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ خوش قسمتی سے یہ اہم دستاویز لفظ بہ لفظ موجود ہے۔ اس دستور میں ملّت اسلامیہ کے لیئے ایک پیغام ہے کہ مملکت کے قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک دستور مرتب کرنا ہے (پاکستان میں 26 سال ضایع کیے گئے یہاں تک کہ پاکستان کے دو ٹکڑے ہو گئے)۔

بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ دنیا کا پہلا تحریری دستور جسکی نظر نہیں ملتی ایک ناخواندہ (اُمّی مگر مدینۃ العلم) عرب بدّو نے جس کا عرب سے باہر کی دنیا سے بھی کوئی واسطہ نہیں تھا پیش کیا اور پانچ مختلف گروہوں کے نمائندوں سے منوالیا۔ وہ مشرکین/ یہود/ نصرانی جو حضور کو ابھی تک رسول نہیں مانتے تھے انھوں نے حضور کو مدینہ کے اندرونی اور بیرونی معاملات میں مقتدر اعلیٰ مان لیا۔ اس دستور کی تحریر کے کئی سال بعد تک یہودیوں کے آپس کے جھگڑے توریت کے احکام کی روشنی میں حضور فیصلہ فرماتے رہے۔ یہ دستور اس مدّت میں جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر اوّل ہو رہی تھی یعنی ہجرت کے بعد کے سات مہینے کے اندر تیار بھی ہو گیا اور اس پر عمل بھی شروع ہو گیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں واقعات کی رفتار اتنی تیز ہے کہ تاریخی ترتیب اسی طرح ممکن ہے۔

اس دستور میں پہلا فقرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اس فقرہ کو ہی پانچ مختلف گروہوں سے منظور کرالینا کارنامہٗ نبوّت ہے۔ دوسرا فقرہ ہے کہ تمام (دنیا کے) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت ہوگی (اس بات کو ایک اسلامی فلسفی نے چودہ سو سال کے بعد اسطرح نظم کیا)۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوام عالم سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی

(علامہ اقبال)

اس دستور پر تفصیلی بحث کرنا ڈاکٹر حمید اللہ اور ان کے پایہ کے دوسرے ''فقیہان کرام'' کا کام ہے۔ یہ ہم جیسے ''فقیرانِ کرم'' صرف نظرِ کرم پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے طلب گار ہیں۔

چونکہ یہ میثاق سیرت نگار نظر انداز کردیتے ہیں اسلیئے اس کو جیسا پایا ویسا ہی نقل کردینے کی اجازت چاہتا ہوں۔

تاریخ ساز معاہدہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔ یہ نوشتہ یا معاہدہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو نبیؐ ہیں، قریش اور اہلِ یثرب میں سے مومنوں اور اطاعت گزاروں (مسلمانو) نیز ان لوگوں کے مابین ہے جو ان کے تابع ہوں، ان کے ساتھ شامل ہو جائیں، اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصّہ لیں:

(۱) یہ سب مسلمان دوسرے لوگوں کے مقابل میں ایک امّت (یعنی سیاسی وحدت) ہیں۔

(۲) قریش کے مہاجر قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کیا کریں گے تاکہ ایمانداروں کا برتاوٗ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۳) بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ ادا کر کے چھڑائے گا تاکہ ایمان داروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۴) بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۵) بنوساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۶) بنو جشم اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداری کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۷تا۱۰) بنو نجّار، (۸) بنو عمرو بن عوف (۹) بنو نبیت (اوس) اور بنو اوس اپنے دستور کے مطابق خون بہا خود ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۲ سے ۱۰ تک تمام شقوں کی عبارت ایک ہے، البتہ گروہوں کے نام بدلتے گئے ہیں)

(اہل ایمان کی ذمہ داریاں)

(۱۱) اہل ایمان اپنے میں سے، کسی ایسے شخص کو جو مفلس ہو یا قرض کے بوجھ تلے دبا ہو، امداد دیے بغیر نہیں رہیں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہو سکے۔

(۱۲) کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

(۱۳) متقی مومن ہر اس شخص کی مخالفت پر تیار اور متحد رہیں گے، جو سرکشی اختیار کرے، ظلم، گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو

یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلائے۔ ایسے شخص کی مخالفت میں اہلِ ایمان کے ہاتھ ایک ساتھ اُٹھیں گے، اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو۔

(۱۴) کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی ایمان والے کے خلاف کسی کافر کو امداد نہیں دے گا۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ کا عہد و ذمّہ ایک ہی ہے۔ اہلِ ایمان میں سے کوئی معمولی سا فرد بھی کسی شخص کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔ ایمان والے کے خلاف کسی کافر کو امداد نہیں دے گا۔

(۱۶) یہودیوں میں سے جو ہمارا اِتبّاع کرے گا، اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی۔ نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کِسی کو مدد دی جائے گی۔

(۱۷) اہلِ ایمان کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں ہو تو کوئی ایمان والا دُوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا۔ یہ صلح سب ایمان والوں کے لیے برابر اور یکساں ہونی چاہیے۔

(۱۸) ان تمام گروہوں کو جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے، نوبت بہ نوبت آرام کا موقع دیا جائے گا۔

(۱۹) ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو نقصانِ جان اُٹھانا پڑے، اس کا بدلہ وہ مِل کر لیں گے۔

(۲۰) بلاشبہ متقی مومن سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

(۲۱) کوئی مُشرک (جو اس معاہدے میں شریک ہے) قریش کے مال و جان کو پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کِسی ایمان والے کے مانع آئے گا۔

(۲۲) جو شخص کسی ایمان والے کو قتل کرے گا اور اس کا ثبوت بھی مل جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس صورت کے کہ مقتول کا والی خون بہا لینے پر رضا مند ہو۔ تمام ایمان داروں پر لازم ہوگا کہ وہ اس کی تعمیل پر

اُٹھیں۔اس کے سوا ان کے لیے کوئی صورت جائز نہیں ہوگی۔

(۲۳) کسی ایماندار کے لیے، جو اس نوشتے (صحیفے یا عہد نامے) کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہے، نیز اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لا چکا ہے، جائز نہیں ہوگا کہ وہ کوئی نئی بات نکالنے والے (بدعتی یا مُحدِث) فتنہ انگیز کی مدد کرے یا پناہ دے۔ جو اس کی حمایت کرے گا یا پناہ دے گا، وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور غضب کا مستوجب ہوگا جہاں کوئی فدیہ یا بدلا قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۲۴) جب کبھی تم (یعنی اس عہد نامے کے پابند لوگوں) میں کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اللہ اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(یہودیوں کے حقوق)

(۲۵) یہودی جب تک مومنوں کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے، اپنے مصارف بھی خود ہی برداشت کرتے رہیں گے۔

(۲۶) بنی عوف کے یہودی مومنوں کے ساتھ ایک اُمّت (سیاسی وحدت) متصوّر ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہیں اور مسلمان اپنے دین پر، خواہ موالی ہوں یا اصل، البتہ جو لوگ ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں گے، وہ اپنی ذات اور گھرانے کے سوا کسی کو مصیبت میں نہیں ڈالیں گے۔

(۲۷) بنی نجّار کے یہودیوں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

(۲۸) یہودِ بنی حارث کے وہی حقوق ہوں گے، جو یہودِ بنی عوف کے ہیں۔

(۲۹) یہودِ بنی ساعدہ کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہودِ بنی عوف کے ہیں۔

(۳۰) یہود بنی جُشم کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہودِ بنی عوف کے ہیں۔

(۳۱) یہود بنی اوس کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہودِ بنی عوف کے ہیں۔

(۳۲) یہود بنی ثعلبہ کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہودِ بنی عوف کے ہیں، البتہ جو ظلم یا جُرم کا ارتکاب کرے گا، وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو مصیبت میں نہیں ڈالے گا۔

(۳۳) جفنہ بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں، لہٰذا یہودِ بنی جفنہ کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہود بنی ثعلبہ کے ہیں۔

(۳۴) بنی شُطیبہ کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو یہود بنی عوف، کے ہیں، وفا شعاری ہو، نہ کہ عہد شکنی۔

(۳۵) بنی ثعلبہ کے موالی کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

(۳۶) یہود کی تمام شاخوں کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

(امن ودفاع کی مشترکہ ذمّے داریاں)

(۳۷) کوئی بھی محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہ نکلے (یعنی مُعاہدے کا کوئی فریق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حُکم کے بغیر کسی سے لڑائی کرنے یا لڑائی کے ارادے سے نکلنے کا مجاز نہیں)۔

(۳۸) زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی، جو شخص خونریزی کرے گا تو اس کی ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی، بجز اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ اس کے ساتھ ہے۔

(۳۹) یہود اپنے خرچ کے ذمے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے ذمّے دار ہوں گے۔

(۴۰) اِس معاہدے کے شُرکاء کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو وہ (یعنی یہود و مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی پر کاربند رہیں گے اور باہم مشورہ کریں گے۔ ان کا شیوہ وفاداری ہوگا نہ کہ عہد شکنی۔

(۴۱) کسی شخص کو حلیف کی بدعملی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کو ہر حال میں مدد دی جائے گی۔

(۴۲) یہود جب تک ایمان والوں کے ساتھ ہو کر جنگ کرتے رہیں گے، اپنے مصارف جنگ خود ادا کریں گے۔

(۴۳) یثرب کا میدان اس عہد نامے کے شرکاء کے لیے مقدس و محترم ہوگا۔

(۴۴) پناہ گزین کے ساتھ وہی برتاؤ ہوگا جو پناہ دہندہ کے ساتھ ہو رہا ہو۔ نہ اسے نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔

(۴۵) کسی عورت کو اس کے کنبے والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۴۶) اس معاہدے کے شرکاء کے درمیان کوئی نئی بات، معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جائے، جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس صحیفے یا عہد نامے میں جو کچھ درج ہے، اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ اس کی پابندی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری سے کی جائے۔

(۴۷) نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

(۴۸) اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو ان معاہد فریقوں، یعنی یہودیوں اور مسلمانوں پر ایک دوسرے کی امداد کرنا لازم ہوگا۔

(۴۹) اگر یہودیوں کو صلح کر لینے اور اس میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے گی تو وہ اسے قبول کر لیں گے۔ اگر یہودی کسی سے صلح کریں گے اور مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دیں گے تو ان کے لیے بھی اسے قبول کر لینا لازم ہوگا، اس صورت کے کہ جنگ دین کے لیے ہو (یعنی دین کے لیے جنگ ہو تو تعاون کسی فریق پر لازم نہ ہوگا)۔

(۵۰) ہر شخص یا گروہ کے حصے میں اسی رُخ کی مدافعت آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔

(۵۱) اوس کے یہودیوں کو خواہ وہ موالی ہوں یا اصل وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہ معاہدہ قبول کرنے والوں کو حاصل ہیں۔

(۵۲) اس عہد نامے کے حکم میں ظالم وخطا کار داخل نہیں۔ جو جنگ کے لیے نکلے وہ بھی اور جو گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی، اس کا حقدار ہوگا۔ صرف وہ لوگ مستثنٰی ہوں گے جو ظلم وجرم کے مرتکب ہوں گے۔

(۵۳) اللہ اس کا حامی ونگہبان ہے جو عہد وقرار میں وفا شعار اور پرہیز گار ہو، اور اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی اس کے حامی ہیں۔

اس میثاقِ مدینہ سے مسلمانوں کو سیاسی، عسکری نوعیت کے کئی اہم فوائد حاصل ہوئے جو یہ ہیں:

(۱) اسلامی مملکت کو ایک مضبوط اساس فراہم ہوگئی جسے داخلی اور خارجی دشمنوں کی سازشیں اور کوششیں متزلزل نہ کرسکیں، اور

(۲) اسے یہود و مشرک قبائل نے تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ اس کے حلیف بن گئے اور اس کے دفاع کی مشترکہ ذمہ داری بھی قبول کرلی۔

(۳) مسلمانوں کو دینی، قومی اور سیاسی تشخص حاصل ہوگیا اور اسے تسلیم بھی کرلیا گیا۔

آؤ نکل کر میداں میں ہم سر کی بازی کھیلیں گے

مکّہ کی تیرہ سال کی نبوی زندگی میں اللہ کے رسول کی طرف سے سخت ہدایت تھی کہ کفّار سے جنگ شروع نہ کی جائے۔ صحابہ کرام نے ساری سختیاں جھیلیں مگر جنگ جھگڑا شروع نہیں کیا۔ اس میں سے جو چند استثنا ہیں وہ دل کو گرما دیتی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت حمزہ نے کعبہ میں ابو جہل کے ساتھیوں کے گھیرے میں گھس کر ابو جہل کو مارا کہ خون بہنے لگا۔ کیونکہ صفا پر سے ایک لونڈی نے دیکھ لیا تھا کہ ابو جہل نے حضور کو کسقدر رتنگ کیا تھا۔ برا بھلا کہا تھا اور نوچا کھسوٹا اور جھنجوڑا تھا۔ اسد رسول حمزہ جلال میں آ گئے اور ابو جہل کی خاص ٹھکائی کی۔ ابو جہل کے ساتھی بڑھے تو ابو جہل نے خود ہی ان کو روکا ورنہ اسوقت شکار سے لوٹنے والے اسدِ رسول حمزہ کے ہاتھ میں ہتھیار تھے اور بات کافی خون خرابے تک جا پہنچتی اور ابو جہل کو خود اپنی جان کی فکر تھی۔ اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ نے حضرت حمزہ کی گرم مزاجی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور حمزہ کو معلوم ہو گیا کہ ابھی جنگ کا وقت نہیں آیا۔ دو تین دن کے بعد دوسرا شیر گرجتا گونجتا کعبہ میں داخل ہوا کہ میں یہاں نماز پڑھوں گا اور جو یہ چاہے کہ اس کی بیوی بیوہ ہو اور ماں اسپر نوحہ کرے وہ آ کر عمر کو روکے۔ کوئی نہیں آیا۔ مگر اسکے بعد حضرت عمر بھی غصّہ دکھانے میں محتاط رہ گئے۔ اس کے لیے بیعت عقبہ کے وقت دوران گفتگو کچھ مکّہ والوں اور قریش کے جبر اور ظلم کا بیان آیا تو عبّاس بن عبادہؓ نے سعد بن عبادہؓ کی طرف غور سے دیکھا۔ عبّاسؓ کا ہاتھ انکے تلوار کے دستہ پر تھا۔ سعدؓ نے عبّاسؓ سے نظریں ملائیں تو اسمیں خوف کا شائبہ نہیں تھا۔

عبّاسؓ نے کہا کہ ”حضور ﷺ اجازت دیجیے کہ ہم مکّہ والوں کو اپنے تلوار کے جوہر کل ہی دکھا دیں“ عبّاسؓ کو نہیں معلوم تھا کہ اس سال ۷۲ کو نہیں مگر اگلے سال ۳۱۳ کو بدر میں تلوار کے جوہر دکھانے تھے۔

اب حالات گرم سے گرم تر ہوتے جا رہے تھے۔ حضور نبیٔ کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی بلکہ حکم دیا۔ زیادہ تر مہاجرات کو یا چھپ کر مدینہ روانہ ہوئے مگر حضرت عمر کی زندگی میں خوف

اور چھپ کے کوئی کام کرنے کا کوئی خانہ نہیں تھا۔ دن کی روشنی میں سب کو اور خاص طور سے ابوجہل کو اطلاع دیتے ہوئے مکہ سے نکلے ''عمر ہجرت کر رہا ہے۔ جس کو کچھ جواں مردی کا زعم ہو نکل کر آئے۔ مگر اس دن سب کفار سو رما چھپ گئے اور کمزور مسلمان ساتھ آ گئے کہ عمر کی پناہ تھی۔ عمر کی ہجرت ایک قافلہ کی شکل میں تھی۔

اب کفار میں بوکھلاہٹ شروع ہوئی۔ ان کو اندازہ ہوا کہ ''اب ورنہ کبھی نہیں'' کا وقت ہے۔ رات کو حملہ اور قتل کی سازش مشیر اعلیٰ شیطان الرّجیم کے مشورہ پر تیار کی گئی۔ مگر۔

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر است

اللہ تعالیٰ نے بروقت حضور کو حکم ہجرت دیا۔ ''آج ہی۔ ابھی اسی رات'' کفار نے غار ثور تک پیچھا کیا۔ مگر وہاں نبی کریم ﷺ نے اپنے رفیق غار کو تشفی دی۔ لاتحزن ان اللہ معنا۔ اور پھر سراقہ تعاقب میں نکلا۔ نبی اور رفیق نے اس سے پناہ نہیں مانگی بلکہ اسکو ایک پناہ کا پروانہ لکھدیا گیا۔ اللہ۔ اللہ۔

اب حضور ﷺ مدینہ میں ہیں۔ مسجد نبوی تیار ہو رہی ہے۔ ہجری سن کا پہلا سال ہے۔ نبی کریم کو معلوم ہے کہ قریش باز نہیں آئیں گے۔ دن کی روشنی میں اگر نہ آسکے تو رات کو کوئی نہ کوئی قاتل وحشی شخص ضرور بھیجا جائے گا۔ پہرہ چوکی کا انتظام بھی نبی کریم ﷺ کو کرنا تھا۔ گن لیجئے کہ حضور کے سامنے کتنے کام تھے اسوقت۔ دن کو مسجد کے کام کی مزدوری۔ مہاجرین کی بحالی مواخات۔ میثاق مدینہ۔ صفّہ یونی ورسٹی کی جگہ کا تعیّن تعلیم دین کا انتظام۔ دفاعی فوجی دستوں کی تنظیم اور روزانہ رات کو مکمّل پہرہ۔ یہ سارا کام ایک انسان کے بس کا نہیں تھا مگر نبی کے بس میں تھا۔ اس میں پانچ وقت کی باجماعت نماز اور راتوں کی عبادت کا اضافہ اور کرلیں۔

مدینہ میں مہاجر تو شبہ سے بالاتر تھے اور انصار اتنے پیارے لوگ تھے کہ وہ مہاجروں سے بڑھ کر حضور کے اور اسلام کے جاں نثاروں میں تھے۔ یہاں مجھے "بڑھ کر" کے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئے تھے۔ کہ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر تھا۔ مگر اور تین گروہ جو تھے یہودی نصرانی اور منافقین ان میں سے (میرے ذاتی خیال میں) منافقین سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ اس زمانہ وسطیٰ کی سیاست میں رات کے سناٹے میں قتل کا کافی عمل دخل تھا۔ اور اس قتل پر کس خونی اجرتی قاتل کی خدمات دولت زمین یا عورت کی لالچ کے ذریعہ سے حاصل کی جاسکتی تھیں ایسا ہی ایک قاتل گماشتہ عمیر مکہ سے صفوان بن امیہ کی ضمانت پر کہ اسکے سارے قرضے صفوان ادا کردے گا مدینہ آیا بھی تھا مگر حضور نے اس سے سوال پوچھنے کے بجائے خود اسکو بتایا کہ وہ کعبہ میں صفوان بن امیہ سے کیا معاہدہ کر کے آیا ہے۔ وہ تائب ہوا۔

سنن نسائی میں ہے کہ حضور رات رات بھر جاگا کرتے تھے۔ مقصد مسلمانوں کو یہ تعلیم دینا تھی کہ جو کام خود کرنے کا ہے اسکا بوجھ اللہ پر ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر صرف نتیجہ کی ذمہ داریاں ڈالی جاسکتی ہے۔ شاید یہ ہی مطلب ہے آیت کریمہ **لیس لانسان الا ماسعیٰ** کا کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو اسکی کوشش سے ملے۔ شبلی نعمانی سیرت النبی میں تحقیق سے ثابت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام شب خون کے خلاف تدبیر یہ کرتے تھے کہ ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ کاشانہ نبوی پر جاں نثار آٹھوں پہر پہرہ دیتے تھے۔ صحابہ کرام باری باری مدینہ کے گرد چکر لگاتے تھے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے کہ ایک رات حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دے" فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص نے نگہبانی کے فرائض سنبھال لیئے۔ کبھی کبھی راتوں کو چیخ پکار سنائی دیتی تو ساری بستی جاگ کر حملہ آور کے استقبال کے لیئے تیار ہو جاتی تھی۔ بیشتر یہ آوازیں ان قافلے والوں کی ہوتی تھیں جو رات کو سفر کا ایک حصہ ختم کر کے شب بسری کرتے صرف ایک رات کے لیئے۔

ایک رات ایسی ہی خوف و ہراس کی فضا تھی کہ دور سے تیز رو دوڑتے ہوئے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ جب سوار سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ یہ رسول ﷺ ہیں جو ابو طلحہ کے مندوب نامی گھوڑے کو (جلدی میں) بغیر زین کے

لے کر سرپٹ نکل گئے تھے۔ واپس آ کر فرمایا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے سو جاؤ (صحیح بخاری) جب ایسا آقا تشفی دے کہ سو جاؤ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے تو پھر کون خطرے کی پرواہ کرتا۔

مرا پیمبر عظیم تر ہے

وہ خلوتوں میں بھی صف بہ صف بھی
وہ اِس طرف بھی وہ اُس طرف بھی
محاذ و منبر ٹھکانے اسکے
وہ سر بسجدہ بھی سر بکف بھی
کہیں وہ موتی کہیں ستارہ
وہ جامعیت کا استعارہ
وہ صبح تہذیب کا گجر ہے
مرا پیمبر عظیم تر ہے

(مظفر وارثی)

لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ میں اپنے پیغمبر کے معجزات بیان کروں گا۔ مگر میں کون سے ایسے معجزے بیان کروں جو میرے آقا کے غلاموں کے غلام بھی آقا کے نام پر درود پڑھ کر دکھاتے ہیں۔ تھوڑے سے آٹے کی روٹی میں پورے گروہ نے کھانا کھالیا اور پیٹ بھر گیا۔ یا حضور کے جوٹھے پانی کو اندھے کوئیں میں ڈال دیا اور پورا کنواں ابل آیا اور پورے لشکر نے وضو کیا پانی پیا صرف ایک معجزہ ہے جو پھر دوبارہ نہیں ہوا وہ شق القمر کا ہے۔ معراج رسول کا معجزہ نہیں

ہے۔ صاف صاف کہہ دیا اللہ نے کہ اللہ لے گیا اپنے حبیب کو۔ سبحان الذی اسریٰ۔

پھر دیکھو غور سے دیکھو۔ کیا میرے رسول کی زندگی معجزوں سے خالی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ حضور کی زندگی خود معجزہ ہے۔ حضور زندہ معجزہ ہیں۔ کون ہے دوسرا تاریخ میں ایسا جسکے تابع **وقت** تھا۔ مکّہ سے دو رفیق چلے تھے۔ سات سال کے بعد جب واپس مکّہ گئے تو لشکر دس ہزار تھا اور تین مزید سال کے بعد حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چالیس ہزار افراد خطبے میں گواہ بنائے گئے۔ مرا پیمبر عظیم تر ہے۔ تین چار پہلے گذرے ہوئے خاکے حضور کی بصیرت بصارت فراست اور جسارت کے ایسے ہیں کہ یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ سال کے آدھے حصّہ میں چھ مہینے میں کیسے اتنا سارا کام ہوا مسجد کو بننے میں پہلی سن ہجری کے سات مہینہ لگے اور یہ سارے کارنامے اس دوران عمل میں آچکے تھے۔ وقت کی طنابیں کھینچ لی تھیں میرے آقا نے اپنی گرفت میں۔ یہ ہے معجزہ۔

قرآں کے لفظ لفظ کی سچّی دلیل ہیں

میرے حضور میرے خدا کی دلیل ہیں

(مظفر وارثی)

مجھے تو لا الہٰ الا اللہ کہنے کے لیئے بھی پہلے محمد رسول اللہ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ کہہ دو مجھے بدعتی۔ میں اسے تحفہ سمجھتا ہوں۔

دیکھ کر در کو کھلا در پر تمھارے آگئے

داستانِ غم سنانے غم کے مارے آگئے

کون سنتا ہے بھلا ہم دردمندوں کی صدا

لے کے غم کا بوجھ ہم در پر تمھارے آگئے

گرتے پڑتے لڑ کھڑاتے ڈولتے اٹھتے ہوئے

منزلِ طیبہ میں آقا کے سہارے آگئے

ان سہارا ڈھونڈھنے آنے والوں میں ایک چمکدار نام ہے سلمان فارسی کا۔ حضور کے چاہنے والوں میں ہر طرح کے چمکدار لوگ تھے۔ وہ جو گود کے پالے ہوئے تھے مثلاً علی اور نوعمر غلام زید۔ عمر بھر کے دوست اور رفیق مثلاً ابو بکر۔ جو دور سے نام سن کر آئے تھے مثلاً مدینہ کے بیعت عقبہ والے۔ (صحیح بخاری فرماتی ہے کہ مدینہ میں حضور کا استقبال کرنے والے 500 افراد تھے)۔ یہ نتیجہ تھے حضور کے مدینہ میں سفیر اعلیٰ مصعب بن عمیر اور وائسرائے اسعد بن زرارہ کے کچھ وہ بھی تھے جو خود اکیلے منزلیں مارتے خوشبو کی لکیر کے سہارے حضور تک پہنچے۔ ان سب کی ایک پہچان ہے۔

انّ اصحابی کالنجوم اقتدیتم اهتدیم (حدیث نبوی)

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

ابھی پہلا سن ہجری ہے مگر حضور ابھی مدینہ نہیں پہنچے۔ قبا میں دو ہفتہ قیام تھا۔ یہ انھیں دنوں میں سے کسی دن کا قصّہ ہے۔ قصّہ اس پاک نفس انسان سے سنیئے جس کو عربی میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا نے صورۃ من حیاۃ الصحابہ میں تحقیق کیا اور اردو میں ابو جاوید اقبال احمد قاسمی صاحب نے شائع کیا۔

میں اصفہان کی ایک بستی ''جیان'' کا رہنے والا ایک ایرانی نوجوان تھا۔ میرے والد اس گاؤں کے زمیندار، اس کے باشندوں میں سب سے زیادہ مالدار اور سماجی لحاظ سے سب سے بلند مقام و مرتبہ کے مالک تھے۔ وہ میرے روزِ پیدائش ہی سے میرے ساتھ غیر معمولی محبّت رکھتے تھے اور ان کی یہ محبّت مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی اور اس میں شب و روز ارتقاء و اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے نقصان پہنچنے کے موہوم خطرات کے پیش نظر انھوں نے لڑکیوں کی طرح میرے گھر سے نکلنے پر سخت پابندی عائد کر دی۔ میں نے اپنے آبائی مذہب مجوسیت کا علم حاصل کرنے اور اس کے احکام و فرائض پر عمل کرنے میں غیر معمولی محنت اور دلچسپی سے کام لیا اور ترقی کر کے آتش کدہ کا مرزبان ہو گیا اور شب و روز اس کو دہکانے اور روشن رکھنے کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی گئی۔

میرے والد کے پاس کافی زمین تھی جس سے بڑی مقدار میں غلّہ حاصل ہوتا تھا۔ زمین کا انتظام اور فصلوں کی

دیکھ بھال وہ بذاتِ خود کرتے تھے۔ ایک بار کسی مصروفیت کی وجہ سے وہ گاؤں نہیں جاسکے اس لیے مجھ سے کہا کہ بیٹے تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی مصروفیت کے سبب سے میں کھیت پر نہیں جاسکتا۔ آج میری جگہ تم وہاں چلے جاؤ اور اس کی نگرانی کرو۔ والد صاحب کی ہدایت کے مطابق کھیت پر جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ راستے میں میرا گزر عیسائیوں کے ایک گرجا کی طرف سے ہوا۔ اس وقت گرجا میں نماز ہو رہی تھی۔ ان کی آواز کانوں میں پڑی تو میری توجہ ان کی طرف مبذول ہوگئی۔ چونکہ میرے والد نے گھر سے نکلنے اور لوگوں کے ساتھ ربط و تعلق قائم کرنے پر پابندی لگادی تھی اس لیے میں نصاریٰ اور دیگر اہل مذاہب کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ جب میں نے ان کی آواز سُنی تو یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کیا کررہے ہیں، گرجا میں داخل ہوگیا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو ان کی عبادت اور نماز کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا اور میرے اندر ان کے مذہب سے رغبت پیدا ہوگئی۔ میں نے دل میں کہا بخدا ان کا مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ پھر میں غروبِ آفتاب تک ان کے ساتھ رہا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے؟ انھوں نے بتایا کہ اس کی اصل شام میں ہے۔ جب رات کو گھر واپس آیا تو میرے والد مجھ سے ملے اور انھوں نے میری کارگزاریوں کی روداد پوچھی۔ میں نے کہا کہ ابّا جان! میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف ہوا جو کنیسہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کا طریقۂ عبادت بہت پسند آیا اور میں غروبِ آفتاب تک ان کی صحبت میں رُکا رہا۔ میرے اس عمل سے والد صاحب بہت گھبرائے اور انھوں نے کہا کہ بیٹے! اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے۔ تمہارا اور تمہارے آباو اجداد کا دین اس سے بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ خُدا کی قسم! ان کا دین ہمارے دین سے اچھا ہے۔ میری بات سن کر والد صاحب کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں میں اپنے دین سے پھر نہ جاؤں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے گھر میں قید کرکے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔

موقع پاکر میں نے نصاریٰ کے یہاں پیغام بھیجا کہ اگر شام جانے والا کوئی قافلہ تمہارے پاس پہنچے تو مجھے آگاہ کرنا۔ خوش قسمتی سے چند ہی روز کے بعد شام جانے والا ایک قافلہ ان کے پاس پہنچ گیا اور انھوں نے مجھے اس کی اطلاع کردی۔ میں نے کوشش کرکے اپنے آپ کو بیڑیوں سے آزاد کیا اور چپکے سے ان کے ساتھ شام پہنچ گیا۔ وہاں

پہنچ کر میں نے دریافت کیا کہ دینِ مسیحیت کا سب سے افضل آدمی کون ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ پادری جو گرجا کا متولی و منتظم ہے، اس وقت کا سب سے افضل اور بہتر نصرانی ہے چنانچہ میں نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

''میں نصرانیت کی طرف مائل ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس رہوں، آپ کی خدمت کروں۔ آپ سے اس کی تعلیم حاصل کروں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ اس نے میری درخواست قبول کرلی۔ اور مجھے اپنے ساتھ قیام کی اجازت دے دی۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ گرجا میں رہنے اور اس کی خدمت کرنے لگا لیکن چند ہی روز رہنے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ اپنے اخلاق و عادات اور اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ اپنے متبعین کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا اور ثواب کی خوش خبری سُناتا۔ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے لوگ اسے مال دیتے تو وہ سب کچھ اپنے لیے جمع کر لیتا، فقراء و مساکین کو اس میں سے کچھ نہ دیتا۔ یہاں تک کہ دھیرے دھیرے اس کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی اور اس کے یہاں سونے سے بھرے ہوئے سات گھڑے اکٹھا ہو گئے اس کا یہ رویہ دیکھ کر مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد جب اس کا انتقال ہو گیا اور نصرانی اس کی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہوئے تو میں نے ان کو بتایا کہ یہ بہت بُرا شخص تھا، تم لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا مگر تمہاری دی ہوئی پوری کی پوری رقم اپنی ذات کے لیے جمع کر لیتا تھا اس میں سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کو ایک حبہ نہیں دیتا تھا۔ انھوں نے کہا تم کو کیسے معلوم؟ میں نے کہا میں تم کو اس کا خزانہ دکھاتا ہوں اور میں نے وہ جگہ دکھا دی۔ انھوں نے وہاں سے سات گھڑے نکالے جو سونے چاندی سے پُر تھے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے کہا:

''بخدا ہم اس کو ہرگز دفن نہیں کریں گے''۔

پھر انھوں نے اس کی لاش کو صلیب پر لٹکا کر اس پر پتھروں کی بارش کر دی۔

اس کے چند روز بعد انھوں نے اس جگہ ایک دوسرے شخص کو مقرر کر دیا اور میں اس کی صحبت میں رہنے لگا۔ میں نے دنیا میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ دنیا سے بے نیاز، آخرت کا مشتاق اور عبادت کا پابند ہو۔ میں

اس سے غیر معمولی محبت کرنے لگا اور ایک مدّت تک اس کی صحبت سے مستفید ہوتا رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے عرض کیا۔

''محترم! میرے لیے آپ کی کیا وصیّت ہے؟ آپ مجھے اپنے بعد کس کی صحبت اختیار کرنے کی نصیحت فرمار ہے ہیں؟''

''بیٹے! اپنے علم کی حد تک میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو اُس دین پر قائم ہے جس پر میں تھا۔ وہ فلاں شخص ہے جو موصِل میں رہتا ہے۔ اس نے صحیح دین میں کوئی تحریف نہیں کی ہے۔ حق اب صرف اسی کے پاس ہے''۔

اس نے جواب دیا۔

جب میرے مرشد کا انتقال ہو گیا تو میں موصِل پہنچا اور اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو اپنی پوری سرگزشت سے آگاہ کر دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ فلاں بزرگ نے اپنی موت کے وقت مجھے آپ کی صحبت اختیار کرنے کی وصیّت کی تھی۔ انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ اب صرف آپ ہی اس دین پر قائم ہیں جس پر وہ خود تھے۔ میری بات سُن کر انھوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور میں وہاں رہنے لگا۔ میں نے ان کو بہترین حالت پر پایا لیکن بد قسمتی سے میں زیادہ دنوں تک ان کی صحبت سے استفادہ نہ کر سکا۔ ان کی موت کا پروانہ بہت جلد آ گیا، جب ان کے انتقال کی گھڑی قریب آ گئی تو میں نے عرض کیا۔

''محترم! آپ کا وقتِ موعود آ گیا ہے اور آپ میرے مسئلے سے بخوبی واقف ہیں۔ اب آپ کی طرف سے میرے لیے کیا وصیّت ہے۔ مجھے کِس کے پاس جانے کی ہدایت فرماتے ہیں؟'' میری بات سُن کر انھوں نے فرمایا:

''بیٹے! بخدا مجھے نہیں معلوم کہ ''نصیبین'' کے فلاں شخص کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس دین پر باقی ہے جس پر ہم لوگ ہیں۔ بس تم وہیں جاؤ اور اسی کی صحبت اختیار کرو''۔

اس بزرگ کی تجہیز وتکفین کے بعد میں نصیبین والے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوااور انھیں اپنے حالات اور اپنے مرشد کی ہدایت سے آگاہ کیا۔انھوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر رضامندی ظاہر کی اور میں ان کے پاس مقیم ہوگیا۔میں نے دیکھا کہ وہ اسی حق پر قائم ہیں جس پر پہلے دونوں بزرگ تھے لیکن مجھے ان کی صحبت میں رہتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کا وقت بھی پورا ہوگیا جب ان کی موت کا وقت قریب آگیا تو میں نے ان سے کہا۔

''آپ کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔آپ جانتے ہیں کہ میرا مقصد کیا ہے جس کے لیے میں در در کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔اب اپنے بعد آپ مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرمارہے ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا کہ:

''بیٹے!میری معلومات کی حد تک اب روئے زمین پر صرف ایک شخص رہ گیا ہے جو اس دین حق پر قائم ہے۔وہ فلاں شخص ہے جو''عموریہ''میں رہتا ہے میرے بعد تم اسی کے پاس چلے جانا''۔

میں ان کی ہدایت کے مطابق''عموریہ''پہنچا۔تمام حالات وواقعات سے انھیں باخبر کیا اور بزرگ کی وصیّت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خدمت میں قیام کی اجازت طلب کی۔انھوں نے اجازت دے دی اور میں ان کے ساتھ رہنے لگا۔بخدا وہ مذکورہ بزرگوں کے طریقے پر قائم تھے۔میں ان کی صحبت سے مستفیض ہونے لگا۔ان کے یہاں رہتے ہوئے میں نے کچھ گائیں اور بکریاں پال لیں۔جب ان کی موت کا وقت آپہنچا تو میں نے ان سے کہا:

''آپ میرے معاملے سے اچھی طرح واقف ہیں۔میرے بارے میں کس کو وصیّت کررہے ہیں اور مجھے کیا حکم دے رہے ہیں؟''

اُنھوں نے جواب دیا کہ:

''بیٹے!بخدا میرے علم کی حد تک رُوئے زمین پر اب ایسا کوئی شخص نہیں بچا ہے جو اس دین پر قائم ہو جس پر ہم

تھے۔لیکن وہ وقت قریب آ گیا ہے جب سرزمینِ عرب میں ایک نبی دینِ ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہوگا پھر وہ اپنے وطن سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا جو حرّتین کے درمیان واقع ہے۔اس کی چند واضح نشانیاں ہیں۔ وہ ہدیہ قبول کرے گا، صدقہ نہیں کھائے گا اور اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوّت ہوگی۔اگر ہو سکے تو تم اسی علاقے میں چلے جاؤ''۔

ان کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک میں عموریہ میں مقیم رہا، ایک دن اُدھر سے کچھ عرب تاجروں کا گزر ہوا جو قبیلۂ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے۔میں نے ان سے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے اپنے ساتھ عرب لیتے چلو تو میں تمہیں اپنی ساری گائیں اور بکریاں دے دوں گا۔وہ تیار ہوگئے اور میں نے اپنے جانوران کے حوالے کر دیے۔جب قافلہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک مقام ''وادی القریٰ'' پر پہنچا تو انھوں نے میرے ساتھ غدّاری کی اور مجھے غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔اب میں ایک غلام کی حیثیت سے اس کی خدمت کرنے لگا۔کچھ عرصہ بعد بنو قریظہ کا ایک یہودی اس کے یہاں آیا اور مجھے خرید کر اپنے ساتھ ''یثرب'' لے گیا۔میں نے وہاں کھجوروں کے پیڑ دیکھے جن کا ذکر عموریہ والے بزرگ نے کیا تھا۔اس کی بیان کردہ علامتوں کی مدد سے میں نے مدینہ کو پہچان لیا۔اب میں اپنے نئے یہودی آقا کے ساتھ مدینہ میں رہنے لگا۔

اس وقت تک نبی کریم ﷺ ابھی مکّہ ہی میں تھے اور اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اس دوران اپنی غلامی کی مصروفیات اور عدیم الفرصتی کے سبب ان کے متعلق کچھ معلومات نہیں حاصل کر سکا۔پھر آپؐ مکّہ سے ہجرت کر کے قبا آ گئے۔ایک روز میں اپنے آقا کے باغ میں ایک کھجور پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا۔میرا آقا اسی درخت کے نیچے بیٹھا تھا اتنے میں اس کے قبیلے کا کوئی شخص آیا اور کہنے لگا:

''اللہ تعالیٰ بنو قیلہ کو ہلاک کرے۔وہ سب قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو آج ہی مکّہ سے ان کے یہاں پہنچا ہے اور خود کو نبی بتا رہا ہے''۔

یہ سُنتے ہی میرے اُوپر بخار کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور میرا پورا جسم کانپنے لگا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں اپنے آقا کے اُوپر گر پڑوں گا۔ میں جلدی جلدی درخت سے اُترا اور اس آدمی سے پُوچھنے لگا:

''ابھی تم کیا کہہ رہے تھے ذرا وہ بات مجھے دوبارہ بتاؤ''۔

اس پر میرا آقا غضب ناک ہوگیا اور اس نے مجھے ایک گھونسہ مار کر کہا:

''تمہیں اس سے کیا مطلب۔ چلو، جا کر اپنا کام کرو''۔

شام کو کچھ کھجوریں ساتھ لے کر جو میں نے جمع کر رکھی تھیں، رسُول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا اور ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے کچھ غریب الوطن اور ضرورت مند ساتھی ہیں۔ یہ صدقے کی تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ میرے خیال میں آپ لوگ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

''آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کھاؤ، مگر خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا۔ ''یہ پہلی علامت ہے''۔

اِس کے بعد میں واپس چلا آیا اور پھر کھجوریں پس انداز کرتا رہا اور جب رسُول اللہ ﷺ قبا سے مدینہ آئے تو میں نے دوبارہ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا:

''اس روز میں نے دیکھا کہ آپ نے صدقے کی کھجوریں نہیں کھائیں اس لیے آج یہ تھوڑی سی کھجوریں ہدیۃً خدمت میں پیش کر رہا ہوں''۔

آپؐ نے ان کھجوروں میں سے خود بھی کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی شریک کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا۔ ''یہ دوسری نشانی ہے''۔

تیسری بار جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بقیع میں تشریف فرما تھے۔ وہاں آپ اپنے کسی صحابی کی تدفین میں شریک تھے۔ میں نے آپؐ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس وقت آپ کے جسم پر دو چادریں تھیں۔ میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور گھوم کر پشت کی جانب آ گیا کہ شاید میں وہ خاتم نبوت دیکھ سکوں جس کو عموریہ میں میرے مرشد نے بتایا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنی پشتِ مبارک کی طرف نظر اُٹھائے ہوئے دیکھا تو میرا مقصد سمجھ گئے اور پشت پر سے چادر سرکا دی۔ میں نے خاتم نبوت کو دیکھا، اسے پہچانا اور جھک کر اسے بے ساختہ چومنے لگا۔ اس وقت میری آنکھوں سے مسرّت کے آنسو جاری تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "کیا بات ہے"؟

اور میں نے اپنی پوری سرگزشت بیان کر دی جس کو سُن کر آپؐ مسرُور ہوئے اور اس بات سے خوش ہوئے کہ آپ کے اصحاب نے میری زبان سے میری تلاش حق کی داستان سُن لی۔ ان لوگوں نے بھی اس پر انتہائی حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور بے حد مسرور ہوئے"۔

سلام ہو سلمانؓ فارسی پر جس روز وہ تلاشِ حق کی راہ میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور سَلام ہو ان پر جس روز وہ حق سے آگاہ ہوئے، اور سَلام ہو ان پر جس روز وہ مرے اور جس روز زندہ کر کے دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔

اسوقت تو حضرت سلمان بن اسلام اپنے کارِ غلامی پر واپس چلے گئے اور ہجرت کے دوسرے سال اور تیسرے سال بدر اور احد کے بڑے ہنگامی گذرے مگر بہت جلدی حضور نے سلمان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے یہودی مالک سے مکاتبت کر لیں۔ یہ مکاتبت ایک قسم کا Performance Bond ہوتا تھا کہ اگر غلام ایک خاص رقم کما کر مالک کو دے دے تو آزادی مل جاتی تھی۔ طے یہ پایا کہ سلمان اگر 300 کھجور کے درخت لگا دے اور ایک خاص مقدار سونے کی فراہم کرے تو آزادی مل سکتی ہے۔ کھجور کے تین سو پودے بچے (Saplings) مختلف انصار برادران نے فوراً فراہم کر دیئے اور اپنے بھائی کی آزادی کے لیئے تین سو گڈھے کھودنے پر کمر بستہ ہوئے۔ ظاہر ہے کہ میرے آقا صل اللہ علیہ وسلّم کبھی محنت کے کام میں پیچھے کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے والے نہیں تھے۔ تین سو پودے لگ گئے کیونکہ

جماعت جمیعت کے کاموں میں ہمیشہ برکت ہوتی ہے۔اب مسلۂ چند اوقیہ سونے کا تھا۔کسی کان سے کسی صحابی کو کچھ چاندی ملی۔حضور کے سامنے پیش ہوئی۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی سلمان کو ہدیہ کردو۔سلمان نے مایوسی سے کہا کہ "اس نے تو سونا مانگا تھا"۔حضور نے اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر بند مٹھی سلمان کو دی کہ لے جاکر اسکو یہودی کو دے دو۔یہودی کے پاس پہنچتے پہنچتے وہ چاندی سونا ہوگئی اور وزن بھی حسب طلب نکلا۔سلمان آزاد ہوئے یعنی دوبارہ غلام رسول ہوگئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "سلمان منا اہل بیت" سلمان میرے اہل بیت ہیں۔سلمان اپنی غلامی کے دور کی وجہ سے بدر اور احد میں شریک نہ ہو سکے مگر اسکے بعد وہ کبھی رسول اللہ ﷺ سے دور نہ کیئے جا سکے۔سلمان اسلام تو قبا میں لائے تھے یعنی سن ھجری کے اولین دنوں میں مگر صحابۂ کرام میں انکی شمولیت 3ھ میں ہوئی اسلیئے انکو اس پہلے سال ھجری کے بیان میں جگہ دی۔اندازاً پانچ سال کے بعد جب کفار قریش نے یہودیوں کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر آخری حملہ کیا تو حضرت سلمان فارسی نے تجویز پیش کی کہ مدینہ کے گرد ایک خندق کھودی جائے یہ طریقہ دفاع کا بقول حضرت سلمان کے ایران میں کارگر تھا۔کمزور فوج اپنے سے زیادہ طاقت ور سے اچھا مقابلہ کرتی تھی۔حضور ﷺ نے یہ تجویز منظور کی اور (ظاہر ہے) کہ تمام صحابہ کے ساتھ مل کر خندق کھودی۔مگر اس کے متعلّق بعد میں۔

یہ ذکر سلمان چھڑ گیا ہے تو دل کے تار ہل گئے ہیں۔علامہ نے سلمان کا ذکر بلال کے ساتھ بار بار کیا ہے مگر ایک واقعہ کا ذکر امام ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم جسکو زیادہ تر سیرت نگار پیش کرنا بھول گئے۔

ایک دفعہ اصحب رسول ﷺ مسجد نبوی میں یاروں دوستوں کی طرح جمع تھے۔راز و نیاز بھی تھے اور محبّت و مودّت بھی۔اس بسۂ دوستاں میں تھے۔سیدنا ابو بکر صدّیق۔حضرت فاروق اعظم۔اور دوسرے مہاجرین اور انصار ساتھ ہی سیّدنا بلال۔سلمان فارسی اور صہیب رومی اسود اور احمر کی اخوت اور وحدت کا ایک عجیب رنگ تھا۔اتنے میں ایک نومسلم بدّو جس کا نام قیس بن مطاطہ مذکور ہے ادھر آنکلا۔حلقۂ یاراں کو حیرت اور تعجب سے دیکھا اور بولا کہ اگر مہاجر اور انصار ایک جگہ جمع ہوں تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے مگر یہ غیر عرب یہاں کیا کر رہے ہیں۔انھیں کس نے اجازت دی۔حضرت معاذ بن جبل جو اس حلقہ میں تشریف رکھتے تھے اُٹھے اور قیس کو گریباں سے پکڑ کر حضور اکرم کے سامنے لے

گئے کہ حضور اسپر نسلی عصبیت کا غرور چڑھا ہوا ہے۔ ہادیٔ برحق نے جب یہ سنا تو غضب ناک ہو گئے۔ اٹھ کھڑے ہوئے چادر مبارک کندھے سے لٹک آئی اسکی پرواہ نہ کی وہ زمین پر گھسٹتی گئی۔ زبان حق سے اعلان ہو رہا تھا۔ ''الصلواۃ الجامعۃ۔ الصلواۃ الجامعۃ''۔ یعنی سب لوگ نماز و دعا کیلئے جمع ہوں۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

اَیُّھا الناسُ! اِنَّ الرَّبُّ ربٌّ وَاحِدٌ وَاَنَّ الْاَب اَبٌ وَاحِدٌ! وَ أَنَّ الْعَرَبِیَّۃَ لَاسَتْ لِاَحَدِکُم بِاُمٍّ وَلَا اَبٍ! فَمَنْ تَکَلَّمَ بِالْعَرَبِیَّۃِ فَھُوَ عَرَبِیٌّ وَمَنْ وُجِدَ لَہٗ أَبْوَانِ فِی الْاِسْلَامِ فَھُوَ عَرَبِیٌّ۔

یعنی اے لوگو! پروردگار بھی سب کا ایک ہی ہے اور باپ بھی سب کا ایک ہی ہے۔ تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ رہی عربی زبان تو یہ تم میں سے کسی کی ماں ہے نہ باپ بلکہ یہ تو ایک زبان ہے جس نے عربی بولنا سیکھ لیا وہ عرب ہے اور جس کے باپ دادا مسلمان ہوئے وہ بھی عرب ہے۔

عہدِ فاروقی میں ایران فتح کرنے والے لشکرِ مجاہدین میں وہ بھی شامل تھے۔ پھر فتح کے بعد سیّدنا فاروقِ اعظمؓ نے انھیں کسریٰ نوشیروان اور خسرو پرویز کے دار السلطنت مدائن کا گورنر مقرر کیا تھا۔ پانچ ہزار درہم تنخواہ مقرر ہوئی جو غرباء و مساکین میں تقسیم کردی جاتی اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے آپ اپنے ہاتھ سے چٹائیاں بنا کر فروخت کرتے تھے۔ خلافت فاروقی کے آخری ایاّم میں وفات ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق ۳۵ھ ہجری میں فوت ہُوئے۔

سیدنا سلمان فارسیؓ سے متعدد احادیث مروی ہیں، ان سے روایت کرنے والے لوگوں میں سیدنا عبداللہ بن عمر، سیّدنا عبداللہ بن عباس اور سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

سیدنا سلمان کی گورنری مدائن کے واقعات جناب امام مالک رحمۃ اللہ ذرا تفصیل سے نقل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب سیّدنا سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے تو کھجور کے پتوں کی چٹائیاں بنا کر اپنی روزی کماتے تھے۔ پانچ ہزار

درہم کی تنخواہ غرباء اور مساکین میں تقسیم فرمادیتے تھے۔آپ نے اپنا مکان بھی نہیں بنایا تھا۔درختوں کے زیر سایہ گزر اوقات ہوتی تھی۔ایک دن کسی خیر خواہ نے کہا کہ میں آپ کی رہائش کے لیے مکان تعمیر کیے دیتا ہوں۔آپ نے فرمایا: بھئی مجھے تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔آدمی نے بہت اصرار کیا اور عرض کیا کہ چلئے ایک تنگ سا کمرہ بنائے دیتا ہوں کہ اگر آپ کھڑے ہوں تو سر چھت سے ٹکرائے اور اگر آپ پاؤں پھیلائیں تو پاؤں کی انگلیاں دیواروں سے ٹکراتی رہیں فرمایا: چلو اتنا گھر تو مجھے گوارا ہے۔اقبال نے اسی بے نیازی اور استغناء کی کیفیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند
مثل سلمانؓ در مدائن بودہ اند
حکمرانے بود و سامانے نداشت
دست او جز تیغ و قرآنے نداشت
مسلمانے کہ در بند فرنگ است
دلش در دستِ او آسان نیاید
ز سیمائے کہ سو دم بر درِ غیر
سجود بوذرؓ و سلمانؓ نیاید !!

کوئی سنادے ”معتدل ترقی پسند اسلام“ کا پرچار کرنے والوں کو:۔

مسلمانے کہ دربندِ فرنگ است — دلش دردست او آسان نیاید

زسیماے کہ سودم بردرِ غیر — سجودِ بوذر و سلماں نیاید

(وہ مسلمان جو فرنگی کی قید (روحانی ذہنی قید) میں چلا گیا۔ اسکا دل اسکے قابو میں نہیں رہتا۔ جس پیشانی کو غیر کے در پر ٹکا دیا اس پیشانی سے بوذر اور سلمان کے سجدوں جیسا سجدہ نہیں مل سکتا) اگر آپ چاہیں تو درِ غیر کے بجائے درِ بش۔ در بلیر۔ در شیرون یا درِ گاندھی پڑھ لیں۔

جو درخت خود حضور ﷺ نے باغ سلمان میں لگائے تھے وہ علمائے وقت نے کٹوا دیے کیونکہ اس سے بدعت کی بو آتی تھی۔ فاطمہ زہرا کی قبر پر بلڈوزر چلا کے اسکا نشان بھی مٹا دیا کہ وہ بھی بدعت تھی۔ شاید کوئی دن ایسا آئے کہ محمد عربی کے عرب کو لوگ سعودی کہنے اور ماننے سے انکار کردیں کیونکہ یہ بھی بدعت ہے۔ عرب تو عرب ہے۔ یہ سعودی عرب کہاں پیدا ہو۔

ابھی ہجرت کا پہلا سال ختم نہیں ہوا ہے۔ مسجد تقریباً تعمیر ہو چکی ہے۔ امہات المومنین سودہ اور عائشہ کے حجرے تعمیر ہو چکے ہیں اور بنات رسول کلثوم اور فاطمہ اور امہات سودہ اور عائشہ کو مکہ سے بلا لیا گیا۔

اسعد بن زرارہ جو حضور نبی کریم ﷺ کے مدینہ میں خادم اعلیٰ تھے جب کہ حضور ابھی مدینہ تشریف نہیں لائے تھے۔ انھوں نے انتقال فرمایا اور جنّت البقیع کے پہلے مکین بنے یہ ان پہلے چھ افراد میں شامل تھے جنھوں نے عقبہ میں پہلی بیعت کی تھی۔ قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم جو حضور ﷺ کے اور دوسرے مہاجرین کے میزبان رہے جب تک کہ یہ قافلہ نور مدینہ منتقل نہیں ہو گیا۔ انتقال فرما گئے۔ یہ ایک بزرگ اور برگزیدہ شخصیت تھے۔

حضرت ابوایوب انصاری

حضرت ابوایوب انصاری کا نام خالد بن زید بن کلیب تھا اور ابوایوّب انکی کنیّت تھی۔ جب حضور مدینہ میں داخل ہوئے تو سارے مدینہ نے دروازے کھول دیئے کہ وہ میز بانِ رسول بننا چاہتے ہیں۔ یہ محلّہ بنونجار کا تھا یعنی حضور کی والدہ مرحومہ محترمہ آمنہ کا آبائی۔ میزبان کون بنے گا اس کا فیصلہ اونٹنی قصویٰ کو کرنا تھا اور قصویٰ جس جگہ بیٹھی وہ حضرت ابوایوب کے گھر کے قریب تھی اور پھر ابوایوب نے پوری جلد بازی سے کام لیا اور حضور کا سامان گھر لے گئے۔ سامان کیا تھا اونٹنی کا کجاوہ۔

حضرت ابوایوب انصاری کا مکان دومنزلہ تھا۔ انھوں نے بالائی منزل کو اپنے گھر والوں کے ساز و سامان سے خالی کروایا کہ حضور وہاں قیام کرینگے مگر حضور نے اس خیال سے کہ بہت سے لوگ دن بھر ملنے آتے ہیں نیچے رہنا پسند کیا۔ مگر یہ حضرت ابوایوب انصاری پر مشکل ڈال گیا۔ ان کو ہر وقت یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ حضور کے اور نزول وحی کے درمیان میں رکاوٹ ہیں۔ اوپر چلنے پھرنے سے گریز کرتے تھے کہ کہیں وہ حضور کے سر مبارک کے اوپر اپنے قدموں سے نہ چل رہے ہوں۔ پھر ایک سرد رات (مدینہ میں سردی کافی ہوسکتی ہے) پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ دونوں میاں بیوی کو پریشانی کہ یہ پانی اگر نیچے ٹپکا تو حضور ﷺ کے لیئے باعث تکلیف نہ ہو۔ انھوں نے گھر کا اکلوتا کمبل ڈال دیا کہ وہ پانی کو جذب کرلے اور خود پوری رات سردی میں کپکپاتے رہے۔ آخرکار حضور ﷺ نے ابوایوّب کی پریشانی کو محسوس کیا اور خود اوپر کی منزل میں منتقل ہوگئے۔ حضور ﷺ ابوایوب کے سات مہینے مہمان رہے اور ایوب نے اپنا نام دنیا کے معزّز ترین میزبان کی حیثیت سے منوالیا۔ سات مہینہ کسی شخص کو مہمان رکھنا آسان بات نہیں ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری نے لمبی زندگی پائی۔ اندازاً اسّی سال کی عمر میں انھوں نے قسطنطنیہ جہاد میں حصّہ لیا۔ یہ شہر اب استنبول کہلاتا ہے۔ جب مرض نے شدّت اختیار کی تو ساتھی غازیوں کو پیغام دیا۔

''دشمن کی سرحدوں میں گھس جاؤ جہاں تک ہوسکے۔ میری لاش کو ساتھ لے جاؤ اور آخری مقام پر جہاں تم پہنچو وہاں دفن کردینا''۔ حضرت ابوایوب کا مزار اب استنبول کے آباد علاقہ میں ہے اور اس علاقہ کو ''ایوب'' ہی کہتے ہیں۔

''زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے''

ہجرت کا دوسرا سال

آج شیطان کے ایوان شیطانی میں بڑی کھلبلی ہے۔ کوئی زبردست بات ہوئی ہے یا کوئی وحشت ناک خبر آئی ہے۔ آج ھجری سن کا دوسرا سال صفر کا مہینہ مہینہ کی 12 تاریخ ہے (4 اگست 623ء) شیطانی حلقے جائے ایک دوسرے کو ایک اندوہ ناک اور وحشت ناک خبر سنا رہے ہیں۔ ادھر مسجد نبوی میں جواب مکمّل ہوچکا ہے مومنین حضور ﷺ کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھے ہیں (گھیرا ڈال کر بیٹھنا مومنین میں ایک رسم بن گئی تھی مدینہ میں۔ یہ حضور پر کسی ناگہانی اچانک حملہ کے خلاف ایک خود اختیاری طریقہ تھا)۔ مومنین منتظر ہیں کہ حضور کچھ فرمائیں کہ حضور کی زبان مبارک سے وحی کے الفاظ سنائے جاتے ہیں۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ o

ترجمہ: اب (لڑنے کی) ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

کچھ سمجھ دار مومنین منتظر ہیں کہ محفل برخاست ہو انھیں اپنی تلواروں کے زنگ صاف کرنے ہیں۔ عمر اور حمزہ کی تلواروں پر تو چھ سال کا زنگ تھا اب تلوار بھی چمک اٹھی اور چہرے بھی۔

پھر مزید آیت آتی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت 190۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔

ترجمہ: (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو اللہ کی راہ میں مگر زیادتی نہ کرنا)۔

آجکل کے بعض سیاسی پنڈت جو مسلمان کو سلادینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں وہ "جاھدو" کے لفظ پر کھیل

کرتے ہیں۔اور مسلمان کو ''کوشش'' کرنے پر لگادیتے ہیں اور پھر جہاد اکبر اور جہاد اصغر کی لغاتی توجیہ کرتے رہتے ہیں کہ بے چارہ مسلمان سو جائے یا کھو جائے۔ان کو اطلاع دے دینی چاہیئے کہ بہت سے مسلمان بلکہ زیادہ تر مسلمان جہاد اور قتال کے الفاظ کے معنی بغیر لغت دیکھے ہوئے جانتے ہیں۔اور قرآن کریم کے الفاظ قاتلو اور یقتلون کے معنی خوب سمجھتے ہیں۔لاہور کی شریف زادیاں جو واگہ باڈر پر سکھ ہندو گارڈس کے ساتھ لڈّی کھیلنے کی آرزو میں دبلی ہوئی جاتی ہیں ان کو بتادیں کہ ان کی یہ ساری کوششیں گرودیو مہابلی اکبر کے زمانے سے آج تک ناکامیاب رہی ہیں اور یہ ہوتا رہے گا۔کوئی مجدّد الف ثانی ضرور آئیگا۔

باطل دوی پسند ہے حق لاشریک ہے

شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

صاف صاف بات کرو۔

آنکل کے میداں میں دورخی کے خانے سے

کام چل نہیں سکتا اب کسی بہانے سے

بہادری دکھاؤ اور کہدو کہ ہمیں قرآنی حکم نامنظور ہے۔تاویل کے پھندے مت پھیلاؤ۔

جو لوگ جہاد اور قتال کے معنی اور فرق کو سمجھتے ہیں انھیں مزید کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔صرف چند واقعات 2ھ کے عرض کرتے ہیں اور اسکے بعد 2ھ کا مشہور واقعہ جنگ بدر تمھیں سننا ہوگا اور ہم سنائیں گے۔

نماز کا قبلہ بدل گیا

جی ہاں نماز کا قبلہ بدل گیا۔ دل کا قبلہ جہاں تھا وہیں رہا۔ میرے آقا کا یہ طریقہ تھا کہ جب تک معاملہ میں کوئی صریحی حکم نہ ہو وہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیروی کرتے تھے۔ مکہ میں اور خانہ کعبہ میں یہ ممکن تھا کہ حضور روبقبلہ ہوتے بیت المقدس کی طرف اور کعبہ بھی سامنے ہوتا مگر مدینہ میں جا کر یہ ہوا کہ بیت المقدس شمال میں اور کعبہ جنوب میں۔ مشرکین کعبہ کا احترام کرتے تھے مگر بیت المقدس انکے لیئے کچھ نہیں تھا۔ جب حضور نے مدینہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی تو سب اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہودی طنز کرتے تھے کہ قبلہ تو ہمارا قبول کرتے ہیں مگر اور باتوں میں اختلاف کرتے ہیں۔ یہ تضاد ہے۔ قرآن نے ہی گواہی دی کہ حضور کے دل کی چھپی ہوئی خواہش تھی کہ قبلہ کعبہ کی طرف ہو۔ سیوطی خصائص الکبریٰ فرماتا ہے کہ حضور نے جبرئیل سے اس خواہش کا اظہار بھی کیا تھا مگر جبرئیل نے معذرت کی کہ میں بھی بندہ ہوں آپ اللہ سے براہِ راست دعا کیجئے۔ حضور نے ملتجیانہ نگاہوں کے علاوہ کوئی پیغام اوپر روانہ نہیں کیا۔

ابن جوزی لکھتا ہے کہ منگل پندرہ شعبان سن 2 ھجری۔ بوقت عصر آیت نازل ہوئی کہ حضور اپنا رخ کعبہ کی طرف کر سکتے ہیں حضور ﷺ نے عین نماز میں رخ بدل دیا اور مقتدی بھی فوراً پیچھے والے آگے آ گئے اور جماعت نے عصر کی بقیہ دو رکعات روبہ کعبہ نماز پڑھی۔ ایک صحابی نے اس نماز میں شرکت کی اور پھر ان کا انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گذر ہوا جو اپنے محلّہ میں نماز عصر پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے بلند آواز سے پکارا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے یہ نماز کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی ہے۔ یہ سنتے ہی امام اور نمازیوں نے بھی اپنا رخ کعبہ کی طرف کر لیا۔ قبلہ کی تبدیلی کی خبر (4 یا 5 کلومیٹر دور) مسجد قبا میں صبح کے وقت نماز فجر میں پہنچی انھوں نے بھی حالت نماز میں گھوم کر قبلہ تبدیل کیا۔ تحویل قبلہ کا حکم سورہ بقرہ کی آیت 144 میں ہے۔

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ اِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ ○

"تمھارے چہرہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں (لو ہم قبلہ کی طرف تمھیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو اب جہاں کہیں تم ہو نماز کے وقت اس کی طرف اپنا رخ کر کے نماز ادا کرو)۔

مجھے اسوقت انصاری براء بن معرور یاد آ رہے ہیں۔ بڑے سردار اور مالدار تھے مدینہ میں۔ اسلام لانے کے بعد حضور سے شدید محبت ہوگئی اگرچہ انھوں نے اسوقت تک حضور ﷺ کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔ (وہی اویس قرنی والا معاملہ) ان کو مکّہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنا پسند نہیں تھا۔ اپنے قلب کی گواہی پر انھوں نے حضور ﷺ کی جائے پیدائش کی طرف اپنا قبلہ بنالیا۔ ذی الحجہ 13 نبوی کو حضور کے سامنے بیعت کے لیئے پیش کیئے گئے تو انھوں نے اعتراف کیا "یا رسول اللہ میں تو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہوں" (اسوقت تک تحویل قبلہ نہیں ہوا تھا) حضور نے مسکرا کر فرمایا "کچھ دن انتظار کرلیا ہوتا"۔

حضور کی مدینہ آمد سے کچھ دن پہلے انتقال ہوگیا۔ حضور نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ براء نے ایک جدّت اور کی تھی۔ وصیّت کی تھی کہ میری لاش ایسے دبانا کہ رخ کعبہ کی طرف ہو۔ آج ہر مسلمان کی قبر ایسے ہی ہوتی ہے۔ براء کی غائبانہ نماز جنازہ مدینہ میں پڑھائی جانے والی پہلی غائبانہ نماز جنازہ ہے۔

تحویل قبلہ کے سلسلہ میں یہودیوں نے اپنی دانست میں بڑی منطق بحثیں کی تھیں۔ "یا تو پہلے پڑھی جانے والی نمازیں غلط تھیں یا اب غلط ہیں۔ دونو قبلہ شمال جنوب کیسے صحیح ہو سکتے ہیں"۔

ایسی حماقت کا جواب نہ حضور نے دیا نہ مسلمانوں نے۔ اللہ نے البتّہ خود ان کو بیوقوف کہا "سیقول السفہا۔۔۔"۔

ان بے وقوفوں کو معلوم نہیں تھا کہ مسلمان پتھر کی عمارت کا تابع نہیں اللہ کے حکم کا تابع ہے جو رسول کے ذریعہ آئے۔

"ایک قبلہ" کا ترجمہ عاشقِ رسول اقبال نے یوں کیا ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاک کاشغر

اس نظم کا دوسرا شعر دل دہلا دیتا ہے۔ اللہ اپنی حفاظت میں رکھے۔

جو کرے گا امتیاز رنگ وخوں مٹ جائیگا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

اگر ہمارے مٹ جانے میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے تو وہ یک جہتی ختم ہونے کے بعد پوری ہوجائے گی۔

مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

نماز کے وقت نمازی مسجد نبوی میں خود بخود جمع ہوجاتے تھے مگر پھر بھی یہ گمان رہتا تھا کہ کوئی شخص بھول گیا ہے۔ سب کو جمع کرنے کے لیئے مختلف تجویزیں آئیں مگر سب میں خامی نظر آئی۔ بگل ناقوس گھنٹے یہ سب عیسائیوں کی مشابہت رکھتے تھے۔ آگ جلانا مجوسیوں کی مشابہت تھی۔ (ایرانی عرب کے ہم سائے تھے) جھنڈا بلند کرنا رات کو اور بادل بارش میں ناکامیاب اور آگ جلانا دن کو ناکامیاب اور فضول خرچ۔ اتفاق نہیں ہوسکا تو حضرت عمر فاروق نے ایک فقرہ پیش کیا۔ الصلوٰۃ جامع کی صدا گلیوں میں بلند کی جائے۔ کتنی گلیوں میں کتنی دور تک یہ صدا بلند کی جائے اور کتنے

افراد چاہئیں اس کے لیئے؟۔ بہر حال یہ تجویز کچھ دنوں رائج رہی اور حضور نے اس کام پر حضرت بلال کو مامور کیا۔ خود حضور مسجد کے اندر جب بلند آواز سے الصلواۃ جامع فرماتے تھے تو یہ اشارہ تھا کہ لوگ منبر کے گرد جمع ہو جائیں خطبہ ارشاد ہوگا۔ (صحیح بخاری)

ابن ماجہ نے ایک طویل روایت کی ہے کہ حضرت ابن زید بن عبدربہؓ نے خواب اور بیداری کی ملی جلی حالت میں ایک سبز پوش شخص کو دیکھا۔ اسکے ہاتھ میں ناقوس (بگل باجہ) تھا۔ اس سے پوچھا کہ یہ ناقوس بیچو گے اس سے میں نمازیوں کو جمع کرنے کا کام لوں گا۔ اس نے کہا میں تم کو اس سے بہتر بات نہ بتاؤں تو ابن زید نے کہا ضرور بتاؤ۔ اس نے کلمات اذان سکھائے۔ عبدربہؓ نے وہ کلمات حضور ﷺ کو پیش کیئے تو حضور نے فرمایا یہ خواب سچا ہے اور بلال کو یہ کلمات سکھا دیئے گئے۔ بلال نے بلند آواز سے اذان دی تو دیکھا کہ عمر فاروق دوڑتے ہوئے اور اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا کہ بخدا میں نے یہ کلمات خواب میں سنے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **فللہ الحمد**۔

یہ مشکوۃ میں ایسے ہی ہے مگر بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ گیارہ اور افراد کو بھی یہ کلمات سکھائے گئے۔

(یہ اذان اگر بلال ابوجہل کے سامنے ادا کرتے تو وہ غصہ اور خوف سے مرجاتا۔ یہ گمان یا خوش گمانی اس گنہ گار مولف کی ہے۔ ویسے ابوجہل کی موت زیادہ دور نہیں ہے کیونکہ یہ ۲ھ ہے۔ جنگ بدر کا سال)۔

اذان مسلمانوں کا خاص شعار ہے۔ خاص پہچان ہے۔ دل کے کچھ داغ ہیں جو دکھ دیتے ہیں۔ ترک ناداں نے جنگ عظیم اوّل کے دنوں میں خلافت کی قبا تار تار کر دی۔ چند لٹیروں نے حرم کعبہ پر قبضہ کیا۔ لارنس آف عریبیا جیت گیا۔ اور جیسا کہ گمان ہو سکتا ہے یہ سب کیا دھرا سفید بندروں کا تھا۔ مسلمانوں کے مقدس مقامات پر بل ڈوزر چلا دیئے گئے۔ یہ دردناک کہانی ارادہ ہے کہ کسی دن لکھوں گا۔ بہرحال یہ ایک امرواقعہ ہے کہ ترکی کے روشن خیال اور ترقی پسند اسلام کے سربراہ نے ترکی رسم الخط اسلامی ٹوپی اور داڑھی ممنوع قرار دی اور اذان بند کروادی دوبارہ عرض کرتا ہوں اگر آپ کو اعتبار نہیں کہ ترکی میں اذان بند کرادی گئی۔ وہ ترکی جو خلافت عثمانیہ کا صدیوں مرکز رہا ہے وہاں اذان بند رہی۔ اب پاکستان میں بسنت عام ہے۔ روشن خیال خواتین واہگہ باڈر پر سکھ اور ہندو گارڈز کے ساتھ جوق در جوق جاتی ہیں لڈی

کھیلنے اور بسنت کا دعوت نامہ دینے۔ یہاں بھی جلدی ہی روشن خیال ترقی پسند اسلام نافذ ہوجائے گا اور ہمارے لیئے ایک ہی راستہ ہوگا کہ ڈوب کر مرجائیں۔

معافی چاہتا ہوں قلم بہک گیا تھا۔موضوع سے دور جاپڑا۔اذان کے لیئے حضرت بلال کو نامزد کیا گیا۔

جولاں گہ سکندرِ رومی تھا ایشیا
گردوں سے بھی بلند تر اسکا مقام تھا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
دعوے' کیا جو پورس و دارا نے خام تھا
دنیا کے اس شہنشہ انجم سپاہ کو
حیرت سے دیکھتا فلک نیلی فام تھا
آج ایشیا میں اسکو کوئی جانتا نہیں
تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں
لیکن بلال وہ حبشی زادہِ حقیر
فطرت تھی جس کی نورِ نبوّت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلال
محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر

ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

حضرت بلال کی اذان پر مسلمان جہاں ہوئے وہ اللہ کے سامنے جھک گئے جس میں اشارہ تھا کہ اب وہ کسی اور کے سامنے نہیں جھکیں گے۔ مگر اب

رہ گئی رسمِ اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

یہ اذان کا کرشمہ تھا کہ اسلام کا بنیادی اصول مساوات انسانی بار بار صاف طور پر دکھایا جاتا تھا۔ (اب شرف اور شوکت اور عزت کی پہچان یہ ہے کہ سب کے لیے سڑک بند کردی جائے)۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
اسکی سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

جب اسلام کا دریا چڑھ رہا تھا تو اسوقت علامہ اقبال کی نظر میں مسلمانوں کی تین خصوصیات تھیں جنکی مثال دنیا میں نہیں تھی۔ **علم خبر** یعنی دماغ کا علم سائنسی علوم اور **بصارت نظر**۔ عشق بہ معنی جذبہ یا بہ معنی عشق رسول اور **بصیرت** اور **اذان سحر**۔

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں نظر میں اذان سحر میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اذان سن نے والوں کو حکم دیا ہے کہ جب اذان سنو تو موذّن کے ساتھ اسے دہراتے رہو۔ حی الصّلواۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں کہو لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ اذان کے بعد وہ خاص دعا جس میں حضور کو وسیلہ اور فضیلہ اور مقام محمود پر سرفراز کرنے کی التجا ہے۔ (صحیح مسلم)

اذان فجر کے بعد حضرت بلال کا معمول تھا کہ وہ حضور کے حجرہ کے سامنے بلند آواز سے کہتے تھے الصلوٰۃ یا رسول اللہ۔ ایک دفعہ حضور کو برآمد ہونے میں دیر ہوئی تو بے اختیار منہ سے نکلا۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ عالم اضطراب میں نکلا ہوا یہ فقرہ حضور کو پسند آیا اور حضور کے حکم سے یہ اذان فجر کا حصّہ بن گیا۔ (یہ بیان جامع ترمذی کا ہے مگر مشکوٰۃ شریف میں امام مالک کے حوالے سے موطا میں لکھی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر کے ساتھ ہوا مگر حکم حضور کا تھا واللہ اعلم) مسجد نبوی کے دو موذّن تھے۔ عام طور پر حضرت بلال اور کبھی عبداللہ بن عمرو مکتوم۔ اور کبھی فجر کی دو اذانیں بھی ہوئیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بلال اذان میں جلدی کرتے تھے اور حضور نے بلال سے تو کچھ نہیں کہا مگر روزہ داروں سے کہا کہ بلال کی اذان پر کچھ وقت اور ملالو اور سحری کھاؤ۔ بہر حال مدینہ منورہ میں فجر کی دو اذانوں کا دستور ابھی بھی ہے۔

احمقانہ پیشین گوئیاں

مدینہ پہنچنے پر یہودیوں نے کہنا شروع کیا کہ ہم نے بند لگادیا ہے اب مسلمانوں کے یہاں بچّے پیدا نہیں ہونگے۔ ایسا ہوا کہ 2ھ تک مسلمان بچّے کی ولادت نہیں ہوئی۔ مگر ہجرت کے چودہ مہینے کے بعد حضرت بشیر انصاری کے گھر نعمان پیدا ہوئے اور اس کے چھ مہینے کے بعد حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسما جو شریک حیات تھیں زبیر بن العوام کی اور جنھوں نے ہجرت کی رات ذات النطاقین کا لقب پایا ان کے گھر ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام عبداللہ رکھا گیا۔

اسی سن ھجری میں شعبان کے مہینے میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ (زکوٰۃ سن 8 ہجری میں فتح مکّہ کے بعد زکوٰۃ کا نظام قائم ہوا مگر اس مولف کو وہ تاریخ نہیں مل سکی جب زکوٰۃ فرض ہوئی مگر قرآن شریف زکوٰۃ اور نماز کا حکم عام طور پر ساتھ ساتھ ہے۔ نماز ہجرت سے ایک سال پہلے معراج میں ملی مگر اسوقت زکوٰۃ کا نظام تو قائم کیا جا نہیں سکتا تھا کیونکہ کسی کے پاس دو وقت کے کھانے کا سرمایہ بھی نہ تھا سوائے ایک یا دو مسلمانوں کے)۔

خاموش فیاضی

مدینہ کی گلیوں پر اندھیرا چھا رہا ہے۔ یہ ہجری کا پہلا سال ہے یا دوسرا۔ کتنے مسلمان پریشان ہیں۔ کچھ انصار آسودہ حال ہیں اور کچھ مہاجر۔ وہ مہاجر آسودہ ہیں جو تاجر پیشہ قریش تھے۔ انھیں تجارت کا ڈھب آتا ہے۔ عثمانؓ آئے تو بجائے اپنے اخی انصاری پر بوجھ بننے کے فوراً کھجوروں کی تجارت میں داخل ہو گئے۔ اللہ نے برکت دی۔

مدینہ کی گلیوں پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ لوگ نمازِ عشاء کے لئے مسجد کی طرف روانہ تھے۔ عثمانؓ کاروبار سے فارغ ہو کر جلدی جلدی مسجد جا رہے تھے۔ قریب سے ایک شخص گذرا مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ معلوم نہیں کہ مہاجرین میں سے تھا یا انصار میں سے۔ اپنی دھن میں بولتا جا رہا تھا۔ ''آج سات دن ہو گئے۔ ایک پیالہ میٹھے پانی کا نہیں پیا۔ کھارا پانی پی کر گلا چھل گیا''۔ عثمانؓ نے کہا ''آؤ بھائی میں تمھیں میٹھا پانی پلاؤں''۔ ''بس رہنے دو۔ میں کیسے میٹھا پانی پیوں گا۔ میرے بچوں نے اور ہمسایہ نے بھی میٹھا پانی نہیں پیا''۔ عثمانؓ کھڑے ہو گئے۔ ''بیر رومہ؟''

''ہاں مجھے معلوم ہے کہ بیر رومہ واحد کنواں ہے میٹھے پانی کا۔ یہودی کی ملکیت ہے۔ پانی فروخت کرتا ہے۔ کئی درہم فی مشک اتنا تو میں ایک دن کی مزدوری پاتا ہوں۔ کیا ساری مزدوری کا پانی پی جاؤں؟''۔

عثمانؓ بولے ''بھائی آج کی رات معاف کرو۔ کل کا دن بھی شاید معاف کروالوں۔ مگر اسکے بعد تم تمہارے بچے تمہارے ہمسایہ سب میٹھا پانی پئیں گے''۔ ''تم کون ہو؟''۔ اس شخص نے پوچھا؟''۔ ''میں عبداللہ ہوں''۔ عثمانؓ بولے ''بس ایک مہربانی کرنا کہ کل شام تک کسی سے میرے وعدے کا ذکر نہ کرنا۔ انشاء اللہ تم پرسوں میٹھے پانی سے نہار ہے ہو گے''۔ عرب میں یہ ذہانت تھی کہ وہ سمجھ گیا کہ یہاں ہر شخص اللہ کا بندہ ہے۔ عبداللہ ہے۔ یہ شخص نام نہیں بتا رہا ہے مگر ایک دن بعد میٹھے پانی کا وعدہ کر رہا ہے۔

بیر رومہ پر ایک موٹا یہودی بیٹھا ہوا ہے۔ پانی بک رہا ہے۔ اسکے گماشتے رقم وصول کر رہے ہیں۔ کنویں کے منہ پر لوہے کا ڈھکنا ہے۔ تالا ہے۔ پہرہ ہے۔ کاروبار ہے۔

عثمانؓ ٹہلتے ہوئے آتے ہیں جیسے یوں ہی گذر ہو گیا ہے۔

''صبح بخیر شولوم''

''صبح بخیر''۔ شولوم یہودی نے جواب دیا۔

''اچھا کاروبار کر رہے ہو؟''

''ہاں اچھا ہی ہے''۔

''کنواں مجھے فروخت کردو''۔

''خرید لو''۔

''کیا دام لو گے؟''

''ستّر ہزار درہم''۔

''اتنی رقم میرے پاس نہیں ہے۔ تیس لے لو''۔

''نہیں ستّر ہزار درہم سے کم نہیں''۔

''اچھا مجھ سے شراکت کر لو۔ تیس ہزار درہم لے لو۔ کنواں ایک دن تمہارا ایک دن میرا''۔

شلوم یہودی کو یہ تجویز پسند آئی۔ معاہدہ ہو گیا۔ گواہ مل گئے۔ آج تو شولوم نے کام شروع کر دیا ہے کل کنواں عثمانؓ

کا ہوگا اور پھر ایک دن بیچ دوبارہ اور پھر ایک دن بیچ ۔۔۔۔

جب عثمانؓ کی باری کا دن آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ کنویں پر نہ تالا ہے نہ ڈھکنا نہ گماشتے نہ پہرہ اور کوئی وصول کرنے والا بھی نہیں۔خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ آج پانی مفت ہے۔ جتنا چاہے لے جاؤ۔اور پرسوں پھر اور اس طرح مفت ہی مفت ۔ ہر دوسرے دن۔

شولوم نے غصّہ میں جتنی گالیاں بکیں وہ اسکو معاف کردیں۔اسکوتیس ہزار درہم مل چکے تھے وہ لیکر وہ خیبر کے قلعہ کی طرف چلا گیا۔اور بیئر رومہ کا پانی پھر کبھی فروخت نہیں ہوا۔

عہدِ صدیقی ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہیں۔ مدینہ میں سخت قحط پڑا۔خلیفہ وقت نے لوگوں کو منبر سے صبر وقناعت اور کفایت کی تلقین کی۔اسلامی سرمایہ دار تاجرِ اعظم عثمانؓ کو آنے والے وقت کا پہلے سے اندازہ تھا۔انکے ایک ہزار اونٹ غلّہ سے لدے ہوئے شام سے آرہے تھے۔یہودی تاجر لوگ منافع کمانے آگئے۔ ''عثمانؓ ہم کو کچھ غلّہ فروخت کرو''۔ ''کیا دام دوگے''۔ ''سو پر دس منافع لے لو تاجروں نے پیش کش کی''۔ ''یہ کم ہے''۔عثمانؓ نے کہا۔ ''اچھا سو کے ایک سو بیس لے لو''۔تاجروں کی پیش کش۔ ''کم ہے'' عثمانؓ نے کہا۔جب سو کے ایک سو پچاس ملنے لگے تو عثمانؓ نے کہا کہ ''یہ کم ہے''۔لوگوں نے کہا عثمانؓ کسی غلط فہمی میں ہیں۔انکو کتنا منافع مل سکتا ہے؟ ایک نے پوچھا کہ ''عثمانؓ تم کیا طلب کرتے ہو؟''۔ ''میرا سودا ہو چکا ہے ایک کے دس۔سو کے ہزار مجھے مل رہے ہیں''۔عثمانؓ نے کہا۔یقین کون کرتا ہے۔اونٹ آپہنچے۔ عثمانؓ نے فرمایا۔ ''غلّہ اونٹوں سے اتار دو مسجد کے سامنے میدان میں۔ بوریوں کے منہ کھول دو۔سارے پہرہ دار گماشتے چھٹی کریں۔غلّہ مفت ہے۔جو چاہے جتنا چاہے لے جائے''۔

ایک تاجر نے کہا کہ ''تم تو ایک کا دس منافع مانگ رہے تھے''۔

''ہاں''۔ عثمانؓ نے کہا۔ ''مجھے ایک کے دس مل رہے ہیں اس دنیا میں'' ''اور ستر آخرت میں ملیں گے۔ اسکا وعدہ بھی میرے پاس ہے''۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کی فتوحات زیادہ تر زمینی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو سمندر میں مسلمان فوج کی جان کے اتلاف کا زیادہ خدشہ تھا۔ وہ روکتے رہے اپنے سپہ سالاروں کو۔ مگر حضرت عثمانؓ کے حصہ میں سمندر زیادہ آئے۔

قسطنطیہ رومی بندرگاہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلامی بندرگاہ بنا استنبول کہلاتا ہے۔ مدتوں خلافت عثمانیہ کا دارالخلافہ رہا۔ جدہ مکہ کا بندرگاہ بنا اور کم از کم تیرہ سو سال غیر ملکی حاجیوں کی وصولیابی ملاحظت کرتا رہا یہاں تک کہ ہوائی جہاز کا سفر عام ہو گیا اور سمندری کم۔ مگر اب بھی بعض غریب حاجی وہاں سے داخل ہوتے ہیں۔

سائپرس کا جزیرہ جہاں سے یورپ پر دھاوا ایک دن کا معاملہ ہے حضرت عثمانؓ کے عہد میں آیا۔ آج بھی وہاں ترکوں اور یونانیوں میں نزاع ہے۔ سارا شمالی افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں شامل ہوا۔ وہاں سے سارا جنوبی یورپ زد میں تھا۔ مگر یہ چڑھتا ہوا دریا اتر گیا جب حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ قوموں کی قسمتیں ایسے ہی بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تقدیر تھی۔ اللہ کی مرضی تھی اور تقدیر کسی منطق اور فارمولے کی پابند نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆

رحمت عالم

جنگ کے بادل امن کی کوشش

مشرکین مکّہ کو ضد تھی۔ اصرار تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو قتل کر دیں۔ مسلمانوں کو فنا کر دیں۔ یہ دل یہ زبان یہ قلم ہر صاحب دیانت سے انصاف طلب ہے۔ مجھے معذرت خواہانہ رویّہ سے نفرت ہے مگر شاید انصاف پسند آدمی کو سمجھ میں آجائے کچھ۔ حقائق پیش خدمت ہیں (۱) حضور نے (یا اللہ تعالیٰ نے) تشدّد کی جنگ کی۔ مدافعانہ جنگ کی بھی اجازت نہیں دی۔ تیرہ سال مکّی زندگی کے اور دو سال مدنی زندگی کے عدم تشدّد کے اصول پر گذر گئے تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدافعانہ جنگ کی اجازت آئی۔ پندرہ سال قریش حاوی رہے۔

(۲) ہم پر اسلام پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اسلام جنگ جو مذہب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی مدنی زندگی کی تاریخ میں ہجرت سے فتح مکّہ تک 68 غزوہ اور سرایہ لڑے گئے۔ غزوہ وہ جنگ جس میں حضور خود تشریف لے جائیں اور سریہ وہ جس میں ایک مختصر دستہ کسی کمانڈر کی نگرانی میں روانہ کیا جائے اور حضور شریک نہ ہوں۔ یہ ھجرت سے فتح مکّہ تک 7 سال ہوتے ہیں۔ 7 سال کے اندر مدینہ کے نواح میں چھوٹی بڑی جھڑپ یا لڑائی 68 دفعہ سامنے آئی۔ اگر حرام مہینہ نکال دیئے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مہینہ قریش مکّہ کو کوئی خلش ہوتی تھی اور وہ مدینہ کی طرف مارچ کرتے تھے۔ کیا مدینہ وہ پک نک کرنے آتے تھے۔ حضور جن کو میں فوق البشر مانتا ہوں انھوں نے پہرہ چوں کا ایسا انتظام کیا تھا کہ قریش کبھی شب خون نہ مار سکے۔ مجھے یہ بتائیے کہ بدر میں (مدینہ سے ۔ میل) احد میں (مدینہ سے تین میل) احزاب یا جنگ خندق میں جو مدینہ کے محلّوں سے پتھر مارنے کے فاصلے پر ہوئی کیا مدینہ کے لوگوں نے قریش والوں کو بلایا تھا کہ پانچ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے آؤ۔ ہم پر جارحیت کریں۔ گر پروپاگنڈا یہ بھول گیا کہ کچھ لوگ کبھی کبھی اپنی عقل سے

بھی سوچ لیتے ہیں۔

جب بات چل نکلی ہے تو ایک دو سوال کے جواب اور درکار ہیں۔

(۱) ساری جنگوں میں سیکڑوں کافر قیدی مسلمان پکڑ کر مدینہ لائے گئے اور فدیہ دے کر چھوڑا گیا۔ کیا کبھی کوئی مسلمان قیدی قریش کو ملا۔ جو مسلمان جنگ میں گیا وہ غازی لوٹا مدینہ کی طرف یا شہید ہو کر سیدھا جنت سدھارا۔ سوائے تین یا صرف دو مسلمانوں کو جن کو اکیلے میں دھوکے سے رات کے اندھیرے میں لٹیروں نے پکڑ کر قریش کو فروخت کیئے کہ آزار دے کر اپنی تسکین کر سکیں۔

(۲) مکّہ سے سیکڑوں مدینہ آگئے چھپ کر کہ ہم کو مسلمان ہونا ہے کیا کبھی کوئی مدنی مسلمان مکّہ گیا کہ "ہم تمھارے پاس آگئے ہیں"؟۔

اگر ان سوالوں کے جواب کسی کی عقل میں نہ آئیں تو وہ سخت بددیانت شخص ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ہی تو حضور کا اصلی معجزہ تھا۔

"اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی"

حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد امن کے معاہدے کیئے تھے اور اس میں انتظامی اور قانونی شقیں بھی تھیں۔ اسے لوگ میثاق مدینہ کہتے ہیں۔ اس معاہدے میں صرف ایک خرابی تھی کہ اسمیں دو "بچھو" فریق تھیں۔ یعنی یہودی اور منافقین۔ مجھے یقین ہے کہ حضور کو یہ معلوم تھا کہ یہ معاہدہ بڑا عارضی ہے۔ دو سال چل گیا تو بہت چلا۔ حضور کی فراست واقف تھی کہ مدینہ کا دفاع مسلمانوں کو ہی کرنا ہے۔ (اب اس دور میں ہمارا دفاع اسلیئے کمزور ہے کہ ہم نے طاقتور بندروں کی قوم کو اپنا دفاع دے دیا ہے)۔

رات کے چور لٹیرے آتے رہے اور بھگائے جاتے رہے۔ 2ھ میں کرز بن جابر نے رات کو مدینہ پر حملہ کیا اور مویشی جو باہر چر رہے تھے لوٹ کر لے گیا۔ مویشی کا نقصان تو اہم نہیں تھا۔ مگر یہ بات کہ ایک گروہ مدینہ تک پہنچا اور لوٹ کر چلا گیا۔ یہ مسلمانوں کی ساکھ کو ختم کر دیتی۔ ڈگڈگی بجانے والے اور ڈھنڈورا پیٹنے والے یہودی اور منافق اتنا تماشا مچاتے کہ اللہ کی پناہ۔ ملّہ کے کافروں کو یہ فتح کافی تھی کہ

''ہم پانچ سو کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے تم تک پہنچے اور تمھارے مویشی لوٹ لائے اور کل تمھارے بچے اور عورتیں بھی باندھ لائیں گے اور پرسوں۔۔۔۔''

مدینہ کے نواح میں اعراب قبایل میں جو حکومت مدینہ کی دھاک، اور اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی اسکو سخت خطرہ تھا۔ اور اگر فوری تدارک نہ کیا گیا تو سارے قبائل اور منافق اور یہودی اور نصرانی مل کر اسلام کی روشنی کو گل کر دیں گے (معاذ اللہ)۔

میرے آقا کا اپنا ذہن تو بن گیا مگر قاعدہ کی رو سے مشورہ ضروری تھا۔ مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا گیا۔ ابوبکر نے کہا کہ مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔ آپ حکم دیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں حضور کے حکم کا ہر حال میں تابع ہوں۔ مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے ''اے اللہ کے رسول اللہ نے جو راہ آپ کو دکھائی ہے اسپر قائم رہیے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ٥

(تم اور تمھارا رب جاؤ لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں)۔

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کے پروردگار چلیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں تو ہم راستے والوں سے لڑتے بھڑتے وہاں بھی چلیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کمانڈروں کے حق میں کلمۂ خیر ارشاد فرمایا۔ اور دعا دی۔ یہ تینوں کمانڈر مہاجرین میں سے تھے جن کی تعداد کم تھی رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ وہ انصار کی رائے معلوم کریں۔ کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے۔ بیعت عقبہ کی رو سے ان پر لازم نہیں تھا کہ وہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کریں حضور نے پھر فرمایا کہ ''لوگو مجھے مشورہ دو'' یہ بات انصار کے کمانڈر سعد بن معاذ نے بھانپ لی کہ حضور انصار سے کچھ سننا چاہتے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا ''بخدا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسول آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے'' حضور نے فرمایا ''ہاں''۔ سعد بولے ''ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کی تصدیق کی ہے۔ یہ گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق پر ہے۔ اور اسپر ہم نے آپکو اپنی سمع واطاعت کا میثاق دیا ہے لہذا اے اللہ کے رسول آپ کا جو ارادہ ہے اس کے لیئے پیش قدمی فرمایئے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اسمیں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے اگر آپ کل ہمارے دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں پامرد ہیں اور ممکن ہے کہ اللہ آپ کو ہمارے وہ جوہر دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں پس آپ ہمیں ہم راہ لیکر چلیں اللہ برکت دے۔ (یہ حضرت سعد وہی ہیں جن کو بیعت عقبہ والی رات میں ایک دوسرے سعد سے ملا کر ''گرم سعدین لکھا تھا حدیث دل میں)۔

حضرت سعد کی یہ بات سن کر خوشی حضور کے چہرہ مبارک سے عیاں تھی اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے (تجارتی قافلہ یا قریش کا لشکر) واللہ اس وقت میں قوم قریش کی قتل گاہ دیکھ رہا ہوں۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنے لشکر کو تیزی سے حرکت دی کہ دشمن سے پہلے بدر کے چشمہ پر پہنچ جائیں۔ (اسوقت قریش کا لشکر اونٹ کے کباب کھا رہا تھا اور شراب کے مشکیزے کھلے تھے اور گانے والیاں اپنا یا لشکر والوں کا یا دونوں کا دل بہلا رہی تھیں۔

عشاء کے وقت حضور نے قریبی چشمے پر نزول فرمایا۔ اس موقع پر حباب بن منذر نے پوچھا کہ یارسول اللہ یہاں آپ نے مورچہ اللہ کے حکم سے بنایا ہے یا اپنی مرضی سے۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے اپنی مرضی سے یہ جگہ چنی ہے۔ تب حباب بن منذر نے کہا کہ یہ مناسب جگہ نہیں ہے۔ آپ آگے تشریف لے چلیں اور قریش کے سب سے قریب جو چشمہ ہو وہاں مورچہ بنائیں۔ ہم بقیہ چشمہ کو پاٹ دیں گے اور اپنے حصّہ پر حوض بنا کر پانی کا ذخیرہ کرلیں گے۔ ہم تو پانی پیتے رہیں گے اور قریش کو پانی نہ ملے گا۔ حضور نے اس تجویز کو منظور کیا اور تعریف کی اور محاذ تجویز کے مطابق آگے بڑھا دیا گیا۔ (تاریخ طبری اور اسد الغابہ)

مجاہدین بدر کی تعداد عام طور سے 313 مانی جاتی ہے۔ تفصیل اسطرح ہے واقدی اور قسطلانی 305 گنتے ہیں۔ عیون الاثر میں حافظ ابن سیّد الناس نے 363 کی فہرست بنائی ہے۔ قاضی سلیمان سلمان منصور پوری نے 335 کی فہرست بنا کر پیش کی اور ابن اسحاق نے 314 لکھا ہے۔ اصل میں کچھ اصحاب واپس بھیجے گئے اور کچھ بعد میں آکر شریک ہوئے۔ جو اصحاب حضور ﷺ کے حکم سے واپس روانہ کیئے گئے۔ عاصم بن عدی کو عوالی یعنی دیہاتوں کے انتظام پر واپس کیا گیا۔ حارث بن حاطب کو کسی خاص وجہ سے جو ظاہر نہیں ہوئے بنی عمرو میں گماشتہ بنا کر بھیجا گیا حارث بن صمہ سفر میں زخمی ہو کر واپس ہوئے خوت بن جبیر کی پنڈلی ٹوٹ گئی تھی۔ واپس ہوئے۔ مان لیتے ہیں کہ لڑنے والوں کی تعداد 313 تھی۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اقبال نے یہ شعر کیوں کہا تھا معلوم نہیں مگر بدر کی فوج میں چھ مجاہد زرہ پوش تھے آٹھ کے پاس تلواریں تھیں۔ نیزے سب نے تقریباً اپنے بنا رکھے تھے اور تیر کمان بھی بنا لیئے تھے مگر ڈھال کسی کے پاس نہیں تھی۔

(مگرڈھال پناہ مانگتا کون تھا؟) ان 313 کے درمیان میں 70 اونٹ تھے اور تین گھوڑے۔عرب نام تو رکھ ہی لیتے ہیں۔زبیر بن العوام کے گھوڑے کا نام تھا الیعسوب۔مقداد بن عمرو کے گھوڑے کا نام تھا بعزجہ اور مرثد ابن غنوی کے گھوڑے کا نام تھا السیل۔(یہ نام آسان ہے۔اسکے معنی سیلاب کے ہیں)۔

16 رمضان کی شام کو رسول ملاحم نے اکابر صحابہ کے ساتھ میدان جنگ کا جائزہ لیا۔دوران معائینہ فرمایا کہ کل یہاں عتبہ کا لاشہ پڑا ہوگا ابھی کسی کو یہ خبر نہیں تھی کہ عتبہ سپہ سالار آیا بھی ہے یا نہیں۔یہ فرمایا کہ یہاں ابوجہل مارا جائیگا۔ادھر امیّہ بن خلف خاک وخون میں تڑپ رہا ہوگا۔اس طرح آپ نے کئی بڑے سرداروں کے مقتل کی نشان دہی کی۔حضرت انس کی روایت ہے کہ بخدا دوسرے دن اسکے خلاف نہیں ہوا۔آپ نے جسکا مقتل جہاں بتایا تھا وہیں پڑا ہوا ملا۔(یہ حدیث صحیح مسلم سے ثابت ہے اور واقدی نے مغازی الرّسول میں صراحت سے بیان کیا)۔ویسے اس حدیث کے بعد معلوم ہوا کہ انس صاحب نے کسی طرح اپنے آپ کو اسمگل کر لیا تھا (دراندازکرلیا تھا) کیونکہ اسوقت انکی عمر 12 سال تھی اور اس عمر کے کم از کم دو نوعمر لڑکے واپس مدینہ روانہ کر دیئے گئے تھے۔

لوگ گردن پھلا پھلا کر جھگڑتے ہیں کہ حضور کو علم غیب نہیں تھا۔یقیناً نہیں تھا۔خود حضور نے فرمایا کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا وہ علم صرف اللہ کے پاس ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن کو حضور نے جہاں مقتول بتایا تھا وہ علم غیب نہیں تھا۔حاضر تھا۔حضور دیکھ رہے تھے۔کل کی بات کا آج علم ہو جانا یہ کون سی انوکھی بات ہے۔ایسے کشف تو میرے آقا کے غلاموں کو بھی ہو جاتے ہیں۔

باطل زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

کفار کی پہلی صف میں حرکت ہوئی اور تین گراں ڈیل ہاتھی نکلتے ہوئے نظر آئے۔ایک تھا عتبہ سردار اعظم۔اور دوسرا اسکا بھائی شیبہ اور تیسرا بیٹا ولید۔ادھر سے تین مجاہد نکلے۔ان غرور میں ڈوبے ہوئے پیکروں نے پوچھا تم کون ہو۔ جواب ملا انصار رسول ہیں۔عتبہ نے آواز لگائی کہ ''محمد ہم چرواہوں سے لڑنے نہیں آئے۔ہمارے جوڑ کے مجاہد بھیجو''۔ حضور نے انصار کو واپس بلایا اب نکلے حمزہ اسد اللہ اسد رسول اور دوسرے نکلے علی مرتضی اور تیسرے تھے عبیدہ بن حارث۔

یہ مجاہد بڑھے تو لشکر اسلام سے نعرہ اٹھا ''یاحی یا قیوم''۔عتبہ نے لڑنے سے پہلے نام نسب پوچھا۔پھر بولا ہاں یہ برابر کی چوٹ ہے۔حمزہ نے کہا کہ برابر کی چوٹ ہے تو لے ایک چوٹ۔دونو جانب کے لشکر دم سادھے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے کہ تلوار سے تلوار ٹکرا رہی ہے۔

نظر کچھ بھی نہ آیا جھنجھناہٹ کی صدا آئی　　اُڑیں چنگاریاں تلوار سے تلوار ٹکرائی
ذرا مُہلت جو پائی ایک پل دھاوے سے حمزہؓ نے　　سُبک ہو کر نکالا ہاتھ اُلجھاوے سے حمزہؓ نے
لیا دشمن کو بڑھ کر تیغِ فرخ فال کے نیچے　　مگر عُتبہ نے سر اپنا چُھپایا ڈھال کے نیچے
صدا تکبیر کی آئی زمین بد رتھرائی　　پلک جھپکی کُھلیں آنکھیں تو یہ صُورت نظر آئی
پڑی تلوار فولادی سِپَر کے ہو گئے ٹکڑے　　سِپَر سے تا بہ سَر پہنچی تو سَر کے ہو گئے ٹکڑے

ادھر حمزہؓ کے ہاتھوں عُتبہ فرشِ خاک پر لیٹا
علیؓ سے تھا اِدھر تیغ آزما مقتول کا بیٹا

پدر کے خُون سے مُنہ ہو گیا غصے میں لال اس کا
بھڑک اُٹھا بدن پر مثلِ شعلہ بال بال اس کا

علَم کی اور چوکس ہو کے تیغ آب دار اُس نے
کئے بڑھ کر سنبھل کر پے بہ پے سات آٹھ وار اس نے

علیؓ اس شان سے رَدّ کر رہے تھے اس کے واروں کو
کہ ہوتا تھا تعجب نوجواں پر پختہ کاروں کو

مگر اب وار خالی دے کے حیدرؓ کو جلال آیا
کہ نازک وقت گذرا جا رہا ہے یہ خیال آیا

نہ پائی دیکھنے والی نگاہوں نے بھی آگاہی
کب اٹھی کب گری کیسے پھری تیغ یَدُ اللّٰھی

سَرِ بے تن اُدھر لڑھ کا تن بے سر اِدھر لوٹا
مِلا مٹی میں وہ بھی اور یہ بھی خاک پر لوٹا

عبیدہ کر رہے تھے ضربتِ حیدرؓ کا نظارا
کہ شیبہ نے عقب سے ہاتھ اک تلوار کا مارا

علیؓ و حمزہؓ نے دیکھی جو شیبہ کی دغابازی
عبیدہؓ کی مدد کرنے کو آئے دوڑ کر غازی

بیک ساعت کیا شیبہ پہ اِک اِک وار دونوں نے
کیا فی الفور اس ناری کو بھی فی النار دونوں نے

حمزہ اور علی حضرت عبیدہ کو اٹھا کر بحفاظت لے آئے اور حضور نے انکو تسلّی دی کہ تم اگر اِنتقال کر گئے تو شہید ہو۔ عبیدہ شہید ہو گئے۔

کاسۂ سَر

اسلامی جہاد کے لیئے یا پھر اسلامی جہاد اور تبلیغ دونوں کے لیئے علامہ اقبال اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتے ہیں کہ ہم:۔

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے

مئے توحید کو لیکر صفتِ جام پھرے

کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے

اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اسلامی امّت کا عمومی طور پر اور اسلام کے لشکر کا خصوصی طور پر یہ کارنامہ حیران کن ہے کہ بیس سال کے عرصہ میں اسلامی ریاست جو مدینہ میں قائم ہوئی اور وہ اذان جو مدینے میں دی گئی اسکی بازگشت مراکش کے بیابان سے مکران کے کوہستان تک سنائی دے رہی تھی۔ اور پھر کچھ اور آگے بڑھ کر مجاہدین اندلس سے یورپ کے قلب پر دستک دے رہے تھے اور باطل کا آخری محاذ فرانس اور اندلس کے درمیان کا پہاڑ تھا اور ادھر دی آنا کا آخری بچاؤ بلقان ریاستوں کے پہاڑی درّے تھے۔

یہ دریا چڑھا اور پھر چڑھ کر اتر گیا

یہ مشیت الٰہی تھی یا ہماری کوتاہی یا پھر ہماری سزا یا یہ سب کچھ۔ کچھ دل جلے کہتے ہیں کہ ہماری سزا ہماری کوتاہی

سے زیادہ تھی اور ہے مگر ''ہے ادب شرط۔ منہ نہ کھلواؤ''۔ پھر مزید کئی کربلا برپا ہوئے۔ کئی بغداد جلائے گئے۔ کئی دفعہ دجلہ خوں رنگ ہوا کئی یروشلم آگ اور دھویں میں کھو گئے اور شاید ابھی تک اسی دھویں میں کھوئے ہوئے ہیں دریائے کبیر کے پانی سے کسی نے وضو نہیں کیا قرطبہ کی مسجد میں پھر کبھی اذان نہیں ہوئی۔

اے اللہ

''رحم کر اپنے نہ آئین کرم کو بھول جا

ہم تجھے بھولے ہوئے ہیں تو نہ ہم کو بھول جا''

مگر اس سارے ہنگامے میں کبھی کبھی ایسے نفوس طلوع ہوئے کہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شعلہ کبھی سرد نہیں ہوتا۔

''آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں زندگی مثلِ بلال حبشیؓ رکھتے ہیں

آیئے دو معصوم روحوں کی زیارت کیجئے۔ یہ ہمارے اُس زرّیں دور کی داستان ہے جب ہم طلوع ہو رہے تھے۔

بدر کا میدان گرم ہو گیا

شیطان اپنی آخری بازی لگا چکا ہے قریش کا آہن پوش ایک ہزار کا لشکر چند بے سروسامان ایمان والوں کے ایمان کا امتحان لینے بدر تک آ پہنچا ہے آٹھ سو تلواریں تین سو تیرہ کی تعداد کو جن کے پاس صرف چند تلواریں تھیں قتل کرنے آئی ہیں۔ تین سو تیرہ ایمان والوں نے پہلے جہاد کے لئے صف بندی کی ہے۔ تین سو تیرہ کی تعداد بھی تین سو گیارہ جمع دو ہیں۔ تین سو گیارہ جہاد میں شریک ہیں اور دو نفوس صرف اپنے عشق کا امتحان دینے اور سر کا نذرانہ پیش کرنے آئے ہیں۔

یہ دو عفرا کے پسر کہلاتے ہیں سولہ سترہ برس کے نوجوان انصاری لڑکے اپنی والدہ عفرا سے منسوب کیوں کیئے گئے ہیں صاف ظاہر ہے۔ یہ معاذ اور معوّذ بن حارث بن رفاعہ ہیں اور حارث بن رفاعہ خود صحابی ہیں اور مجاہد ہیں اور شریکِ لشکر ہیں۔ اور ایک تیسرا بھائی ''عوف'' بھی۔ (سیرت ابن ہشام) (بقول طبری عفرا کے پانچ بیٹے جنگ بدر میں مجاہد تھے)۔

عفرا ایک خاتون ہیں اور آزردہ ہیں کہ ابوجہل حضور نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ عفرا کے دل میں انتقام اور نفرت کا ایک الاؤ بھڑک رہا ہے اس خاتون کی ابوجہل سے نفرت کا عالم یہ تھا کہ اگر اسکے کمزور ہاتھوں میں ابوجہل کی گردن آجاتی تو پھر ہاتھ کٹ سکتا تھا مگر گردن نہ چھوٹتی۔ اب عفرا کو ابوجہل کو سزا دینے کے لئے دونوجوان بیٹے ملے ہوئے ہیں شاتم رسول کو سزا دینے کے لئے عفرا نے نفرت کی ساری آگ کو ان کے سینے میں بھر کے بدر کے میدان میں روانہ کر دیا۔ جہاں پہلے جہاد کی تاریخ رقم کرنے کے لئے مجاہدین صف آراء تھے وہاں شاتم رسول کی سزا نافذ کرنے کی نظیر قائم کرنا معاذ اور معوذ کی ذاتی ذمہ داری تھی عفرا نے بیٹوں سے کہہ دیا تھا کہ **ابوجہل کا سر تمھارے سر کی قیمت پر بھی مجھے قبول ہوگا۔** بس ایک چھوٹی سی کمزوری یہ تھی کہ مدینہ کے ان انصاری نوجوانوں نے مکّہ کے خبیث اعظم ابوجہل کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ آگے کا قصہ مشہور کبیر صحابی عبدالرحمٰن بن عوف کی زبانی بوساطت حضرت حفیظ جالندھری سماعت فرمائے۔

جب صف بن چکی تو:۔

اچانک اپنے دائیں بائیں میں نے اک نظر ڈالی
کہ تائید دو بازو سے فزوں ہو ہمّت عالی

مقام اپنا مگر دو کم سِنوں کے درمیاں پایا
اِدھر ایک نوجواں پایا اُدھر اک نوجواں پایا

بوقت جنگ بازو ہوں اگر تائید سے عاری
تو ہوتی ہے سپاہی کے لئے لڑنے میں دشواری

ابھی میں اپنی حالت پر نہ تھا کچھ سوچنے پایا
کہ اک جانب سے لڑکا دوڑ کر میری طرف آیا

نہایت راز داری سے نشاں بوجہل کا پوچھا
شباہت اور حلیہ اور موجودہ پتہ پوچھا

جواب اسکے سوالوں کا مرے لب تک نہ پہنچا تھا
کہ اسکا دوسرا ساتھی مثال برق آ پہنچا

وہی پہلا سوال اسنے بھی پوچھا رازداری سے
ادائے ضبط تھی دست و گریباں بیقراری سے

ابھی نوعمر تھے دونوں کے ہاتھوں میں تھیں شمشیریں
نظر آئیں مجھے دو سادہ رو معصوم تصویریں

یہ استفسار سن کر میں نے پوچھا ان سے حیرت سے بھتیجو کام کیا ہے تم کو اس بد خواہِ ملّت سے
پتہ اس دشمنِ دیں کا بتادیتا ہوں میں تم کو کہو تو اسکی صورت بھی دکھا دیتا ہوں میں تم کو
وہ دیکھو اک ہجومِ عام قرشی پہلوانوں کا گراں ڈیل اور موٹے تازے دیداری جوانوں کا
وہ جن کے ساتھ تنہا لڑرہے ہیں حضرت حمزہ (خدا حمزہ کا ناصر دیکھتے ہو ضربتِ حمزہ)
گھرے ہیں بود جانہ جس جگہ قرشی سواروں میں فقط تلوار لیکر لڑرہے ہیں نیزہ داروں میں
عمر دوڑے ہوئے ان کی مدد کرنے کو آتے ہیں وہ دیکھو ایک مہلک وار سے ان کو بچاتے ہیں
پلے پڑتے ہیں دشمن جس جگہ انصار کے اوپر ہوئے ہیں حملہ آور سینکڑوں دو چار کے اوپر
وہ دیکھو چڑھ رہا ہے بھاگ کرمٹی کے ٹیلے پر وہ کیا ہے کلغی والا سامنے پہنے ہوئے مغفر
وہی بوجہل ہے جو پے بہ پے بازو ہلاتا ہے یہ اپنے بھاگنے والوں کو پھر واپس بلاتا ہے
حفاظت کر رہا ہے گرد اس کے فوج کا دستہ یہ دستہ کب تلک روکے گا عزرائیل کا رستہ)
یہ سن کر بول اٹھے وہ دونوں لڑکے بیقراری سے بتادیں اب ہمیں کیا کام ہے بے دین ناری سے
قسم کھائی ہے ہم دونوں نے اس کو قتل کرنے کی کہ اس سے بڑھ کے ہوسکتی نہیں اب عمر بھرنیکی

(یہ قسم انکو انکی ماں عفرا نے دی تھی اور اس جنگ
میں انکا پہلا حریف اور شکار ابوجہل مقرر تھا۔
حکم اور مقصد بہت صاف اور سیدھا تھا)۔

قسم کھائی ہے مرجائینگے یا ماریں گے ناری کو سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو
خدا حافظ کہا اور کھینچ لی دونوں نے شمشیریں بڑھے یکبارگی کہتے ہوئے پُر جوش تکبیریں
میں کہتا رہ گیا میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں چلو بحر شہادت کے کنارے ساتھ چلتا ہوں

میں انکے پیچھے پیچھے دشمنوں کی فوج پر لپکا
نہ ساتھی بن سکا لیکن غزالوں کی تگ و تپ کا
جہاں ہر سو تنورِ دشت سے شعلے بھڑکتے تھے
جہاں سر کٹ کے گرتے تھے جہاں لاشے پھڑکتے تھے
وہیں پہنچے یہ دو جانباز لڑکے باوفا لڑکے
یہ الھڑ یہ فنونِ جنگ سے نا آشنا لڑکے
ابوجہل سیہ رو پر نگاہیں گاڑ کر نکلے
قریشی فوج کے دل بادلوں کو پھاڑ کر نکلے
گرا اس طرح کندے جوڑ کر شہباز کا جوڑا
کہ اک دم میں صفِ زاغ و زغن کا سلسلہ توڑا
ادھر بوجہل بھی کرنے لگا بچنے کی تدبیریں
نہ اسکی دھمکیاں کام آسکیں لیکن نہ تقریریں

بروے بازوئے تقدیر تدبیریں نہیں چلتیں
جہاں شمشیر چل جاتی ہے تقریریں نہیں چلتیں

ہٹا وہ دیکھ کر ان کو یہ پھر اسکے قریں پہنچے
جہاں بوجہل پہنچا دونوں لڑکے بھی وہیں پہنچے
نہ بھاگا جاسکا تو انکو دھمکانے لگا کافر
سپر کے آسرے پر تیغ چمکانے لگا کافر
ہوئے خائف نہ دھمکی اور نمائش سے نڈر لڑکے
جھپٹ کر جا پڑے یہ شیر لڑکے بے جگر لڑکے
ہوا میں گونج اٹھیں رعد کے مانند تکبیریں
گریں بوجہل پر دو تیز خون آشام شمشیریں
دہن سے آہ نکلی ہاتھ سے تیغ و سپر چھوٹی
گرا گھوڑا بھی کھا کر زخم دونوں کی کمر ٹوٹی
تڑپتا لوٹتا آدھا زمیں میں دھنس گیا مرکب
کسی نے یہ نہیں دیکھا مگر کب مرگیا مرکب
ابوجہل لعیں یعنی رسول اللہ کا دشمن
ازل سے تا ابد سب سے بڑا اللہ کا دشمن
زمین دھنستی تھی جس بدبخت کی ادنیٰ سی ٹھوکر پر
پڑا تھا خون میں لتھڑا ہوا مٹّی کی چادر پر
زباں سے چیختا اور کفر بکتا ہی رہا کافر
مددگاروں کو چاروں سمت تکتا ہی رہا کافر
وہ جنگ آور رسالہ جس کے بل پر زور تھا سارا
اس میں گھس کے دو کمزور لڑکوں نے اسے مارا
لگے ہونے پیاپے انتقامی وار دونوں پر
برتی میں نے دیکھی کفر کی تلوار دونوں پر
مگر تھے کس قدر جی دار عفرا کے پسر دونوںؓ
پیاپے وار کرتے ہی کفّار پر دونوں

یہ دونوں جوان معاذ اور معوذ عفرا کے پسر تھے ایک شہید ہوئے کے زندہ جاوید ہو گئے اور دوسرے زخمی غازی واپس آئے۔ (سیرت النبی ﷺ)

شہید معوذ اور غازی معاذ پردے کے پیچھے جا چکے ہیں انھیں موت کہاں جب تک موت کو موت نہ آجائے یہ زندہ ہیں۔ یہ کبھی کبھی نمودار ہوتے ہیں۔ لوگ پہچان کیلیئے نام بدل دیتے ہیں۔

یرموک

یہ زمانہ خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کا ہے۔ سپہ سالار خالد اسلامی سرحد کو تبوکِ عرب سے یرموکِ شام تک پہنچا چکے ہیں اور اب خلیفہ کے حکم سے سپاہی کی طرح سپہ سالار ابو عبیدہ بن الجرّاح کی مدد کر رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو خیال ہوا کہ لوگ اسلامی فتوحات کو خالد کی فتوحات نہ سمجھ لیں۔ کمان سپہ سالار ابو عبیدہ کو ملی مگر سیف اللہ کیلیئے کوئی نیام نہیں بنا تھا۔ اب اللہ کی تلوار۔ بے نیام تلوار کا نام خالد ہے۔

ابو عبیدہ کو اور اسلامی دنیا کے ذہین ترین جنرل خالد کو معلوم تھا کہ یرموک ایک دروازہ ہے جو کھل گیا تو پھر روم (موجودہ ترکی) تک کوئی روک نہیں ہے۔ یہ لمحہ عظیم ہے۔ ابو عبیدہ اور خالد میں مشورے ہو رہے ہیں۔ تشویش بھی ہے ہر زاویہ سے غور ہو رہا ہے جو کہ سپہ سالاروں کا کام ہے۔ مگر نوجوان روح معاذؓ اور معوذؓ کی بے چین ہے۔ ان بے تاب روحوں کو تو فتح و شکست میں بھی ذرا واجبی سی ہی دل چسپی ہے۔ آج یہ روحیں ایک گم نام نوجوان کے جسم میں ہیں۔

''شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی''

یہ نوجوان اپنی بے تابی پر قابو نہ پاسکا۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند تھی منتظر حنا کی عروسِ زمینِ شام
اک نوجوان صورتِ سیمابِ مضطرب آکر ہوا امیرِ عساکر سے ہم کلام
اے بوعبیدہ رخصتِ پیکار دے مجھے لبریز ہوگیا مرے صبروسکوں کا جام
بے تاب ہورہا ہوں فراقِ رسول میں اک دم کی زندگی بھی محبّت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضورِ رسالت پناہ میں لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ کر پرنم ہوئی وہ آنکھ جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغ بے نیام
بولا امیرِ فوج کہ وہ نوجواں ہے تو پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمد تری مراد کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہ رسولِ امیں میں تو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیئے تھے حضور نے

(علامہ اقبال)

اللّٰھم صلِ علیٰ محمدٍ وبارک وسلّم

یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ میں بار بار نظر آیا کہ

''اثر باقی نہیں مفلوج پیروں کی دعاؤں میں''

اور یہ سبق بھی ملا کہ

جوانانِ بلاکش ہی ہیں امّیدِ آخریں

آیئے معاذ اور معوذ اور عاشقان رسول کے ذکر سے آگے بڑھ کر دوبارہ میدان بدر چلیں۔ حضرت عبیدہ زخمی ہوگئے تو دونوں ساتھی۔ حمزہ اور علی انکو واپس لائے۔ انھوں نے اپنے رخساروں کو حضور کے قدم پر رکھ دیا (یہ نصیب اللہ اکبر) اور پوچھا کہ کیا میں شہید ہوا۔ حضور نے تسلّی دی کہ اگر تم انتقال کر گئے تو یقینی شہید ہو۔ یہ گواہی رسول کی ہے۔ عبیدہ نے کہا کہ یارسول اللہ اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے تو میں ان لوانکا قصیدہ سناتا کہ (اے جان کے دشمنو اللہ کی قسم ہم محمّد کو نہیں چھوڑیں کے یہاں تک کہ ہم ان کے گرد مارے جائیں۔ ان کی حفاظت کے وقت ہم اپنے بیوی بچّوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ (عبیدہ کا انتقال بدر سے واپسی میں روحا کے مقام پر ہوا۔ وہاں ہی دفن ہوئے)۔

تین سردار ایک وار میں مارے گئے۔ کفّار کے لشکر میں تلاطم ہوا۔ ایک مست ہاتھی کفّار کی طرف سے نکلا۔ یہ سر سے پیر تک لو ہے میں غرق تھا۔ زرہ بکتر نے پورا بدن ڈھانپ رکھا تھا۔ مغفر سے دو آنکھیں سانپ کی آنکھوں کی طرح جھانک رہی تھیں۔ اس مست ہاتھی نما انسان یا انسان نما جانور نے آواز لگائی کہ خوب سن لو میں ہوں عبیدہ بن سعید بن عاص۔ دشمن کا خون پی لینا میری عادت ہے۔ اس ہاتھی پر کوئی وار نہیں ہوسکتا تھا۔ حضرت زبیر نکلے۔ ہاتھ میں نیزہ تھا۔ آنکھ کے علاوہ اور کوئی حصّہ بدن کا نظر نہیں آتا تھا۔ نیزہ کو ہاتھ میں تولا اور نیزہ کو بسم اللہ کی امان میں روانہ کیا۔ ایسا غضب کا نشانہ تھا کہ نیزہ آنکھ کے راستے دماغ میں داخل ہوا اور مغز چاٹتا ہوا گدّی میں پیوست ہوا۔ زبیر کو اس نیزہ کی بازیافت مشکل ہوئی۔ کھینچ کر نکالا مگر پھل ٹیڑھا ہوگیا۔ اللہ کے نبی نے زبیر سے یہ نیزہ بطور یادگار لے لیا۔ حضرت زبیر نے پہلی ہجرت حبشہ میں کی تھی اور یہ نیزہ پھینکنے کا ہنر وہ حبشہ سے سیکھ کر آئے تھے۔ حبشی اس چھوٹے نیزے کو سانگ کہتے تھے۔

کئی سردار پے در پے گرے تو کفّار نے ایک ساتھ حملہ بول دیا۔ حملہ آوروں کو آگے بڑھنے کا موقع دیا گیا۔

یہ صف بندی اور استقامت کی تربیت نبی کریم نے دی تھی۔قریب آنے پر کفار کی آگے بڑھتی ہوئی موج کی ضیافت حسب توفیق کی گئی۔جس کے پاس تیر تھے انھوں نے تیر چلائے۔نیزے پھینکے گئے۔سنگ افگنی (پتھر پھینکنے) کا عمل بھی ہوا۔اس یکا یک بارش سے حملہ آور حواس باختہ ہو گئے۔

حضور بار بار آسمان کی طرف نگاہ کرتے اور عرضی گذارتے "یاحی یاقیوم برحمتک استغیث"۔

"اے زندہ اور قائم رہنے والے رب اپنی رحمت سے مدد فرمایئے اے اللہ آپ نے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کیجئے۔اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر کبھی زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی"۔

حضور کی تضرع اور زاری اور فریاد میں کندھے سے چادر بار بار گر جاتی تھی اور ابوبکر بار بار چادر ٹھیک کرتے تھے۔"یارسول اللہ نہ گھبرایئے۔اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے"۔

اسوقت حضور عالم التجا اور عالم فریاد میں تھے۔اور انکے رفیق ابوبکر عالم رجا/ عالم امّید/ عالم یقین میں تھے۔

پھر حضور کے چہرۂ مبارک پر تبسّم نمودار ہوا "ابوبکر تم کو مبارک ہو اللہ کی نصرت آ گئی"۔اس خوش خبری کے بعد حضور اس جھونپڑی یا سائبان سے باہر آئے حضور کی جنگی قیام گاہ کا نام عریش تھا۔عرش سے عریش کو پیغام موصول ہوا۔

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝

ترجمہ: یہ جماعت عنقریب شکست کھائیگی، اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے۔

پھر حضور کا حکم آیا "شدّو" چڑھ دوڑو۔

عمیر بن حمام جو کھجوریں کھا رہے تھے کہنے لگے کہ میرے اور جنّت کے درمیان میں کھجوریں حائل ہیں۔کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر "شدّو" پر عمل کیا۔چڑھ دوڑے شہید ہوئے جنّت کی بشارت لی اور روانہ ہوگئے جنّت کی طرف۔ (مشکواۃ شریف حوالہ صحیح مسلم)

حضور نے مٹھی ریت اٹھائی کچھ پڑھ کر پھونکا۔ اور اسے مشرکین کی جانب پھینکا۔

شَاهَتِ الوُجُوهُ۔ اللهمَّ اَرْعُب قُلوبُهُم وزَلْزِل اَقدامهُم

(چہرے ان کے رسوا اور ذلیل ہوئے۔ ان کے دلوں پر خوف خدا طاری کر اور ان کے قدم اکھڑ جائیں)۔

اس کے بعد کفار کو بھاگ جانا تو تھا ہی اللہ تعالیٰ کا پیغام آیا۔ **"وَمَا رَمَيتَ اِذ رَمَيتَ ولكِنَ الله رمٰی"**۔

یہ مٹھی بھر خاک آپ نے نہیں پھینکی۔ یہ اللہ نے پھینکی۔

لاہور اور کراچی میں بھی معوذ اور معاذ پیدا ہوئے تھے۔

(کہاں نہیں ہوئے؟) صرف نام بدلتے رہے۔ صدیاں بدلتی رہیں۔ عاشق نہیں بدلے۔ لاکھوں آئے۔ لاکھوں اور آئیں گے۔ انشاءاللہ

لاہور کے معاذ کا نام تھا علم الدّین اور کراچی کے معوذ کا نام تھا عبدالقیّوم۔ معرکۂ بدر کی طرف واپس چلیں۔

معرکہ ختم ہوا تو معلوم ہوا کہ 14 مسلمان شہید ہوئے۔ 6 مہاجرین اور آٹھ انصار۔ کفار 70 جہنّم داخل ہوئے اور 70 قید ہوئے۔ قید ہو جانا کفار کا فراڈ تھا۔ وہ قید ہو جانا پسند کرتے تھے کہ بعد میں فدیہ ادا کر کے چھوٹ تو جائیں گے۔ اسکے برعکس مسلمان یا تو غازی ہوتے تھے یا شہید۔ قید تو کوئی ہوا ہی نہیں۔

یہ معرکہ مشرکین کی شکست فاش پر ختم ہوا۔ خاتمۂ جنگ کے بعد رسول اللہ نے تین دن بدر کے میدان میں قیام فرمایا مشرکین کی لاشیں ایک خبیث اندھے کنویں میں ڈال دی گئیں۔ حضور نے بدر کے میدان سے سفر کرنے سے پہلے اس کنویں پر کھڑے ہو کر ایک ایک سردار کا نام لیکر آواز دی اور فرمایا۔ اے عتبہ، اے ابوجہل، اے شیبہ تم لوگ اپنے نبی کے کیسے بُرے رشتہ دار تھے۔ تم نے جھٹلایا اور دوسروں نے تصدیق کی۔ تم نے مجھے نکالا اور دوسروں نے ٹھکانا دیا۔ تم نے قتال کیا دوسروں نے مدد کی۔ تم اگر اپنے رسول کی فرمانبرداری کرتے تو اللہ تمہیں شاد کرتا۔ اب جبکہ تم نے اللہ کا عذاب دیکھا

مسلمان ہونے کی آرزو کرنے لگے۔ ہم نے تو اپنے پروردگار کے وعدے کو حق پایا، کیا تم سے بھی اللہ نے عذاب کا وعدہ پورا فرمایا؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپؐ بے جان لوگوں سے خطاب فرمارہے ہیں؟ ارشاد ہوا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میرے کلام کو وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔ (صحیح بخاری)

علی مرتضےٰ یا ابوتراب

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق　　کبھی سوز و سرور و انجمن عشق

کبھی سرمایۂ محراب و منبر　　کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

جنگ بدر سے واپسی کے بعد اور جنگ احد کی روانگی سے قبل کے زمانے میں کسی وقت حضرت علی کرم اللہ وجہ، کی شادی سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سے ہوئی۔

حجرۂ فاطمہ

ادب! ادب! ادب۔ حضور نبی کریم ﷺ کی چہیتی بیٹی کا ذکر ہے۔ ایک عاشقِ رسول ﷺ نے کہا تھا کہ کاش شریعتِ رسول اجازت دیتی تو میں بنتِ رسول حضرت بی بی فاطمہؓ کی قبر کا طواف کرتا اور انکی خاک پر سجدہ کرتا۔

ایک بندۂ نا اہل "حدیثِ دل" کا ایک حصہ ختم کر چکا تھا تو صبح کو طلوع سحر سے پہلے جگا کر چشم نمائی ہوئی کہ حدیثِ دل بغیر "راحتِ قلب رسول" کے حجرہ کے طواف کے ختم کیسے کر دی؟ ٹھیک ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ کے خانوادے کی خلوت خاص میں داخل ہونا گناہ عظیم ہے مگر ہر قدم پر اگر آنکھیں سجدہ کریں اور دل درود پڑھے تو شاید معافی مل جائے۔

(متشدّد شریعت معاف کرے نہ کرے اگر کسی رقیق قلب میں ارتعاش پیدا ہو جائے تو مزدوری مل گئی)

اللّٰھم صلِ علیٰ محمدٍ و علیٰ آلِ محمدٍ و بارک وسلّم

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز

حضرت مریمؑ ایک نسبت سے باعزّت ہیں

یعنی وہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ہیں۔

از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز

بی بی فاطمہؓ تین نسبتوں سے باعزّت ہیں۔

نورِ چشمِ رحمۃٌ للعالمین ﷺ

وہ حضور رحمت اللعالمین کی نورِ چشم ہیں۔

آں امامِ اوّلین و آخریں

جو کہ امام اوّلین بھی ہیں اور نبیءِ آخر بھی وہ

حضور نبی کریم ﷺ

آں کہ جاں در پیکرِ گیتی دمید

کہ جو اس دنیا کی روح ہیں اور جنھوں نے

روزگار تازہ آئیں آفرید

نیا زمانہ پیدا کیا

بانوے آں تاجدارِ ھَلْ اَتیٰ

وہ اس بادشاہِ عظیم کی بانوئے محترم ہیں

مرتضٰی مشکل کشا شیرِ خدا

جن کا لقب مرتضےٰ مشکل کشا شیرِ خدا ہے

پادشاہ و کلبۂ ایوانِ او

وہ جو بادشاہ تھے اور جن کا دربار ایک بوسیدہ کونا تھا

یک حسام و یک زرہ سامانِ او

اور جن کی کل ملکیت ایک تلوار اور ایک زرہ تھی۔

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق

وہ ''مرکزِ عشق'' کی والدہِ محترم تھیں

مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

وہ کارواں سالارِ عشق کی والدہ تھیں۔

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم

وہ ایک جو حرم کے شبستان کی شمع تھے

حافظِ جمیعتِ خیر الاممؑ	اور جو امّت افضلین امّت محمدیہؐ کی جمیعت کے محافظ تھے (حضرت امام حسن)
تانشیند آتشِ پیکاروکیں	جنھوں نے جھگڑے ختم کرنے کے لئے
پشتِ پازد بر سرِ تاج ونگیں	خلافت کے تخت وتاج کو ٹھکرادیا۔
واں دگر مولائے ابرارِ جہاں	اور وہ دوسرے جو سردار تھے تمام آزاد بندوں کے (امام حسینؓ)۔
قوّتِ بازوئے احرارِ جہاں	جن کی ذات سے تمام بندوں کو تقویت ملی
درنوائے زندگی سوز از حسینؓ	زندگی کے ساز میں سوز حسینؓ سے ہے۔
اہلِ حق حریت آموز از حسینؓ	آزادی حق پرست بندوں نے حسینؓ سے سیکھی۔
سیرتِ فرزندہا از اُمہات	اولاد کی سیرت ماؤں پر منحصر ہے
جوہرِ صدق وصفا از اُمہات	صدق وصفا کا جوہر ماؤں سے ملتا ہے۔
مزرعِ تسلیم راحاصل بتولؓ	اسلام کی کھیتی کا حاصل بتولؓ ہیں (بی بی فاطمہؓ)
مادراں رااسوۂ کامل بتولؓ	ماؤں کے لئے کامل ترین مثال بتولؓ ہیں۔
بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت	ایک محتاج کیلئے ان کا دل ایسا نرم ہوا کہ اسکو خیرات دینے کیلئے
بایہودے چادرِ خود را فروخت	اپنی چادر ایک یہودی کو فروخت کردی

آں ادب پروردۂ صبر و رضا	وہ صبر و رضا کی ادب پروردہ تھیں۔
آسیا گرداں ولب قرآں سرا	ہاتھ چکّی چلاتے تھے اور زبان تلاوت قرآن کرتی تھی۔
گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز	ان کی آنکھ کو رونے کیلئے کسی تکیہ کی ضرورت نہیں تھی۔
گوہر افشاندے بدامانِ نماز	وہ نماز میں یہ گوہر لٹاتی تھیں۔ (آنسو)
اشکِ او برچید جبریل از زمیں	ان کے آنسو جبرئیل زمین سے چن کر لے جاتے تھے
ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں	اور عرش پر شبنم کی طرح بکھیر دیتے تھے۔
رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست	میرے لئے شریعت کی پابندی کی زنجیر ہے
پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰؐ است	حضور نبیءکریم ﷺ کے فرمان کا پاس ہے۔
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے	ورنہ میں ان کی تربت کے گرد طواف کرتا
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے	اور انکی خاک پر سجدہ کرتا۔

علی کرم اللہ وجہٗ۔ اکیس سال کے نوجوان ہیں۔ ہاشمی شان اور آغوشِ نبوّت کی پرورش کے جلال و جمال کا امتزاج چہرہ روشن ہے ابھی اسی سال بدر کے میدان میں زوردست وضربت کاری کا امتحان بھی ہو چکا ہے اور اعلان بھی۔ بدر کے میدان میں پہلے تین مجاہد اسلام جو نکلے ان میں سے ایک کا نام تھا علیؓ بن ابی طالب پروردہ رسول اور پہلی اینٹ جو کفر کے ایوان سے بدر میں گری تھی وہ تھی لاش۔ ولید بن عتبہ سردار ابن سردار کی اور اسکو خاک پر گرایا تھا علیؓ بن ابی طالب نے۔ اس شرف کے علاوہ دوسرا اشرف یہ تھا کہ علیؓ ''محنت کش'' مہاجر تھے۔ دام و درہم پاس نہیں تھا۔ لوگوں کے کھیتوں

میں اجرت پر کام کرتے تھے۔ دوستوں نے کہا کہ ''حضور نبی کریم ﷺ کے پاس جاؤ اور بنتِ رسول کے لئے درخواست کرو''۔ ''میرے پاس ہے کیا وہ مجھے کیوں قبول کرینگے؟''۔ ''تمہیں خود پتہ نہیں کہ تمہارے پاس کیا ہے''۔ ''تم جاؤ درخواست کرو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری درخواست کے ہی منتظر ہوں''۔ علیؓ کے دوستوں کا اندازہ صحیح تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ امّ المومنین امّ سلمہ کے حجرہ میں آرام کررہے ہیں۔ اٹھ بیٹھتے ہیں۔ ''امّ سلمہ دروازہ کھول دو میرا ایک عزیز مہمان آرہا ہے''۔

امّ المومنین امّ سلمہ نے دروازہ کھولا تو باہر علیؓ کھڑے تھے۔

ایک گھبرایا ہوا نوجوان شرمندہ سا۔ ''علیؓ کیسے آئے؟'' حضور ﷺ نے ایک فہمیدہ مسکراہٹ سے پوچھا۔ جنھیں سب کچھ معلوم ہوتا ہے وہ ایسے ہی پوچھتے ہیں۔ فصیح البیان علیؓ کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے۔ کچھ وقت کے بعد عرضی پیش خدمت ہوئی۔ حضور ﷺ نے دوبارہ تبسّم عطا فرمایا۔ پندرہ سالہ فاطمہؓ بلائی گئیں۔ ''یہ علیؓ ہیں تمہارے لئے میرے پاس درخواست لائے ہیں تم منظور کرتی ہو''۔ خوبصورت چہرہ شرم و حیا سے اور زیادہ سرخ مگر جواب کوئی نہیں۔ تین دفعہ کا استفسار جواب کوئی نہیں۔ ''کیا تمہاری خاموشی کو قبولیت سمجھا جائے۔ جواب کوئی نہیں مگر شاید بیٹی کی آنکھ نے باپ کو پیغام دیا کہ ''جو میرے باپ کی مرضی''۔

یہ بھی مرحلہ طے ہوا۔

''علیؓ تمہارے پاس اخراجات کیلئے کیا ہے؟'' شہنشاہ کونین نے ہونے والے داماد سے پوچھا۔ اثاثوں کی فہرست بڑی مختصر تھی۔

''ایک تلوار ہے اور ایک زرہ ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''تلوار ضروری چیز ہے مگر زرہ کی تم کو کیا ضرورت ہے۔ تمہارا محافظ اللہ ہے۔ زرہ فروخت کردو''۔

زرہ بیچی علیؓ نے چار سو اسّی دراہم میں
(بقول شبلی مرحوم اس سے بھی بہت کم میں)
تھی شادی فاطمہؓ کی سادگی کا طرفہ نظّارا
ولیمہ بھی اسی میں اور اسی میں مہر بھی سارا
جہیز ان کو مِلا جو کچھ شہنشاہِ دو عالم سے
مِلا ہے درس ہم کو سادگی کا فخرِ آدم سے
متاعِ دُنیوی جو حصّہء زہراؓمیں آئی تھی
کھجوری کُھر درے سے بان کی اک چارپائی تھی
مشقت عمر بھر کرنا جو لکّھا تھا مقدّر میں
ملی تھیں چکّیاں دو تاکہ آٹا پیس لیں گھر میں
گھڑے مٹّی کے دو تھے اوراک چمڑے کا گدّا تھا
نہ ایسا خوشنما یہ تھا نہ بد زیب اور بھدّا تھا
بھرے تھے اس میں روئی کی جگہ پتّے کھجوروں کے

یہ وہ ساماں تھا جن پر جان و دل قربان حوروں کے
وہ زہراؓ جن کے گھر تسنیم و کوثر کی تھی ارزانی
ملی تھی مشک اُن کو تاکہ خود لایا کریں پانی
مِلا تھا فکر و فاقہ ہی مگر اصلی جہیز ان کو
کہ بخشی تھی خدا نے اِک جبینِ سجدہ ریز ان کو
چلی تھی باپ کے گھر سے نبیؐ کی لاڈلیؓ پہنے
حیا کی چادریں عفت کا جامہ صبر کے گہنے
رِدائے صبر بھی حاصل تھی توفیقِ سخاوت بھی
کہ ہونا تھا اسے سرتاجِ خاتونانِ جنت بھی
اسی کی تربیت میں اُسوہ تھا یُمن و سعادت کا
اسی کی گود سے دریا اُبلنا تھا شہادت کا
وہی غیرت جو مُہرِ خاتمِ حق کا نگینہ تھی
امیںؐ کی لاڈلی ہی اس امانت کی امینہ تھی
علی المرتضیٰؓ نے آج تاجِ ھَل اَتٰی پایا
دلہن کی شکل میں اک پیکرِ صدق و صفا پایا

پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہراؓ اپنے گھر آئی

تو کُل کے خزانے دولتِ مہر و وفا لائی

(حفیظ جالندھری)

حضورنبی کریم ﷺ نے علیؓ کوحکم دیا کہ مدینہ والوں کودعوتِ ولیمہ تو دے آؤ۔علیؓ کے پیروں سے زمین نکل گئی کہ اتنا تھوڑا کھانا کیسے پورا ہوگا۔حکم پورا کرنا تھا۔ایک ٹیلے پر چڑھ کرآہستہ سے آواز دی کہ مدینہ والوعلیؓ دعوتِ ولیمہ میں بلاتا ہے خیال تھا کہ کم لوگ سنیں گے اورکم آئیں گے تو کھانا پوراپڑے گا۔مدینہ کی ہوا کوشرارت سوجھی۔علیؓ کا پیغام علیؓ کی آواز میں گھر گھر پہنچا آئی۔کون بدبخت گھر بیٹھا رہتا۔سب چلے آرہے تھے دعوتِ ولیمہ میں شرکت کیلئے۔ علیؓ گھبرائے ہوئے حضور رحمت اللعالمین کے پاس پہونچتے ہیں۔حضور ﷺ کھانا پورا کیسے پڑے گا سارامدینہ ٹوٹ پڑاہے۔حضور ﷺ کی وہی مشفقانہ مسکراہٹ۔ فرمایا۔

''علی کھانا پوراپڑے گا''۔سب نے کھایا اور کھانا ختم نہیں ہوا۔

عورت کی آواز کا پردہ ہوتا ہے۔ابھی پردے کے احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے۔مگر دخترِ رحمت اللعالمین کی عفّت کا معاملہ دوسرا تھا۔سیّدہ فاطمہؓ کوخوش الحانی سے قرآن پڑھنے کا بھی شوق تھا۔گھر بھی چھوٹا تھا۔آواز باہر جاسکتی تھی۔رستہ چلنے والے رک کرٹھٹھک کرسن بھی سکتے تھے۔گھر کا کام کاج بھی اکیلے کرنا ہوتا تھا۔حضور ﷺ نے جہیز میں دو چکّیاں بھی عطا کی تھیں۔کفایت کے لئے آٹا گھر میں پیس لینا بھی ضروری تھا۔سیّدہؓ اپنی قرآنی خوش الحانی کو چکّی کی گھر گھراہٹ میں چھپا دیتی تھیں۔

''آسیا گرداں ولب قرآں سرا''

قرآن کریم کی مترنم تلاوت آواز اور چکی کی گھر گھراہٹ ساز۔

عشق۔ سوز۔ جذبہ کسی انسان کو جلا دینے کے لئے کافی ہے اگر وقتاً فوقتاً بلکہ دائماً آنکھوں کے پانی سے اس آگ کو ٹھنڈا نہ کیا جائے۔

سیّدہ فاطمہؓ کے پاس چمڑے کا گدّا بستر بنا ہوا تھا مگر تکیہ ایک تکلّف تھا۔ جو موجود نہیں تھا۔ لوگ اپنے تکیہ پر روتے ہیں۔ سیّدہؓ نماز میں اپنے آنچل کو سرشار کرتی تھیں۔

''گریہ ہائے اوزِ بالیں بے نیاز ۔ گوہر افشاندے بداماں نماز''

اور آنسو کے یہ قطرے جبرئیل حضورِ حق میں شبنم کے قطروں کی طرح بکھیر دیتے تھے۔

''اشک او برچید جبرئیل از زمیں ۔ ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں''

اٹھو ابوتراب

حضرت علیؓ کی سخاوت مشہور تھی۔ ہر فقیر کو معلوم تھا۔ کہ اس در سے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ سخاوت اور درویشی اگر دونوں جمع ہو جائیں تو کچھ مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حجرہ میں چکی چل رہی ہے۔ قرآن کی قراءت کا نغمہ بھی ہے۔ ایک سائل آواز لگاتا ہے۔ اگر آٹا پس گیا ہوتا روٹی پک گئی ہوتی تو اس سائل کی نذر کر دی جاتی۔ بچوں کیلئے ایک ٹکڑا کافی ہوتا اور سیدؓ اور سیدہؓ رات بھی روزہ کر لیتے مگر ابھی تو روٹی بھی نہیں تھی۔ سیدہؓ نے چادر عطا کر دی کہ یہودی

کے ہاں بیچ آؤ۔ اپنا کام چلاؤ۔ چادر زہراؓ سائل کو عطا!!۔ چادر زہراؓ ان تین استعاروں میں سے ایک ہے جس پر ملت کی اساس ہے۔ دوسرے دو ابوذرؓ کا کمبل اور اویسؓ کی گدڑی۔ شاعر اقبالؒ نے کس قدر دردناک شعر کہا تھا۔

یہ ہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے

گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

سیّدؓ کو مزدوری سے فرصت ملتی تو بیٹھ کر قرآن کی ترتیب کرتے۔ سیّد کے پاس بہت سے مہمان آئے۔ گھر کا کھانا ختم ہوا۔ بچے بھوک سے بے حال ہوئے سیّدہؓ نے شاید پہلی دفعہ سیّدؓ کا دامن پکڑ کر کھینچا۔ ''معلوم ہے! کتنے وقت کا فاقہ ہو چکا ہے۔ کیا مجھے اور بچوں کو بھوکا مارنے کا ارادہ ہے''۔ کوئی بھی عورت ہو اپنے بچوں کو بھوکا سلانے کے بعد کم از کم اتنا تو کہے گی چاہے وہ سیّدہؓ بنتِ رسول ہی کیوں نہ ہو۔ سیّدؓ اٹھے کہ وہ باغ جو بڑی محنت سے لگایا تھا جسکی آب پاشی کی تھی اسکو رہن رکھ آئیں یا فروخت کر آئیں۔ باہر نکلے سودا ہو گیا۔ رقم ہاتھ آئی بازار چلے کہ کچھ جنس تو لے لیں۔ ایک شخص روتا ہوا پیروں میں گر گیا۔

''کیا ہوا بھائی؟''۔ سیدِ ہاشمی علیؓ نے پوچھا۔

''بیوپار میں گھاٹا ہو گیا۔ بالکل محتاج ہو گیا۔ قرض خواہ نے مکان پر قبضہ کر لیا۔ شام تک رقم نہ دی تو گھر والوں کو باہر نکال دے گا۔ بیوی کے بچہ ہونے والا ہے۔ اسے نکالا تو وہ مر جائیگی''۔ یہ تھی داستانِ غم اس کی۔ علی ابن ابی طالبؓ نے ساری رقم اسکے حوالے کر دی۔ ''اتنی ہی رقم ہے قرض خواہ کو اس سے ٹالو۔ باقی رقم کا بندوبست بھی اللہ کر دے گا''۔ وہ شخص پیروں پر گر پڑا۔ ''اے علیؓ تم دستِ خدا ہو۔ جیسے ہی کچھ کام چلا قرض ادا کر دونگا''۔ علیؓ نے ملائمت سے کہا کہ ''بھائی ادائیگی کی فکر نہ کرو یہ رقم قرض نہیں ہے''۔

اس شخص کا مرحلہ تو طے ہوا مگر گھر میں سیّدہ فاطمہ زہرہؓ انتظار کر رہی تھیں کہ اناج آئے تو پیس کر روٹی پکائیں اب تو ننھی بھوکی زینبؓ بھی نیند میں سسکیاں لے رہی تھی۔

علیؓ کو کچھ نہیں سوجھا تو مسجد جا کر زمینی فرش پر سو گئے۔

کچھ دیر بعد دیکھا کہ رسولِ خدا ﷺ روشنی ہاتھ میں لے کر مسجد کے فرش پر کچھ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ''اُٹھو ابو تراب (مٹی کے باپ) گرد جھاڑو اپنی۔ کیا ہوا؟''۔ علی ابن ابی طالبؓ نے سارا قصہ سنایا رسول خدا ﷺ کے ہونٹوں کے گوشے میں ضرور کوئی مسکراہٹ ہوگی۔ یہ فاتح بدر و احد خیبر شکن حیدرِ کرّار بیوی کے ڈر سے مسجد میں چھپے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ کے کسی حجرہ سے کچھ کھانا مل گیا۔ حضور ﷺ کھانا لیکر نورِ نظر علی ابن ابی طالبؓ کے ساتھ سیّدہ کے حجرہ میں تشریف لائے۔ سیّدہ نے شاید فوراً ہی علیؓ کی ''سخاوت'' معاف کر دی۔ سب نے ساتھ کھانا کھایا اور شاید کچھ خوشگوار باتیں بھی ہوئیں۔ اور یقینی رسول ﷺ کی دعائیں تقسیم ہوئیں۔

حضور نبیءِ کریم ﷺ کا منبر تیار ہو گیا۔ اس منبر سے علم اور عرفان کے خزانے تقسیم ہونے لگے مگر چھوٹے چھوٹے حسنؓ حسینؓ اور کبھی چھوٹی زینبؓ بھی آس پاس پہنچ جاتے۔ اور نانا (ان پر صلوٰۃ و درود) منبر سے اتر کر ان میں سے کسی کو گود میں اٹھا لیتے اور خطبہ جہاں سے ٹوٹا تھا وہیں سے دوبارہ جاری ہو جاتا۔ اگر ان میں سے کوئی سو جاتا تو اصحاب صفّہ کے کوئی بزرگ یا عام طور پر سیّدنا بلالؓ گود میں لیکر ان کو حجرہ میں پہنچا دیتے۔

آج عید کا موقعہ ہے لوگ عید گاہ کی طرف جا رہے ہیں اتنی عام خوشحالی تو نہیں ہے کہ سب کے کپڑے زرق برق

ہوتے مگر بچوں کو کچھ خوش نما کپڑے مل گئے تھے۔ حسنؓ حسینؓ کچھ اداس ہو گئے۔ ''ہمارے کپڑے پرانے اور پیوند لگے ہیں'' رسول اللہ ﷺ نے وہ پیوند چوم لیئے۔

''مجھے تو یہ پیوند ستارے لگتے ہیں چمک دار۔ یہ کپڑے تمہارے باپ کی محنت کی کمائی سے آئے ہیں۔ بچوں کو بھی پیوند میں ستارے نظر آنے لگے''۔ ''آپ کے لباس پر بھی تو پیوند ہے''۔ بچوں کے پاس ہمیشہ کچھ نہ کچھ کہنے کو ہوتا ہے۔ ''کپڑوں پر پیوند ہو تو کوئی حرج نہیں ہے''۔ ''روح داغ دار نہیں ہونا چاہیئے''۔ یہ بات شاید اس لئے نہیں کہی گئی کہ انکی سمجھ میں نہیں آتی یا پھر شاید اس لئے کہ اس ماحول میں پلنے والے بچے یہ بات بے کہے سمجھ لیں گے۔ اپنے وقت پر۔ ان بچوں نے واقعی روح پر کوئی دھبہ لگنے نہیں دیا۔ پھر کچھ آزردگی قوم بچگاں میں نظر آئی۔ ''اب کیا بات ہوئی''؟۔ لوگ ''سواریوں پر اونٹوں پر جا رہے ہیں۔ ہم پیدل جائیں گے''۔

''تم کو پیدل چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ دونوں میرے کندھوں پر بیٹھ جاؤ''۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے نواسوں کو کندھے پر بٹھایا ہوا ہے تو سب سواریوں سے اتر گئے اور انھوں نے بچوں کو کاندھے پر بٹھالیا۔ سارے بچے اس تماشے پر خوش تھے۔ قہقہے اور کلکاریاں عام تھیں لوگ بھی بچوں کے ساتھ بچہ بنے ہوئے ہنس رہے تھے۔

ایک بزرگ کی آنکھ سے مسلسل آنسو رواں تھے۔

داڑھی بھیگ گئی تھی۔ پاس آ کر حسنؓ حسینؓ سے کہا۔ ''بچو تمہاری سواری تو لاجواب ہے''۔

نانا (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) نے فوراً جواب دیا ''سوار بھی تو لاجواب ہیں''۔

☆☆☆☆☆

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے

وہی فطرت اسد اللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری

روز ازل سے حق اور باطل کی جنگ جاری ہے۔ یہ دنیا ستیزہ گاہ (جنگ کا میدان ہے اور دونوں حریف ایک دوسرے سے پنجہ فگن ہیں) برتری کی کوشش میں زور آزمائی کر رہے ہیں۔ ایک طرف اللہ نے اسد اللہ کی فطرت پیدا کی ہے دوسری طرف مرحب اور عنتری (یہودی جنگ آزما) پیدا کیئے۔ امتحان گروہ اسد اللّٰہی کا ہے۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے

وہ کیا تھا؟ ۔ زور حیدر فقر بوذر صدق سلمانی

اس تنگ نظر سنگدل مادہ پرستی کے دور میں طاغوتی طاقتوں کے زور کو توڑنے کے لیئے زور حیدر چاہیئے جو استعارہ ہے جنگی طاقت کا اور فقر بوذر کا جو استعارہ ہے دنیاوی آلائشوں سے پاکیزگی اور فقیرانہ یکسوی کا اور سلمان کی تلاش ''صدق'' جو اولین دور کی معرکہ آرائیوں میں کام آئی اور آج بھی یہ ہتھیاروں کی طرح مگر ہتھیاروں سے زیادہ ضروری ہیں۔

گرمی ہنگامہ بدر و حنین

حیدر و صدّیق و فاروق و حسین

حیدر اور صدّیق وفاروق اور حسین ایک ہی جذبہ اور جوش کے مختلف پہلو کے استعارے ہیں۔

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر

کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

اللہ تعالیٰ واحد ہیں احد ہیں لاشریک ہیں مگر اسوقت حضور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے عمل میں وہ ہم کو اپنا اور اپنے ملائکہ کا ''شریک'' بنا رہے ہیں۔ اس Partnership میں ہم سراسر فایدے میں ہیں۔ اگر ہم اپنے اپنے سب اعمال حسنہ میں حضور ﷺ اور اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب اپنا مددگار بنا کر رکھیں تو فایدہ بے حساب ہے۔

فتح اُحد

جی ہاں بیان ہے فتح اُحد کا۔ آج پچھتر سال کی عمر میں تقریباً ساٹھ سال سے اُحد کی شکست کا حال سن رہا ہوں۔ آج قلم میرے ہاتھ میں ہے تو میں فتح اُحد کا حال لکھوں گا۔ عہد یہ ہے کہ اگر اس بیان کے آخر میں اُحد کی فتح کی جھلک آپ کو اور خود اپنے آپ کو نہیں دکھا سکا تو اپنے قلم توڑ دوں گا اور انگلیاں فگار کرلوں گا۔

سب سے پہلے تو اللہ تعالٰی کی گواہی لاتا ہوں۔ اللہ تعالٰی نے قرآن میں کہیں یہ اطلاع نہیں دی کہ مسلمانوں کو اُحد میں شکست ہوئی۔ اس ابتلاء اُحد کے متعلق سورہ آلِ عمران میں کئی دفعہ اشارے ہیں اور سورہ نساء میں بھی۔ سورہ نساء کی ایک آیت پیش کرتا ہوں۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۚ اِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَاِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۔ (سورہ نساء آیت ۱۰۴)

قوم (مشرکین) کے تعاقب میں ڈھیلے نہ پڑو۔ اگر تم الم محسوس کر رہے ہو تو وہ بھی تمہاری طرح الم محسوس کر رہے ہیں اور تم لوگ اللہ سے اچھی امید رکھتے ہو جبکہ وہ ناامید ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کیا شکست خوردہ لوگوں کو فاتحین کے تعاقب کا حکم دے رہے ہیں؟ کیا وہ جو ناامید ہیں انکو فاتحین مانا جائیگا۔ یا وہ جو ابھی تک پُر امید ہیں۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے

امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

اللہ تعالٰی سے ایک گواہی لینے کے بعد اجازت دیجئے کہ زمینی حالات کا جائزہ لیا جائے مستند تاریخ کی روشنی

میں۔تین ہزار یا کچھ زیادہ کا لشکرِ کفار مدینہ پر حملہ آور ہوا۔مدینہ میں حضور ﷺ نے مسجد میں مشاورت کی۔عبداللہ بن ابی منافق نے مدینہ میں قلعہ بند ہونے کا مشورہ دیا۔کچھ بوڑھے جہاں دیدہ مسلمان مجاہدوں نے بھی قلعہ بند ہونے کا مشورہ دیا۔مگر جوان مجاہد آگے بڑھ کر کفار مکہ پر براہ راست حملہ کرنے کو اپنے شایانِ شان سمجھتے تھے۔جب زیادہ کی رائے یہ ہوئی کہ باہر نکل کر کفار سے برابری کے انداز میں جنگ ہو تو حضور ﷺ نے اس رائے کو اپنی رائے پر فوقیت دے کر قبول فرمالیا اور اپنے حجرہ سے زرہ پہن کر اور ہتھیار سجا کر باہر آئے جو بدر کی لڑائی ۔سے مخالف طرح کا عمل تھا۔مجاہدین کو خیال ہوا کہ انہوں نے اپنے جوش اور جذبہ کا اظہار کر کے ایک طرح سے حضور ﷺ سے اختلاف کیا ہے۔جوشیلے مجاہدین نے معذرت کی اور عرض کیا کہ حضور ﷺ اپنی ہی بصیرت سے فیصلہ کریں اگر قلعہ بندی مناسب ہے تو نوجوان سر جھکا کر راضی ہیں۔مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ نبی ایک دفعہ ارادہ کر لینے کے بعد بدلتا نہیں۔واضح رہے کہ یہ شکست آمادہ نوجوانوں کا انداز نہیں تھا کہ وہ قلعہ بندی کی عافیت کو رد کر کے کئی کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے دشمن سے میدان میں مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔جوش اور جذبہ عروج پر تھا۔مدینہ سے باہر نکلتے ہی سچے اور جھوٹے کی پہچان ہوگئی۔عبداللہ بن ابی راس المنافقین اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس ہوگیا۔شکایت تھی کہ اس کی عافیت والی رائے قلعہ بندی کی نہیں مانی گئی بلکہ جوشیلے نوجوانوں نے خودکشی کی ٹھانی ہے۔اب دونوں فوجوں میں تناسب ایک اور پانچ کا ہوگیا۔تین ہزار سے زیادہ کفار کے مقابلہ میں سات سو مجاہدین۔سامانِ جنگ تو بہر حال ہمیشہ ہی ٹوٹا پھوٹا رہا اور پھر قریشی جنرل خالد بن ولید کے پاس دو سو گھوڑوں کا رسالہ جس کا کوئی جواب مجاہدین کے پاس نہیں تھا۔

حضور ﷺ نے میدان میں اپنی تلوار کسی حقدار کو دینا چاہی۔سب مجاہدین حریص تھے اس تلوار کے۔

زبس بے تاب تھی حسرتِ دل فاروق اعظم میں
کہ آئے سر جھکائے خدمتِ سالار عالم میں
گزارش کی کہ یہ تلوار فدوی کو عنایت ہو
ہمیشہ بندۂ احسان ہوں مجھ سے رعایت ہو

مگر سرکار نے انکار کے الفاظ فرمائے
تو یہ حسرت لئے خدمت میں اکثر نامدار آئے

بصد اصرار اپنے شوق کا اظہار فرمایا
مگر اللہ کے محبوب نے انکار فرمایا

بندھی تھیں اہلِ جرأت کی امیدیں دست اشرف سے
یہ عالم تھا کہ نکلے بو دجانہ آخری صف سے

کہا سرکار اس تلوار کا حق جانتا ہوں میں
فقط حق ہی اسے مطلوب ہے پہچانتا ہوں میں

میں اس کا حق ادا کردوں گا دین و جان و ایماں سے
کہ داغ خونِ ناحق لے کہ آؤں گا نہ میداں سے

مقدر ڈھونڈتا تھا اس ادائے والہانہ کو
عطا کر دی گئی یہ تیغ برّاں بو دجانہ کو

چڑھا نشہ خوشی کا بو دجانہ جوش میں جھومے
جھکے، تلوار لے لی اور دست مصطفےٰ چومے

لپیٹا سرخ کپڑا گرد سر اس مرد اکمل نے

اکڑ کے پہلوانوں کی طرح بڑھ کر لگے چلنے
تبسّم زیرِ لب فرما کے ہادی نے یہ فرمایا
کہ ہاں آگے بڑھو آگے بڑھو وقت جہاد آیا
اگرچہ نا پسندیدہ ہے ایسی کبک رفتاری
مگر ایسے مواقع پر یہی رفتار ہے پیاری

(حفیظ جالندھری)

جب دست بدست جنگ کا موقع ہوتو سر پر سرخ کپڑا وہ دلیر ہی لپیٹ سکتا ہے جو نمایاں ہو کر دشمن کو للکار رہا ہو کہ یہ میں ہوں طالبِ شہادت، اِدھر آ ؤدو دو ہاتھ ہو جائیں۔ یہ شکست کھانے والی فوج کے جوان کا انداز نہیں ہے۔ بہت مختصر چند جھلکیاں جنگِ اُحد کی۔ ساری تاریخ مسلمان اور غیر مسلم مؤرّخوں نے لکھی ہوئی ہے۔ میرا تاریخ لکھنے کا ارادہ نہیں ہے نہ اس کا تجربہ ہے نہ تحقیق کا طریقہ معلوم ہے۔ مگر چند تحقیق شدہ باتوں کو پیش کرتا ہوں ماخوذ رحیق المختوم (مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری) اور سیرت النبیؐ (مولانا شبلی نعمانی)

حضور ﷺ نے اُحد پہنچتے ہی ملاحظہ کرلیا تھا کہ ایک گھاٹی جو آج جبل رعاۃ کے نام سے موسوم ہے، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں سے اسلامی لشکر کی پشت پر حملہ ہوسکتا تھا جو افراتفری پھیلا سکتا تھا۔ اور کم تعداد کی فوج افراتفری میں زیادہ خطرہ میں ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے ماہر تیراندازوں کا ایک دستہ چُن کر اس درّہ پر تعینات کیا اور ان کو حکم ملا کہ فتح ہو یا شکست تم اس درّہ سے نہ ہٹنا اور دشمن کے سواروں کو تیر مار کر روکنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو شریک نہ ہونا۔ حضور ﷺ نے پہچان لیا تھا کہ گھڑسواروں کو صرف تیرانداز ہی روک سکتے ہیں۔ قریش کے پاس گھڑسوار دستہ تھا، مسلمانوں کے پاس نہیں تھا۔ قریش کے گھڑسواروں کا سالارِ اعلیٰ وہ پیدائشی جنرل خالد بن ولید تھا جس کو ابھی چند سالوں ہی میں سیف اللہ ہونا تھا اور جس

کے نام پر لاکھوں مسلمانوں کا نام رکھا جانا مقدّر تھا۔ خالد بھی اس درّے کو گہری نظر سے دیکھ رہے تھے۔

حضور ﷺ نے جس طرح لشکر کو ترتیب دیا تھا۔ اس میں پشت کو پہاڑ نے محفوظ کر دیا تھا (ماسوائے اس درّے کے) اور اس درّے کو حضور ﷺ نے تیراندازوں سے بند کر دیا تھا۔

جنگ کا پہلا ایندھن طلحہ بن ابی طلحہ عبدری تھا جسکو مسلمان کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا کہ اونٹ کی اونچائی پیدل سپاہی سے کافی بچاؤ تھی۔ مگر زبیرؓ نے جست لگا کر اسی اونٹ پر اپنی نشست قائم کر دی اور پھر اسکو لیکر زمین پر کود ے اور مقابلہ ''قصہ زمیں برسرِ زمین تھا'' اور فیصلہ زبیرؓ کے حق میں ہوا۔ عبدری مینڈھے کو باقاعدہ ذبح کیا گیا۔

زبیرؓ بن عوام کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے تلوار کی استدعا کی تھی مگر وہ ابودجانہ کو ملی تو میں سوچ رہا تھا کہ دیکھوں ابودجانہؓ اس تلوار سے کیا کام لیتے ہیں۔ ابودجانہؓ نے جب سر پر سرخ پٹی باندھی تو ایک انصاری نے کہا کہ ابودجانہؓ نے موت کو پٹی باندھ لی ہے۔ ابودجانہؓ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں بڑھے۔

انا الّذی عاھدنی خلیلی ۔ ونحن بالسفح لدی النخیل

ان لا اقوم الدھر فی الکیول ۔ اضرب بسیف اللہ والرّسول ﷺ

میں نے اس نخلستان کے دامن میں اپنے خلیل سے وعدہ کیا ہے کہ کبھی پیچھے نہ رہوں گا بلکہ آگے بڑھ کر اللہ اور اسکے رسولؐ کی تلوار چلاؤں گا۔ انہوں نے واقعی صفوں کی صفیں پلٹ دیں یہاں تک کہ قریش عورتوں کی کمانڈر تک پہنچ گئے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ عورت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک انسان کو دیکھا کہ بڑے زور شور سے لوگوں کو جوش دلا رہا ہے۔ اس پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے ہائے پکار مچائی کہ میں عورت ہوں۔ یہ عورت زوجہ ابوسفیان تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو عورت کے خون سے آلود نہیں کیا۔

صحابہ دیکھتے تھے جاں نثاری بو دجانہ کی
کہ تھی بیٹھی ہوئی اِک دھاک اس مردِ یگانہ کی
رسول اللہ ﷺ کی بخشی ہوئی شمشیر چلتی تھی
تو گویا آسیائے گردشِ تقدیر چلتی تھی
وہ سب افسر جو بنیادِ فسادِ جاہلانہ تھے
وہی جنگ اُحد میں زیرِ تیغ بو دجانہ تھے
سرِ مقتل تلاش انکو تھی ایسے بد نہادوں کی
کہ جنکی ذات دنیا میں چنگاری تھی فسادوں کی
جو پیچھے رہ کے قرشی فوج کو آگے بڑھاتے تھے
وہ فتنے آج اس تلوار کے سائے میں آگے تھے

(حفیظ جالندھری)

ابودجانہؓ افسروں کواور ہدایت کاروں کو ہی قتل کرر ہے تھے کہ ہندہ لوگوں کو بھڑکاتی اور جنگ پر اکساتی نظر آئی۔

پڑی کچھ فاصلے سے بو دجانہؓ کی نظر اس پر
وہ سمجھے فوجِ دشمن کا اسے کوئی بڑا افسر
جو پیچھے فوج کے تاریں لڑائی کی ہلاتا ہو
بجھی چنگاریوں کو اپنی پھونکوں سے جگاتا ہو

وہ لشکر کو ہٹاتے مارتے اس کی طرف نکلے
بزور دست و بازو توڑ کر ہر ایک صف نکلے
قریب ہند پہنچے تیغ کھینچی اور للکارا
کہ آ میرے مقابل او فسادی او فریب آرا
کہاں چھپ کر کھڑا ہے دیکھ عزرائیل آ پہنچا
یہ تیرے ذبح کو فرزند اسماعیل آ پہنچا
یہ سن کر ہند کے ہوش اُڑ گئے لرزہ ہوا طاری
قضا کو سامنے دیکھا تو بھولی ہیکڑی ساری
پکاری میں تو عورت ہوں مجھے مارو نہ اے بھائی
یہاں چپکی کھڑی ہوں میں تو لڑنے کو نہیں آئی

یہ کہہ کر کانپتے ہاتھوں سے اپنی زلف سرکائی
حنائی ہاتھ کی سرخی بھی ہاتھوں ہاتھ دکھلائی
جناب بو دجانہؓ پر کھلا اب آنکھ کا دھوکہ
کیا ہی چاہتے تھے وار لیکن ہاتھ کو روکا

کہا معلوم ہے گو مجھ کو تیری فتنہ انگیزی
تری آنکھوں سے ظاہر ہو رہی ہے خوئے خوں ریزی
طرح بہر شفیع دو جہاں دیتا ہوں میں تجھ کو
تو کوئی بھی ہو اے عورت اماں دیتا ہوں میں تجھ کو
یہ شمشیرِ رسالتؐ ہے ستودہ اور محمودہ
کروں گا میں نہ عورت کے لہو سے اسکو آلودہ
عیاں فرمائے جوہر اہلِ ایماں کی بسالت کا
جھکے اور قبضہ چوما جھوم کر تیغِ رسالت کا
پلٹ کر ہوگئے جنگاہ میں پھر معرکہ آرا
جہاں اڈی ہوئی تھی آب تیغ تیز کی دھارا

(حفیظ جالندھری)

معرکۂ اُحد گرم تھا۔ ابھی مبارز طلبی ہو رہی تھی۔ شیبہ نے کفار کی فوج سے نکل کر مبارز طلب کیا۔ علیؓ نکلے مگر حمزہؓ عمِ رسول سامنے آ گئے کہ میں نے تین دن سے روزہ رکھا ہے کہ کسی کافر کو مارے بغیر افطار نہیں کرسکتا۔

مدینہ میں خبر جس روز اس حملہ کی آئی تھی
اس دن یہ قسم اس بندۂ عاجز نے کھائی تھی

کہ جب تک فیصلہ کوئی سرِ میداں نہ ہوجائے
جہادِ حق میں یا حمزہ کی جاں قرباں نہ ہوجائے
مجھے اسوقت تک منزل کٹھن ہے اپنے جینے کی
مجھے سوگند ہے اس زندگی میں کھانے پینے کی
مری جانب سے اب حد ہوچکی ہے بردباری کی
اجازت دیجئے بہرِ خدامیدان داری کی
جلالت دیدنی تھی مصطفٰےؐ کے عم عالی کی
جمال ہاشمی تھا آج ایک صورت سوالی کی

رسولِ پاکؐ کے چہرہ سے اک رقّت نمایاں تھی
یہ وہ رحمت تھی کہ جسکی کوئی غائت تھی نہ پایاں تھی
نگاہیں مضطرب ہلکا تبسّم روئے زیبا پر
تصوّر مطمئن تھا مرضی عرشِ معلّی پر
ہوا ارشاد اے عم خجستہ فام بسم اللہ
خدا حافظ ہے، کیجئے نصرت اسلام بسم اللہ

یہ فرما کر دکھائی انتہائی شان رحمانی
کہ بڑھ کر چوم لی سرکار نے حمزہ کی پیشانی
وفور نور حق سے چہرۂ حمزہ چمک اُٹھا
جلا کندن نے پائی یہ زر خالص چمک اُٹھا

(حفیظ جالندھری)

حمزہؓ کا نشاں اس جنگ میں ایک شتر مرغ کا پر تھا جو انکے مغفر پر لہراتا تھا۔ کوئی چھپنے اور چھپانے کا کام اس اسداللہ و اسدالرسول کو نہیں بھاتا تھا، نہیں آتا تھا۔ یہ نشان ایک لومڑی صفت گھات میں بیٹھے دشمن وحشی کی ہر وقت نظر میں تھا۔ اسکی آزادی کی قیمت ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا دل اور جگر مانگی تھی وہ بھوکی تھی۔ اسکے علاوہ ہندہ نے وحشی کو اور کیا لالچ دی تھی وہ صرف ہندہ اور وحشی کو پتہ ہوگی۔

بات لمبی ہوتی جارہی ہے۔ میرا تفصیلی داستانِ رسول ﷺ یا داستانِ مغازی لکھنے کا نہیں ہے کیونکہ یہ کام مجھ سے بہتر مسلمان (اور غیر مسلم سیرت نگاروں نے انجام دیا ہے) مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی اور قاضی سلیمان سلمان شاہ جہاں پوری اور بعد میں جناب صفی الرحمٰن مبارک پوری کی انعام یافتہ رحیق المختوم کے بعد اردو میں اور کوئی کیا لکھ سکتا ہے۔ رحیق المختوم اگرچہ عربی میں ہے اور عالمی اوّل انعام یافتہ ہے مگر اردو ترجمہ بھی فاضل مصنّف کا ہی

ہے۔ مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ ایک عام تاثر کہ اُحد میں اسلام کو یا مسلمانوں کو یا حضور ﷺ کے لشکر کو شکست ہوئی قطعی غلط ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ جنگ مغلوبہ شروع ہونے سے پہلے حضور ﷺ نے تیرانداز دستہ کو پھر حکم دیا کہ ہرگز درّہ نہ چھوڑنا چاہے فتح ہو یا شکست۔

۲۔ حضور ﷺ کی بصیرت نے جان لیا تھا کہ خالد کا گھڑسوار دستہ صرف درّہ میں پچاس تیراندازوں سے ہی روکا جاسکتا ہے۔ کہ اگر اگلے گھوڑے منہ پھیر دیں تو باقی سارا دستہ پھنس جائے گا یا رک جائے گا۔ اور یہ کہ گھڑسوار دستہ کا کوئی اور جواب لشکرِ اسلامی کے پاس نہیں ہے۔

۳۔ یہ بھی صحیح ہے کہ دورانِ جنگ خالد نے تین حملہ درّے پر کئے لیکن وہ ناکام رہے۔

۴۔ اور پھر یہ نظر آیا کہ قریشی لشکر بھاگ نکلا اور مسلمان مالِ غنیمت لُوٹ رہے ہیں۔ (کیا یہ شیطان کی چال تھی؟)

۵۔ اور پھر درّے کے محافظ غنیمت میں حصّہ لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے اور درّہ میں عبداللہ بن جبیر کے ساتھ صرف دس تیرانداز رہ گئے۔ جنرل خالد جنہیں بعد میں سیف اللہ بن کر کافروں سے لڑنا تھا، مستقل درّہ پر نظر گاڑے ہوئے تھے۔ جب وہاں دس یا اس سے کم پشتیان دیکھے تو ایک لمبا چکّر کاٹ کر اپنے رسالہ کو لے آئے اور جب ایک گھوڑا گزر گیا تو سارا رسالہ گزر گیا اور سواروں نے پیدل اسلامی فوج کو پشت سے روند ڈالا۔

۶۔ فتح اور مالِ غنیمت کی لوٹ افراتفری میں بدل گئی۔ حضور ﷺ کے گرداگرد صرف ۱۲ جاں نثار مستحکم چٹان بن کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہ بن زبیرؓ، ابوعبیدہ بن جراح۔

جن لوگوں نے حضور ﷺ کی جاں نثاری میں حضورؐ کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا انہوں نے شاید یہ نہ سوچا کہ اب حضور

ﷺ کا وجودِ اقدس عام فوج کی نظر سے اوجھل تھا اور یہ بات بڑی خطرناک ثابت ہوئی۔

۷۔ دشمنوں نے حضور ﷺ پر تیر بھی برسائے اور پتھر بھی پھینکے۔ طلحہؓ نے اپنے ہاتھوں سے سپر کا کام لیا۔ کوئی تیر حضور ﷺ تک نہ پہنچا سب طلحہؓ نے اپنے ہاتھ پر روکے۔ تلوار کا ایک وار روکا تو ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔

۸۔ اس افراتفری میں بعض مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ حضرت حذیفہؓ کے والد یمان اسی کشمکش میں آ گئے اور ان پر کئی تلواریں گریں۔ اگرچہ حضرت حذیفہؓ چلاّتے رہے کہ یہ میرے باپ ہیں۔

۹۔ اس افراتفری میں جاں نثار صحابہ اپنی ڈیوٹی نہ پہچان پائے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ جو صرف حضور ﷺ کا دفاع کر رہے تھے انہوں نے شاید یہ دیکھا کہ یہ دفاعی طریقہ جلدی ہی ناکامیاب ہو جائیگا۔ وہ تلواریں کھینچ کر لشکرِ کفار میں گھس گئے۔ انہوں نے شاید یہ سوچا کہ جارحیت دفاع سے بہتر ہے۔

ابو دجانہؓ جو اسوقت بیچ لشکر میں کفار سے بھڑے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ طلحہؓ نے حضور ﷺ کو بچانے کے لئے اپنا ہاتھ کٹوا لیا ہے اور (شاید زیادہ خون بہہ جانے سے) سست اور کمزور پڑ رہے ہیں اور وہ زیادہ دیر یہ فریضہ انجام نہ دے سکیں۔ انہوں نے فوراً سرعت کے ساتھ آ کر ڈیوٹی سنبھال لی اور ابو دجانہؓ کی پیٹھ حضور ﷺ کی سپر تھی۔ لوگوں نے بعد میں دیکھا کہ ابو دجانہؓ کی پیٹھ پر ساٹھ تیر کے زخم تھے اور ایک دو تلوار کے۔

پھر ابو دجانہؓ پلٹ کر کسی قاتل حملہ آور سے گتھ گئے تو ابن قیمہ کی تلوار سے حضور ﷺ کے مغفر کی چار کڑیاں ٹوٹ گئیں، پیشانی زخمی اور خون آلود تھی۔ اور پھر ابن ہشام کے پتھر سے حضور ﷺ کے چار دانت ٹوٹ گئے اور وہ ایک گڑھے میں گر گئے۔ اور حضور ﷺ کے ہم شکل مصعب بن عمیرؓ جنہوں نے مدینہ میں اسلام کی اشاعت کی تھی، شہید ہوئے اور دشمنوں نے (شیطان نے) آواز لگا دی کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ مختلف صحابہ پر مختلف اثر ہوا۔ ابھی کچھ دیر پہلے جو عمرؓ شیر کی طرح لڑ رہے تھے، ہتھیار پھینک کر بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کے بچہ خادم انس کے چچا ابن نضرؓ جو تن دہی سے لڑ رہے تھے عمر کے پاس پہنچے تو پوچھا، "یہ کیا؟" جواب ملا کہ "جب حضور ﷺ نہیں تو ہم لڑ کر کیا کریں گے"۔ ابن

نضرؓ نے پوچھا کہ "جب حضور ﷺ نہیں تو ہم جی کر کیا کریں گے"۔ عمرؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بعد میں لڑتے بھڑتے حضور ﷺ تک پہنچ گئے۔ مگر ابن نضرؓ نے اسی زخم کھا کر شہادت پائی۔ ان کی بہن نے ان کی انگوٹھی سے لاش کی شناخت کی۔

جان نثار لڑ بھی رہے تھے اور حضور ﷺ کو ڈھونڈ بھی رہے تھے۔ کعب بن مالکؓ کی نظر پڑی اور انہوں نے مغفر کے پیچھے آنکھوں سے حضور ﷺ کو پہچانا اور آواز دی "مسلمانو حضور ﷺ سلامت ہیں اور یہاں ہیں میرے پاس" یہ آواز مجاہدوں کو بھی بلا رہی تھی اور کفار کو بھی۔ اور دونوں گروہ ادھر ٹوٹ پڑے مگر اب افراتفری کی بجائے ایک تنظیم خود سے ہوگئی۔ سب مجاہدین کو معلوم ہوگیا کہ صرف اس "نقطہ وجود" کو بچانا ہے۔ اور دست بدست جنگ میں مسلمان کمزور نہ تھے۔ اب وہ جنگ جو پہلے فتح تھی اور پھر شکست کی طرف جارہی تھی اب اپنے قابو میں تھی۔ ابوسفیان کو معلوم ہوگیا کہ اب جب مسلمانوں کا اجتماع نقطہ وجود کے اردگرد ہوگیا ہے تو جتنی "فتح" ہوچکی ہے اسکو لیکر فوراً فرار ہوجانا چاہیئے۔ جی ہاں فاتح فرار ہوگئے تھے۔ سنئے قصہ جنگ۔

میدان جنگ مدینہ سے اندازاً چھ کلومیٹر تھا۔ مگر کافر فوج جس نے اپنی دانست میں اور چند دوسروں کی دانست میں فتح پائی تھی وہ مدینہ کا راستہ نہیں کاٹ سکی تھی۔ مدینہ کی خواتین پانی اور جو کچھ مرہم پٹی کا سامان میسّر ہوسکا وہ لیکر میدان جنگ تک پہونچیں۔

سیّدۃ النساء فاطمہ زہرہؓ، امّ المومنین عائشہؓ، بچے خادم انس کی والدہ امّ سلیم دوڑ دوڑ کر پانی لا رہی تھیں۔ فاتح فوج اگر وہ فاتح تھی بھی تو وہ انکا راستہ نہیں روک سکی۔ نہ مدینہ کی طرف پیش قدمی کرسکی۔ اب حضور ﷺ کے گرد انسانی جسموں کا جو گھیرا تھا اسمیں خاتون امّ عمارہؓ کا نام بھی آتا ہے اور اُن کے کندھے پر زخم بھی آیا۔ امّ سلیط جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی والدہ تھیں، وہ مرہم پٹی ڈپارٹمنٹ میں کام کررہی تھیں۔ مگر حضور ﷺ کے زخم سیّدۃ النساء فاطمہ زہرہؓ نے دھوئے۔ یہ پانی حضرت علیؓ اپنی سپر میں ڈال کر لائے۔

صفیہ بنتِ مطلب بھی پہنچ گئیں۔ حضور ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو اشارہ کیا کہ یہ اپنے بھائی کی مسخ شدہ لاش نہ دیکھنے پائیں مگر اُنہوں نے اقرار کیا کہ وہ صرف دعا کر کے چلی جائیں گی۔ سلام کرلیں گی کوئی نوحہ فریاد نہیں ہوگی۔ انہوں نے سکون سے اسدرسول حمزہؓ کی لاش دیکھی۔

مدینہ سے بیبیاں بے تابانہ میدان کی طرف دوڑیں۔ ایک مجاہد نے ایک خاتون سے کہا افسوس اے خاتون آپ کے بھائی شہید ہوئے۔ خاتون نے کہا انا للہِ حضور ﷺ کیسے ہیں۔ کوئی یقینی جواب نہیں ملا مگر دوسرے نے کہا کہ آپ کا بیٹا شہید ہوگیا۔ انا للہِ مگر حضور ﷺ کیسے ہیں۔ تیسرے نے کہا کہ آپ کے شوہر شہید ہوئے۔ انّ للہِ وانا الیہِ راجعون۔ اللہ اُس شیر کی قربانی قبول فرمائے مگر حضور ﷺ کیسے ہیں۔ وہ بخیریت ہیں۔ جواب ملا۔ وہ مشہور فقرہ آیا۔ کُل مصیبۃ بعدک جلل (اسکے بعد ہر مصیبت آسان ہے)۔

عاشقوں کی باتیں

اس جنگ میں سعد بن ربیعؓ شہید ہوئے تھے۔ جنگ فتح ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے اُن کی تلاش میں آدمی بھیجے (اُن کی تلاش کیوں ضروری تھی؟)۔ ایک نے دیکھا کہ زخموں سے چُور ہیں۔ شاید صرف چند سانسیں باقی ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے۔ جواب ملا مجھے مردہ سمجھو مگر رسول اللہؐ کو میرا اسلام عرض کر دینا اور قوم سے کہہ دینا کہ جب تک ایک آنکھ بھی جھپکنے والی باقی ہے، اگر دُشمن حضور ﷺ تک پہنچ گیا تو اللہ کے حضور جواب دینے کی تیاری کرلو۔ شاید یہ مطلب تھا کہ جب تک آخری آدمی کی آنکھوں سے بھی دم نکل جائے، حضور ﷺ کی حفاظت فرض ہے۔ نازک ترین لمحہ میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر کون جان دیتا ہے۔ زیاد بن سکن انصاریؓ پانچ اور انصاریوں کے ساتھ اس خدمت کے لئے بڑھے اور ہر ایک نے جانبازی سے لڑ کر اپنی جان قربان کردی۔ زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اُن کا لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ قریب لائے، کچھ کچھ جان باقی تھی۔ قدموں پر منہ رکھ دیا اور اس طرح جان دے دی۔ یہ نصیب اللہ اکبر اللہ اکبر۔

میدان پہلے چھوڑا اور گھر بھاگی۔ اور دوسری میدان میں ڈٹی رہی۔ فتح یاب کون تھا؟

جب فوج کفار اُحد سے رخصت ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ انکے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کدھر جاتے ہیں۔ اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹ ہانک کر لے جا رہے ہوں تو انکا مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ ہے اور اگر وہ اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑے ساتھ لے جا رہے ہیں تو وہ واپس جا رہے ہیں۔ علیؓ بلا خوف روانہ ہوئے اور بعد میں خبر لائے کہ وہ اونٹوں پر بھاگے جا رہے ہیں۔

غور فرمایئے یہ ہاری ہوئی فوج تعاقب کر رہی ہے جیتی ہوئی فوج کا۔ اسی روز یعنی شنبہ سات شوال کو حضور ﷺ مدینہ میں پہنچ گئے اور یہ ہاری ہوئی فوج بھاگ کر گھر نہیں آئی تھی۔

اگرچہ مسلمان جنگ سے چُور چُور تھے بلکہ زخمی تھے اور خود حضور ﷺ بھی زخمی تھے مگر اب بھی قلعہ بندی اور تلاش عافیت نہیں تھی بلکہ تاریخ کی ایک غلط فہمی دور کرنی تھی۔

حکم ہوا کہ کل ہم پھر جنگ پر جا رہے ہیں۔ صرف وہی آدمی ہمارے ساتھ چل سکتا ہے جو آج ہمارے ساتھ تھا یعنی ہم کوئی کمک لینے نہیں آئے۔ عبداللہ بن ابی کو کچھ اندازے ہو رہے تھے کہ اُحد کا میدان ایک نقطۂ تقلیب تھا۔ اب یہاں سے تاریخ بدل رہی ہے۔ مگر عبداللہ بن ابی (بے غیرت) کو اجازت نہیں ملی۔ مسلمان تھکے ہوئے تھے، زخمی بھی تھے، دن بھر کے بھوکے پیاسے بھی تھے۔ مگر ہر ایک بغیر کسی استثناء کے دوسرے دن صف میں موجود تھا۔

حضور ﷺ کا یہ لشکر روانہ ہوا۔ آٹھ میل دور تک حمراء الاسد تک جا کے خیمہ زن ہوئے۔ اس دن ایک شخص معبد بن ابی معبد خزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اسلام قبول کیا۔ اس نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے اسلام کی کسی کو خبر نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں آگے جا کے ابوسفیان کو دھمکا دوں۔ وہ صاحب آگے چلے گئے اور جا کے ابوسفیان سے ملے اور کہا کہ وقت ہے جلدی بھاگو محمد حمر الاسد تک آ گئے ہیں۔ مدینہ سے آ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ بڑی کمک بڑی تعداد ہو گی۔ اور جوش اور جذبہ تو تم جانتے ہی ہو۔ اب تو وہ غصّہ میں جل کر کباب ہو رہے ہیں۔ اگر تم

ہاتھ لگ گئے تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہارا ابھی کباب بنا کر کھا جائیں گے۔ اپنی فتح کا سہرا سجا کر جلدی روانہ ہو جاؤ۔ ابوسفیان بھاگ تو رہا ہی تھا، معبد بن ابی معبد نے اسکو اور تیز بھگا دیا۔ حضور ﷺ کا یہ غزوہ حمراۃ الاسد کہلاتا ہے جو غزوہ اُحد دوسرے دن ہوا۔ اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر یہ فہرستِ غزوات میں شامل ہے۔ عجیب غزوہ ہے کہ جس میں ایک شکست خوردہ فوج نے فاتح فوج کو بھگا دیا۔

غزوہ احد میں ۷۵ مسلمان شہید ہوئے اور ۳۷ کفار۔ مسلمان افراتفری، گھڑسوار دستے کے پشت سے حملہ کی وجہ سے زیادہ مارے گئے۔ اصل بات یہ تھی کہ درّے کے پشتی بان دستے کے زیادہ تر افراد نے حضور ﷺ کے حکم میں تاویل ڈھونڈی کہ جب فتح ہو چکی ہے تو ہمارا یہاں قائم رہنا ضروری نہیں۔ اور پھر لُوٹ کا مال کئی موقعوں پر مسلمانوں کی کمزوری بنا ہے۔ اسکے باوجود میں دوبارہ کہتا ہوں کہ احد میں اسلامی فوج کو شکست نہیں ہوئی۔ حضور ﷺ کی سپہ سالاری میں اسلامی فوج کو کبھی شکست نہیں ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆

معجزے میرے آقا کے

ایک شخص کے پاس امید کا سرمایہ تھا اور ہے۔

فخر کا خزانہ تھا اور وہ موجود ہے۔۔۔۔۔۔ یہ سرمایہ اور یہ خزانہ غلامی رسول کا ہے۔ اگر اُدھر سے قبولیت کا اشارہ ہو جائے تو۔۔۔۔۔ تو پھر اور کیا چاہیے۔ اسے شوق تھا اور ہے حضور کے ذکر کو لکھنے کا۔ اس نے کئی سو صفحے بلکہ ہزار سے زیادہ صفحے اردو انگریزی میں لکھ ڈالے۔ یہ تو اسے معلوم تھا۔۔۔۔۔ یقین کی حد تک معلوم تھا کہ جب تک حضور کے دربار عالیہ سے اجازت نہ ملے نہ وہ کوئی نعت لکھ سکتا ہے نہ بیان نہ کتاب۔ اس میں تو اسے کوئی شبہ نہیں تھا کہ اجازت ملی ہوئی ہے۔ اور یہ موضوع جتنی احتیاط کا تقاضہ کرتا ہے وہ بڑی سخت ہے۔

اس گناہ گار مولف کے دل میں ایک سچا خیال تھا اور ایک وسوسہ جو شاید اتنا سچا نہ ہو۔ سچا خیال یہ کہ حضور کی سیرت لکھنے والے کتنے عظیم نام ہیں۔ عقل۔ علم۔ دِل اور جذبات ہر میدان میں اس ناچیز مولف سے سیکڑوں منزل آگے۔ علامہ شبلی نعمانی۔ سیّد سلیمان ندوی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پور۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ محقق ڈاکٹر حمید اللہ۔ یہ خیال سچا تھا کہ یہ لوگ علم عقل۔ دل جذبات بیان میں اتنے آگے کہ انکو اور انکا کام دیکھ کر نو آموز کی ہمت ٹوٹ جائے۔

وسوسہ یہ تھا کہ زیادہ تر ان عظیم ہستیوں نے حضور ﷺ کے معجزوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ جو کافر دل منکرین کی ایک استہزایہ مسکراہٹ کے سامنے پگھل جاتا ہے۔ وسوسہ یہ بھی تھا کہ سیرت کو داستان مغازی بنانے سے کیا فائدہ۔ جنگ میں حضور کی فتوحات برحق۔ اور سارے معجزات کا بیان بھی برحق مگر اس مولف کا خیال تھا اور ہے کہ حضور کی حیثیت ایک عظیم سپہ سالار اور ایک برگزیدہ شخصیت جو قدم قدم پر معجزہ دکھائے اس سے کہیں برتر تھی۔

وسوسہ قائم تھا۔ قلم اٹھ نہیں رہا تھا۔ دل ڈوب رہا تھا۔ جمعرات 17 مارچ کو صبح صبح اس مولف کو جب وہ اونگھ رہا

تھا ایک ڈانٹ اور کرخت آواز نے چونکا دیا "بے وقوف !! قلم چلانا سیکھ گیا ہے عقل استعمال نہیں کر سکتا۔ اے بے وقوف حضور کا اصل معجزہ انسان ہیں"۔

آنکھ کھلی تو فجر کا منادآ واز دے رہا تھا۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ پیغام تھا کہ الفاظ کو فوری کاغذ پر لاؤ ورنہ شیطان یادداشت پر حملہ کر دے گا۔

روایت کرتے ہیں کہ ایک روح اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہوئی۔ اعمال میں کوئی ایسا عمل بھی تھا کہ فوری بخشش ضروری خیال کی گئی۔ مگر وہ روح وہیں کھڑی رہی۔ کچھ فرشتے حیران تھے۔ ایک فرشتہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ یہ بندہ تو شفاعت کا طلب گار ہے۔ بغیر شفاعت کے تو یہ مغفرت قبول کرنے میں تکلّف کر رہا ہے۔

ایک اور عاشق کو اپنے اعمال پر شرمندگی اللہ سے نہیں حضور سے تھی

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

ور حسابم راچو بینی ناگزیر

از نگاہِ مصطفٰے اپنہاں بگیر

علامہ اقبال

مکن رسوا حضور خواجہ مارا

یا اللہ! آپ غنی ہیں اور میں فقیر ہوں۔ حشر کے دن میرے عذر قبول فرمایئے اگر میرا حساب لینا ایسا ہی ضروری ہے تو حضور ﷺ کی نگاہوں سے پوشیدہ لیجئے۔

ایک خاتون کا نام تھا عفرا۔ شوہر کا نام تھا عمرو بن جموح۔ ان کے پانچ بیٹے بھی احد کی جنگ کے لیئے ہتھیار لگا رہے تھے۔ (طبری) (ہشام نے صرف تین بیٹوں کے نام دیئے باقی دو کے نام معلوم نہیں)

عمرو بوڑھے تھے۔ لنگڑے تھے۔ ایک ٹانگ پر اچھل اچھل کر چلتے تھے۔ بیٹوں نے ان کو بتایا کہ ہم پانچ جہاد پر جا رہے ہیں۔ آپ کا جانا ضروری نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بھی کہلوا دیا گیا کہ ان پر جہاد فرض نہیں ہے۔ مگر عمرو نہیں مانے۔ ''جب میں جنّت میں اپنی لنگڑی ٹانگ پر رقص کروں گا تو حضور مسکرا دیں گے۔

یہ ایک مسکراہٹ تھی عمرو کی زندگی کی قیمت۔

بیویاں شاید ہمیشہ طنز بولتی ہیں۔ کہا کہ ''میاں لنگڑے گھر بیٹھو تم تو جنگ سے بھاگ کر گھر بھی نہیں آ سکو گے''۔ عمرو بولے۔ ''تو چپ رہ میں لوٹ کر تیرے گھر نہیں آ ؤنگا'' ۔۔۔۔۔اور وہ نہیں آئے عفرا نے اپنے مجاہدین کو تو فخر اور دعا کے ساتھ روانہ کیا مگر دو چھوٹے بیٹوں معاذ اور معوّذ کو ایک طرف لیجا کر کہا۔ وہ بد بخت حضور کو میرے آقا کو گالیاں دیتا ہے۔ مجھے ابو جہل کا سر چاہیئے۔ ہر قیمت پر تمھارے سر کی قیمت پر بھی۔ آگے آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہوا۔ معوّذ نے ابو جہل کا سر عبداللہ بن مسعود کے ذریعہ حضور کے پاس روانہ کیا کہ قدموں میں لڑھکا دیا جائے اور خود جلدی میں تھے۔ جنت سے طلبی ہو چکی تھی کہ تمھارا انعام تیار ہے جلدی آ ؤ۔ معاذ اپنا ایک بازو ابو جہل کے سر کی قیمت کی مد میں دے آئے۔

ایک صاحب ویرانوں میں رہتے تھے۔ دیوانہ مشہور تھے۔ قرن کے رہنے والے تھے۔ حضور ﷺ سے کبھی زمین کی سطح پر ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ احد میں حضور کے دندان مبارک شہید ہوئے تو آپ نے اپنے سارے دانت توڑ لیئے کیونکہ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ حضور کے کون سے دانت شہید ہوئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر اور حضرت علی کے ذریعہ آپ کو اپنی عبا بھجوائی تھی اور پیغام کہ **"میری امّت کے لیئے دعا فرمائیں"**۔ ان کی پہچان تو شاید ہی کسی عاشق کو ہو مگر نام تو سب جانتے ہیں

"او جامہ رسانید اُویسِ قرنی را"

ایک بڑا ہجوم مکّہ کے کافروں کا اپنے قیدی کو لیئے ہوئے اس جگہ پہنچا جو اس کے قتل کے لیئے بنائی گئی تھی۔ مسلمان نبوی جنگوں میں قید نہیں ہوئے غازی ہوئے یا شہید ہوئے۔ چند لٹیروں نے مدینہ کے نواح میں سے خبیب کو گرفتار کرلیا بڑا کام کیا تھا انھوں نے اپنی دانست میں۔ ایک نوجوان سعید بن عامر جمجی ان ہزاروں انسانوں میں سے ایک تھا جسے سرداران مکّہ نے اس "تماشے" کو دیکھنے کی دعوت دی تھی۔ اپنی تنومند جوانی اور پر جوش شباب کے بل پر وہ مجمع کو چیرتا ہوا وہ سولی کے مقابل پہنچ گیا۔ قیدی کو پابہ زنجیر لایا گیا۔ تاکہ اس سے بدر میں مارے جانے والے اعزّا کا بدلہ لیا جاسکے۔ خبیب کو گالیاں دیتے ہوئے کھینچتے ہوئے سولی کے سامنے لایا گیا۔ خبیب کی پر وقار مستحکم آواز گونجی۔

"اگر تم لوگ چاہو تو مجھے قتل سے پہلے دو رکعت نماز کا موقعہ دے دو" خبیب نماز پڑھتے رہے مجمع چیختا رہا۔ خبیب نے کہا کہ واللہ اگر مجھے یہ شبہ نہ ہوتا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو نماز کو لمبی کر دیتا۔

پھر سعید نے دیکھا کہ وہ لوگ زندہ ہی خبیب کا مثلہ کر رہے ہیں۔ ایک ایک عضو کاٹ رہے ہیں۔ ہاتھ کاٹ رہے ہیں۔ ایک ہاتھ کاٹا تو "لاالہٰ الااللہ" دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے تو "محمد رسول اللہ"۔

کسی نے خبیب سے پوچھا کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمھارے رسول اسوقت تمھاری جگہ پر ہوتے اور تم اپنے گھر میں آرام سے ہوتے خبیب بہت کم زور ہو گئے تھے کیونکہ جسم سے بہت سا خون نکل گیا تھا۔ مگر آواز مستحکم تھی۔ نہ کوئی لجاجت نہ زاری۔

خبیب اپنے عشق میں مستحکم تھے۔ جواب دیا جو تاریخ میں سند بن گیا۔ ''واللہ میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ میرے آقا کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے اور میں آرام سے گھر بیٹھا رہوں''۔ پھر سعید نے یہ منظر دیکھا کہ خبیب نے تختۂ دار ہی سے آنکھ آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا۔

''خدایا انھیں ایک ایک کر کے گن لے۔ انھیں منتشر کر کے ہلاک کر ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔

سعید نے وہیں اعلان کر دیا کہ ''قریش سن لو میں مسلمان ہوتا ہوں مدینہ جا رہا ہوں۔ روک سکتے ہو تو روک لو''۔

عشق کے بندوں کا مسلک پوچھنا بے سود ہے
اُن کا در ہر قافلے کی منزل مقصود ہے

احد کے میدان میں درّے کے نگہہ بان دستے کی ذراسی غلطی کی وجہ سے بہت سے مومنین پر ضرب لگی۔ عبداللہ بن جبیر اس دستے کے سردار تھے۔ انھوں نے ساتھیوں کو روکا مگر مال غنیمت کی لالچ میں یا فتح کی سرخوشی میں سب میدان کی طرف دوڑ پڑے مگر عبداللہ ابن جبیر اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ درّے پر ڈٹے رہے۔ گھڑ سوار دستے کے سامنے دس تیر انداز یقینی شہادت کے لیئے کھڑے رہے کیونکہ حضور نے حکم دیا تھا کہ ''اپنی جگہ نہ چھوڑنا'' اسلیئے انھوں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی اور سارے کے سارے اس جگہ شہید ہوئے۔ (طبری) اور پھر جنگ کا پانسہ پلٹا تو کفار میدان

میں پلٹ پڑے۔ میدان میں (شیطان نے) افواہ پھیلادی کہ حضور ﷺ شہید ہوئے۔ اسکے بعد مسلمان مجاہدین کے ہاتھ بھی شل تھے۔ کفار کے علم بردار عبداللہ بن قمیہ نے اس زور کا حملہ کیا کہ رخسار مبارک زخمی ہوگیا۔ خود کے دو حلقے اس میں دھنس گئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے پتّھر پھینکا تو نیچے کے دو دندان مبارک شہید ہوئے۔ عبداللہ بن شہاب زہری نے پتھر مار کر پیشانی لہولہان کردی۔ چہرہ اقدس پر خون بہنے لگا۔ خون دیکھ کر حضرت ابوبکر دوڑے ہوئے آئے ان کے ساتھ ابوعبید بن الجرّاح بھی تھے۔

انھوں نے مغفر کے حلقہ کو دانت میں لیکر زور سے کھینچا۔ اس قدر طاقت لگائی کہ پیٹھ کے بل گرے۔ مغفر کا حلقہ ہونٹوں سے نکل کر گرا اور ساتھ ہی ابوعبیدہ کا ایک دانت بھی۔ دوسری کڑی بھی اسی طرح نکالی اور ایک اور دانت کا نذرانہ۔ مالک بن سنان (ابوسعید خدری کے والد) نے اپنے ہونٹوں کی نرمی سے زخم کو دبایا کہ خون بند ہو۔ جو کچھ خون منہ میں آگیا اسکو احتراماً پی لیا زمین پر کلّی نہیں کی۔ حضور نے فرمایا کہ ''جس کسی کو پسند ہو کہ وہ اس شخص کو دیکھے جسکا خون میرے خون سے مل گیا ہے وہ مالک بن سنان کو دیکھے'' ''اس کو دوزخ کی آگ چھو نہیں سکتی''۔

حضور پر احد کے دن حملہ سخت تھا۔ حضور نے آواز دی کہ کون ہے جو مجھ پر جان دیتا ہے۔ چھ آوازیں لبیک کی آئیں۔ یہ چھ انصار تھے۔ ہر ایک نے جاں بازی سے لڑ کر حضور کے سامنے جان دی۔ آخری گرنے والے زیاد بن سکن تھے۔ ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور نے کہا کہ ان کا لاشہ قریب لایا جائے۔ لوگ قریب لائے تو دیکھا کہ کچھ کچھ جان باقی ہے۔ حضور کے قدموں پر منہ رکھ دیا اور اسطرح جان دی۔ یہ نصیب! اللہ اکبر! اللہ اکبر۔ ایک صحابی عمارہ بن زیاد کو معلوم ہوگیا تھا کہ اب لمحۂ شہادت میں چند سانسوں کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ کسی طرح گھسٹ کر لڑھک کر حضور کے قدموں تک پہنچ گئے۔ اپنے رخسار نبی کے تلووں سے لگادیئے یہی شہید کی معراج تھی۔ عاشق کی آخری منزل حضور کے قدم ہی تو ہیں۔ مجھے تو ایسے عاشق تاریخ میں کہیں اور نہیں دکھائی دیتے

ابوجہل گراں ڈیل ہاتھ میں برچھی لیئے ہوئے سور ما بنا کھڑا ہے۔ سامنے ایک کم زور بوڑھی عورت سمیّہ ہے۔

ابوجہل چیختا ہے۔ ''محمد کا انکار کرو''

سمیّہ کی کم زور آواز۔ ''نہیں''

ابوجہل گرجتا ہے۔ ''محمد کا انکار کرو۔۔۔۔۔ ورنہ''

سمیّہ کہتی ہے ورنہ تو پھر ورنہ ہی سہی۔

ابوجہل برچھی کھینچ کر مارتا ہے سمیّہ گر جاتی ہے۔ غلط۔ غلط۔ غلط سمیّہ کا خاکی جسم گر جاتا ہے مگر وہ تاریخ میں اور اپنے رب کے سامنے ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں صرف نگاہیں ہی پہنچ سکتی ہیں اور ابوجہل گر جاتا ہے۔ برچھی کے سہارے کے باوجود اسفل سافلین میں۔

کتنی مثالیں لاؤں۔ کتنے نام گناؤں۔ بنو دینار کی وہ خاتون بھی تاریخ میں زندہ ہوگئی۔ ان کے باپ بھائی اور شوہر۔ تینوں جنگ احد میں شریک تھے۔ لوٹنے والے غازیوں کے چہرے تک رہی تھیں۔

ایک نے کہا کہ افسوس ہے تمہارے والد شہید ہوئے۔ بولیں انا للہ وانا الیہ راجعون مگر یہ بتاؤ حضور کیسے ہیں۔ وہ مجاہد بھی حضور کے زخمی ہونے کی ہی خبر دے سکا۔ دوسرا ملا تو اسنے کہا کہ تمھارا بھائی شہید ہوگیا۔ خاتون بولیں دلیر تھا میرا بھائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مگر یہ بتاؤ حضور کیسے ہیں؟۔ وہ مجاہد بھی حضور کے زخمی ہونے کی ہی خبر دے سکا۔ پھر ایک تیسرا مجاہد آیا۔ اس نے کہا کہ افسوس ہے تمھارا شوہر شہید ہوا۔ بولیں وہ دلیر انسان تو شہادت کی تلاش میں ہی گیا تھا۔ مگر یہ بتاؤ حضور کیسے ہیں۔

''حضور بخیریت ہیں۔ اپنے پیروں پر چل کر واپس آرہے ہیں۔ چند لمحوں میں آجائینگے''۔ اس عورت نے حضور

کا چہرہ دیکھا تو بولی۔کل مصیبۃ بعدک جلل ۔اس کے بعد ہر غم آسان ہے۔

یہ ہے ایک گھریلو خاتون کا عشق رسول۔

سمیہ۔یاسر۔بلال۔دیناری خاتون۔زیاد بن سکن۔عبداللہ جبیر۔طلحہ۔ابوعبیدہ بن الجرّاح۔مالک بن سنان۔ ترکھان غازی علم الدّین شہید گھوڑا گاڑی والے عبدالقیوم۔ساری دنیا میں پھیلے ہوئے انسانی گواہ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم غلامان محمد معجزۂ محمد ہیں۔

ہمارے آقا تک تو کوئی کیا پہنچے گا۔ہمارے جیسے عاشق غلام لا کر دکھادو۔محمّد کے معجزے جیسا دوسرا معجزہ نہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔

صل اللہ علیک یارسول۔صل اللہ علیک یا حبیب اللہ

بچھو کی فطرت بدل نہیں سکتی

احد کی فتح نما شکست یا شکست نما فتح سے مسلمانوں کی ساکھ کو جو دھکا پہنچا تھا وہ شدید تھا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیاں پانچ سوکلومیٹر اور اطراف کے مزید رقبہ میں جو بدّ وقبایل آباد تھے ان کی ہم دردی وفاداری سب فروخت کے لیئے حاضر تھیں۔ دولت کے ساتھ وفاداری جاتی تھی۔ جو پیسہ دے وہ اسکے وفادار تھے۔ پھر طاقت کے ساتھ وفاداری بدلتی تھی۔ لڑائی میں جیتنے والی فوج کے ساتھ لوٹ مار اور غنیمت کا لالچ تھا۔ پھر کم عقل لوگ پروپاگنڈے سے وفاداری بدل سکتے تھے۔ اس فن کے ماہر یہود اسوقت مدینہ میں بستے تھے (اب بھی جھوٹے پروپاگنڈے کے ماہر وہ واشنگٹن میں ہوں یا تل ابیب میں وہ یہودی ہوتے ہیں) سیاسی جوڑ توڑ کے ماہرین بھی مدینہ کے یہود تھے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ مسلمان فوج میں بیرونی عنصر کی گنجائش نہیں تھی۔ مسلمان فوج میں ہر قبیلہ اور علاقہ کے آدمی کی آو بھگت تھی اگر وہ مومن ہے اور اگر وہ کافر ہے تو چاہے وہ قریش کا یا نبی کریم کا قریبی رشتہ دار ہونا قابل قبول ہے۔ ایک دو واقعات جملہ معترضہ کے طور پر۔ حضرت ابوبکر کا سارا خاندان مسلمان ہوا تھا۔ مگر ان کے بیٹے عبدالرحمٰن تقریباً سب سے بعد ایمان لائے (حضرت ابوبکر کے بوڑھے والد ابوقافہ وہ بھی اتنے بوڑھے تھے کہ وہ مکی زندگی یا ہجرت برداشت نہیں کرسکتے تھے)۔ ایک محفل میں حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے والد ابوبکر سے کہا کہ ”حضرت جنگ بدر میں آپ تین دفعہ میری زد پر آئے مگر میں نے آپ پر وار نہیں کیا“۔ حضرت ابوبکر نے فوراً کہا کہ شکر کر کہ تو میری زد پر نہیں آیا ورنہ میں تجھ کو مارے بغیر نہ چھوڑتا۔ عبداللہ بن ابی مشہور منافق کے بیٹے نے حضور سے بار بار اجازت چاہی کہ حضور اجازت دیں تو وہ اپنے باپ کو قتل کر دیں مگر حضور نے اجازت نہیں دی۔ بدر کے میدان میں پہلا قریش کا فر جو جنگ کے لیئے نکلا عتبہ تھا۔ حضور نے اسکے بیٹے حضرت حذیفہ کو اجازت نہیں دی کہ وہ باپ کے مقابلے پر جائیں جبکہ حذیفہ نے درخواست کی تھی۔ حضور ﷺ نے حضرت حمزہ کو روانہ کیا۔ کئی واقعات ایسے ہیں کہنا صرف یہ ہے کہ مسلمان فوج کو پاکیزہ اور منزّہ رکھا جاتا تھا۔ اسلیئے اعراب بدّ وقبایلی لوگوں کا ٹھکانا مخالف فوج تھی جہاں دام درہم۔ لوٹ مار اور کھانا اور پینا (زور پینے پر ہے) وافر تھا۔ لوٹ مار کے دستے جو مکّہ سے چل کر آتے

تھے اور بعض اوقات تو ان کی تسکین کھیتی کو جلا دینے اور مویشی بھگا لے جانے اور اکا دُکا انصار کاشت کاروں کو رات کو قتل کرنے سے ہو جاتی تھی۔ اس مولّف کے خیال میں اس قسم کے حملہ معاشی اعتبار سے خسارہ تھے۔ پانچ سو کلومیٹر آ کے کچھ مویش بھگا لے جانا کوئی کار آمد سوداگری نہیں تھی۔ اسکی FINANCING وہی یَھُو قوم کر رہی تھی جو اس دن سے آج تک ہر جنگ کی معاشی پشت پناہی کرتی ہے۔ (اگر اس مولّف کو زندگی نے مہلت دی تو اندلس کے زوال میں یہودی سرمایہ کا جو ہاتھ تھا اسپر کتاب لکھے گا۔ آج کل جو یہودی سرمایہ عراق کے تیل کے لیئے انسانی جان کو ارزاں بنا چکا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ (''ختم ہو جائیگا لیکن امتحاں کا دور بھی۔ ہیں پس نہ پردہ گردوں ابھی دور اور بھی'') یہ دور بھی ختم ہو جائیگا اور آسمان کے نو پردوں کے پیچھے بھی ابھی کچھ دور اور ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ کے بسنے والی یہود بستی نے باہر کی دنیا سے ایسے رابطے کر رکھے تھے کہ ان کا پتہ کسی کو نہیں تھا۔ بخاری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سات یا دس صحابہ کو جاسوس بنا کر ایک خاص مہم پر روانہ فرمایا۔ ان میں عاصم بن ثابت۔ مرثد بن ابی مرثد۔ خالد بن ابی بکر۔ خبیب بن عدی۔ زید بن ارشنہ۔ عبداللہ بن طارق اور معتب بن عبید رضوان اللہ علیھم اجمعین کے نام ملتے ہیں۔ یہ لوگ جب مقام ہدہ جو ربیع کے چشموں میں سے ایک ہے پہنچے تو اسوقت قبیلہ ہذلی کی شاخ بنولیحان موجود تھے۔ عاصم اپنے لوگوں کو لیکر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ کچھ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ دو حضرات خبیب اور زید گرفتار ہو گئے۔ خبیب کو حارث بن عامر کی بیٹی نے سو اونٹوں کے بدلے خرید لیا۔ اور دعوت دی کہ جن کے اعزّ ابدر میں مارے گئے تھے وہ عامر کو ایذا دے کر اپنے ارمان پورے کر لیں۔ یہ لوگ ذی قعدہ میں بکے تھے۔ ماہِ حرام میں انھیں قید رکھا گیا۔ صفر کا مہینہ آیا تو اعلان ہوا کہ تنعیم کے مقام پر انھیں قتل کیا جائیگا۔

خبیب پر مقتل میں کیا بیتی یہ انھی صفحوں میں ''معجزات رسول'' میں ملے گا۔ جس وقت خبیب کو قتل کیا گیا اسوقت حضور نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں مقیم تھے۔ دفعتاً چہرہ مبارک پر وحی کے آثار ہوئے اور حضور نے فرمایا۔ علیک السّلام ورحمۃ اللہ یا خبیب۔ جبرئیل نے خبیب کا سلام پہنچایا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ خبیب کو دشمنوں نے شہید کر دیا۔

حضرت زید بن ارشنہ کو سولی پر لایا گیا۔ ان سے بھی وہی سوال کیئے گئے اور انھوں نے بھی وہی جواب دیئے۔

ابوسفیان بولا کہ واللہ ہم نے محمد کے جاں نثاروں جیسا وفادار اور کوئی نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری)

سلاقہ نے عاصم بن ثابت کے جسم کی قیمت سو اونٹ لگائی تھی کہ اسکو اپنے کسی انتقام کے سلسلہ میں منت تھی کہ وہ عاصم کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی۔ جسموں کی خرید و فروخت کی یہ سازش رات کی تاریکی میں ہوئی تھی۔ اور جہاں خرید فروخت خصوصاً لاشوں کی وہاں بچھو قوم یہود کا سراغ ضرور ملے گا۔ حضرت عاصم نے شہادت سے پہلے دعا کی اے اللہ میرے جسم کو ان کے حوالے نہ کر۔ شہادت کے بعد شہد کی مکھیوں نے جسم کو گھیر لیا۔ قاتلوں نے سوچا کہ رات کو جسم اٹھائیں گے اسوقت شہد کی مکھیوں کا پہرہ ختم ہو جائیگا۔ مگر رات کو ایسی بارش اور سیلاب آیا کہ کسی کو پتہ نہ چلا کہ عاصم کا جسم بہہ کر کدھر چلا گیا۔ قاتل سلاقہ کے پاس انعام کے لیئے پہنچے کہ انعام لاؤ تو جواب ملا۔ جسم لاؤ تو انعام ملے گا۔

سریہ عبداللہ بن اُنیس۔ مخبروں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ لیحان کا سردار سفیان بن خالد ہذلی مسلمانوں سے لڑنے کے لیئے ایک بڑا لشکر جمع کر رہا ہے۔ (شیخ عبدالحق مدارج النبوّت)۔ (ایک بدو کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی کہ وہ ایک لشکر ایک ریاست ریاست مدینہ۔ کے خلاف جمع کرنے لگا۔ اسکا جواب صاف ہے۔ یہود خود نہیں انکا روپیہ لڑتا ہے) یہ شخص گستاخ تھا دریدہ دہن تھا اور واقعہ رجیع کا ذمہ دار تھا۔ خبیب اور زید اسکے علاقہ میں سولی چڑھائے گئے اور گمانِ غالب ہے کہ اس نے انعام کی لالچ میں ان کو گرفتار اور قتل کیا تھا۔ حضور نے عبداللہ بن اُنیس انصاری کو طلب فرمایا اور انکو حکم دیا کہ سفیان بن خالد ہذلی سرادر لیحان کو قتل کردو۔ عبداللہ نے عرض کیا کہ میں اسے پہچانوں گا کیسے تو حضور نے فرمایا کہ تم اسکو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گے اور دل میں شیطانی وسوسے آئینگے۔ عبداللہ بن انیس اکیلے نکلے۔ ایک خزاعی نصاری بن کر چلے۔ بطن عرنہ میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی ایک جماعت کے ساتھ ہے۔ اسے دیکھ کر دل میں ہیبت بیٹھ گئی اور یقین ہو گیا کہ یہ ہی وہ آدمی ہے۔ اس سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ابن عبداللہ ﷺ سے لڑنے کے لیئے لشکر جمع کر رہے ہو۔ اسنے کہا ہاں تو انھوں نے کہا کہ میں خزاعی ہوں اور اس لشکر میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ چند دن اسکے ساتھ رہے اور اسکے دل میں جگہ بنائی اور پھر ایک دن اسکو قتل کر کے سر کو کپڑے میں لپیٹ کر چھپتے چھپاتے بھاگ نکلے اٹھارہ دن لگ گئے دن کو چھپ کر رات کو سفر کرتے کرتے۔ 23 محرّم کو مدینہ پہنچے۔ حضور ﷺ اسوقت مسجد میں تھے ان پر نظر پڑی تو فرمایا

یہ چہرہ کامیاب ہوا۔ انھوں نے سفیان کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک کا عصا دیتے ہوئے کہا

اس کو پکڑ کر جنّت میں چلنا وہاں

عصا پکڑ کر چلنے والا شاید ہی کوئی ہو

(محمد ادریس کاندھلوی سید جمال حسنیجد فضۃ الاحباب)

اب بچھو قوم کے قدم مدینہ سے اکھڑتے نظر آرہے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی پہلے سال ہجری میں دو دستاویزیں لکھوائی اور منوائی تھیں۔ ایک دستاویز مواخات بھائی چارہ کی ایک مہاجر اور ایک انصار۔ یہ دستاویز اپنا کام تقریباً کر چکی تھی۔ مہاجرین کی بحالی ہوگئی اور اب مواخات ایک ایک جوڑے کی نہیں تھی بلکہ سارے مہاجرین سارے انصار کے بھائی تھے۔ دوسری دستاویز جسکو میثاق مدینہ کہتے ہیں باہمی اشتراک کے ساتھ مدنی زندگی گذارنے کی وہ ٹوٹتی نظر آرہی تھی۔ ''بچھو'' قوم سے کوئی بھلائی کی امید رکھی نہ جاسکتی تھی اور سب کو یقین ہے کہ فراست نبوی کو سب علم تھا۔ یہ کوئی علم غیب جاننے والی بات نہیں تھی عام فہم کی بات تھی۔ دو ڈھائی سال تھوڑا بہت اس معاہدہ امداد باہمی کا بھرم رہا تو اس دستاویز نے بھی جتنی توقع اس سے تھی پوری کردی۔ ادھر منافقین کا رویہ احد میں ظاہر ہوگیا۔ اگر وہ مدینہ سے نہ نکلتے تو بھی کچھ بہتر تھا۔ میدان میں پہنچ کر دشمن کی نظروں کے سامنے منافقین کا منہ موڑ لینا سخت خطرناک عمل تھا۔ دشمن کی ہمتیں بڑھانے کی سزا موت ہوسکتی تھی حضور نے یہ سزا نہیں دی یہ بھی رحمت کی اپنی مصلحت یا اپنی نرمی تھی۔ چوتھے سال ہجری کے آتے آتے معلوم ہوگیا تھا کہ مدینہ میں انصار جمع مہاجر ایک قوم ہیں اور باقی سب دشمن ہیں کچھ کھلے دشمن اور کچھ چھپے دشمن۔

بیرٔ معونہ کا المیہ

صفر 4ھ کے دن تھے کہ ایک الم ناک واقعہ پیش آیا۔ میرے آقا کی روزانہ کی کوششوں میں ایک وقت عام تعلیم کا بھی تھا۔ وہ صفّہ جو ایک یونی ورسٹی کی طرح چل رہی تھی روز تشریف لے جاتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ نجد کے قبیلہ کلاب کا سردار عامر بن مالک بن جعفر مدینہ حاضر ہوا اور درخواست کی کچھ علماء کی ایک جماعت اسکے ساتھ روانہ کی جائے تاکہ اسکے علاقہ کے اعراب کی تعلیم ہو سکے۔ حضور نے اسکا ہدیہ قبول نہیں کیا اور اپنے علماء کی حفاظت کی طرف سے شک کا اظہار کیا۔ مگر ابو براء عامر نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اسطرح حضور ﷺ نے 70 علماء کو اس کے ساتھ روانہ کیا۔ اس جماعت میں حرام بن ملحان (امّ سلیم کے بھائی) کو ایک خط دیا کہ اسے بنی عامر کے سردار عامر بن طفیل تک پہنچادو۔ یہ بعد میں معلوم ہوا کہ عامر بن طفیل تک بنی نضیر قبیلہ یہود کا سرمایہ اس خط اور جماعت قراء سے پہلے پہنچا ہوا تھا۔ عامر بن طفیل نے خط وصول کیا اور پیچھے سے ایک آدمی نے اسکے اشارہ پر نیزہ کا وار کیا۔ حضرت حرام نے خون اپنے منہ پر مل کر نعرہ لگایا۔ اللہ اکبر۔ قسم ہے ربّ کعبہ کی میں کامیاب ہوا۔ بعد میں ساری جماعت کو گھیر کر قتل کیا گیا اور یہودی کی دولت اپنے لیئے اپنی دانست میں حلال کی گئی۔ ایک صحابی کعب بن زید سخت زخمی حالت میں بچ گئے جن کو قاتلین نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ بیرٔ معونہ کے شہیدوں کا سلام جبرئیل نے حضور ﷺ تک پہنچایا۔ اصحاب صفّہ کی شہادت کا حضور کو سخت صدمہ ہوا اور اس دن سے چالیس دن تک روزانہ فجر میں ان قاتلوں کو ذہن میں رکھ کر ایک دعا پڑھتے تھے جو اصل میں بددعا تھی اسکو قنوت نازلہ کہتے ہیں۔

"اے اللہ مضر پر اپنی گرفت مضبوط کر دے اے اللہ یوسف کے قحط کی طرح ان پر قحط نازل فرما۔ اے اللہ بنی لحیان۔ عضل۔ قارہ۔ رعل۔ عصیّہ اور ذکوان کی گرفت کر کے انھوں نے تیری اور تیرے رسول کی نافرمانی کی"۔

اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی شکایت اور بددعا درج کرانے کے بعد باز پرس کے لیئے بنی نضیر کے قبیلہ کا رخ کیا۔

غزوہ بنی نضیر

حضور بنی نضیر کی گڑھی (قلعہ) کے نواح میں ہفتہ (سبات کا دن) کے دن مسجد قباء میں نماز پڑھ کر تشریف لے گئے۔ (سیرت مسعودی) حضرات ابوبکر۔ عثمان علی زبیر طلحہ۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد بن معاذ۔ سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر رضوان اللہ اجمعین ہم راہ تھے۔ بنو نضیر نے بظاہر خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ اور ضد کی کہ حضور کچھ کھا پی کر واپس جائیں۔ ایک دیوار کے سایہ میں انھیں بٹھایا اس دوران حی بن اخطب پیش پیش تھا۔ اس دوران چند افراد آپس میں سرگوشی اور مشورہ کرنے لگے۔ حی بن اخطب سردار تھا۔ اسے چند دن پہلے قریش کا ایک خط مکہ سے ملا تھا۔ (یہ خط اور اسکی تفصیل سنن ابی داود میں موجود ہے) اس خط میں یہود بنی نضیر کو آمادہ کیا گیا تھا کہ وہ یہود مسلمانوں سے جنگ شروع کریں ورنہ خود ان سے جنگ شروع کردی جائیگی

"تم لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعہ جات ہیں تم حریف
سے لڑو ورنہ ہم تمھارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور پھر کوئی چیز ہم
کو تمھاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے نہ روک سکے گی"

فوری طور پر ایک اسکیم بنی کہ اس وقت اشراف مدینہ موجود ہیں ان کو قتل کر کے جنگ کا آغاز کیا جائے۔ ایک آدمی تیار کیا گیا کہ وہ دیوار پر چڑھ کر سایہ میں بیٹھے حضور ﷺ پر چکّی کا ایک بھاری پاٹ گرادے۔ حضور یک لخت اُٹھ کر ایک جانب چل نکلے۔ لوگوں نے سمجھا کہ حضور کسی حاجت ضروری کو رفع کرنے کے لیئے نگاہوں سے دور گئے ہیں۔ مگر جب حضور ﷺ دیر تک نہ آئے تو صحابہ واپس آ گئے۔ (تاریخ طبری بتاتی ہے کہ چکّی کا پاٹ لیکر دیوار پر چڑھنے والے کا نام عمرو بن حجاش تھا)۔

صحابہ کرام واپس آئے تو انھیں سازش کا علم ہوا۔ حضور ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو طلب فرمایا اور ایک حکم بنی نضیر کو بھیجا کہ دس دن کے اندر قلعہ خالی کرو اور یہ علاقہ چھوڑ دو ورنہ جان کی خیر نہیں۔

راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے یہود کو پیغام بھیجا کہ جہاں ہو ڈٹے رہو۔ تمھارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میں اپنے

دو ہزار پیرووں سے تمھاری مدد کرونگا۔اس دوران یہودیوں نے اپنے علماء کو مسلمانوں کے پاس بھیجنے کی چال چلی۔طے یہ پایا تھا کہ یہ علماء خنجر سے مسلح ہونگے۔اوران کا حملہ حضور کی ذات گرامی پر ہوگا۔ایک یہودی خاتون نے ایک انصاری کے ذریعہ اس سازش سے مسلمانوں کو آگاہ کردیا۔محاصرہ جاری رہا۔عبداللہ بن ابی نے دھوکا دیا۔کس کو؟۔خود یہودِ بنی نضیر کو۔وہ اس کا انتظار کرتے رہے اور پندرہ دن کے بعد خود قلعہ کو چھوڑ گئے۔سارا سامان لے جانے کی اجازت تھی مگر اسلحہ کی نہیں۔(واقدی اور طبقات ابن سعد نے ساری تفصیل فراہم کی ہے) چونکہ یہ علاقہ بغیر کسی جنگ کے چھینا گیا تھا اس لیئے سارا مال غنیمت (جسکو فی کہتے ہیں) حضور کی یعنی حکومت کی ذاتی ملکیت تھا۔حکومت کو سب سے زیادہ دل چسپی 1500 تلواروں پچاس زرہوں اور اتنے ہی خود میں تھی۔

حضور نے اسلحہ حکومت وقت کی طرف سے خود قبول کیا اور سارا مال اسباب مہاجرین میں تقسیم کردیا۔صرف دو انصار کو حصّہ دیا گیا جو زیادہ غریب تھے یعنی ابودجانہ اور سہل بن حنیف۔

اس وقت حضور نے انصار کو جو دعا دی وہ تمام املاک سے زیادہ تھی۔مگر اسوقت حضور کا خطبہ۔

حضور نے انصار کو جمع فرمایا اور حمد وثنا کے بعد انصار کے احسانات کو جو انھوں نے مہاجرین پر کیئے تھے سراہا اور فرمایا کہ تم چاہو تو میں سارا مال انصار اور مہاجرین میں برابر برابر تقسیم کردوں اور یا پھر سارا مال مہاجرین کو دے دوں اور تم کو اس بار کفالت سے آزاد کردوں جو عہد نامۂ مواخات کے وقت تھا۔انصار نے وہ کیا جو سونے کے حروف میں لکھنا چاہیئے۔انھوں نے کہا کہ حضور سارا مال مہاجرین کو دے دیں مگر ہم انکی کفالت برابر اس طرح کریں گے۔جو باغ اور کھیتیاں انکو دے چکے وہ واپس نہیں لیں گے۔اللہ اللہ یہ سیر چشمی۔انصار جیسا کوئی گروہ اب تک نہ پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معاہدہ مواخات جو حضور نے پہلی سن ھجری میں نافذ کیا تھا 4ھ میں اتنا ضروری نہ رہا۔اور حضور نے انصار کو دعا دی۔(ترجمہ شیخ عبدالحق مدارج النبوت)۔

"اے اللہ انصار سے ان کی اولاد سے اور ان کی اولاد کی اولاد سے راضی ہوجا"۔

کہاں وہ وقت کہ جنگ بدر کے موقعہ پر 1ھ میں لشکر کے پاس آٹھ تلواریں تھیں۔اور اب بنو نضیر سے غنیمت میں 1500 تلواریں ملیں۔

حریصٌ علیکم

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔ مرادیں غریبوں کی برلانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا ۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا ۔ بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا ۔ قبایل کا شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا

اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

نبوّت علامت ہے رحمت کی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کہ وہ اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے اور صراط مستقیم دکھانے کو نبی بھیجتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

اللہ تعالیٰ نازل کرتا ہے اپنی رحمت (نبوّت) جس پر چاہتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ذات پاک کوتمام عالموں کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"وما ارسلناك الاّ رحمة اللعالمين"۔ (کونسے عالم؟۔ایک عالم تو یہ جہاں ہم زندگی گذار رہے ہیں اور دوسرا عالم وہ جو بعد قیامت ہے؟ اگر ایسا ہو کہ مطلب بعد قیامت کے عالم کا ہے تو پھر یہ تو بڑی نعمت اور رحمت ہے۔

حضور ﷺ کی رحمت کی تحریری سند بھی کوئی ہے۔

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُراٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلمؤمنِيْن۔ (سورۂ بنی اسرائیل ۸۲)

اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ بُشْرىٰ لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ (النحل)

اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام (دین کی) باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے لیئے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت خوش خبری سنانے والا ہے۔

جی ہاں سند ہے قرآن۔ قرآن کریم شفا ہے اور رحمت ہے اور ہدایت ہے اور بشریٰ (خوش خبری) ہے۔مگر کیا قرآن کریم سیرت رسول نہیں ہے۔ام المومنین عائشہ تو کچھ اس قسم کی بات فرماتی ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی سیرت قرآن کریم کا عکس ہے یا قرآن کریم حضور کی سیرت کا عکس ہے۔

تمام نبیوں کے پیام میں سب سے پہلی بات جس کی دعوت دی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہوتی ہیں۔مگر یہ ذات وصفات کہاں گم ہوگئیں۔مصر قدیم جو تہذیب کا گہوارہ ہے۔وہاں خدا کی ذات کو 9 کروڑ خداؤں میں تقسیم کردیا۔(یہ مبالغہ نہیں ہے زیادہ ثبوت دے کر اپنی کتاب اور بیان کو بوجھل نہیں کرنا چاہتا) ہندوستان نے خدا کی صفات کو لاکھوں دیوتاؤں میں بانٹ دیا۔یونان پہاڑی علاقہ ہے۔ہر پہاڑ ایک دیوی یا دیوتا کا مخصوص مظہر ہوگیا۔بدھ اس جھگڑے میں پڑا ہی نہیں۔زردشت کو آگ میں یزداں کا یعنی ساری نیکیوں کا جلوہ نظر آیا۔(ٹھنڈے ملک میں آگ کو خدامان لینا عقل

مندی کی بات تو تھی)۔اور تمام سلبی اور سفلی صفات اہرمن کے کھاتے میں ڈال دی گئیں۔ یہودی صحیفے اور موجودہ تورات جو موجودہ انجیل Bible کا حصّہ ہے اور عہد نامۂ عتیق کہلاتی ہے وہ عموماً اللہ تعالیٰ کی صفات سے خالی ہے۔ سارے کی ساری کتاب ڈرانے دھمکانے میں خرچ ہوگئی ہے۔ عیسایت کے یہاں اگر محبّت کا کوئی مظہر ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کو باپ کہہ دینے تک محدود ہے۔ عیسیٰ علیہ السّلام کا پہاڑی کا وعظ Sermon on the mount محبت اور پیار کا پیام کہا جاسکتا ہے مگر بائبل کے موجودہ بائبل کے تضادات متنفّر کرنے کو کافی ہیں۔ اس بائبل کا ایک ٹکڑا جو authorised version بائبل سے ماخوذ ہے وہ ہے

Luke-36. Then said he unto them, But now he that hath a purse let him take it and like wise his scrip and he that hath no sword let him sell his garment and buy one.

آزاد مختصر ترجمہ ہے کہ "جس کے پاس رقم ہے وہ رقم خرچ کرے اور تلوار نہیں ہے تو اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے"۔ کیوں؟۔ خطبہ پہاڑی تو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال پیش کردو۔ یہ تضادات تو بے شمار ہیں بلکہ ایک جلد میں چار بائبل آتی ہیں اور ان کے تضادات کے باوجود محبّت کا خالص لفظ خال خال ہے اور وہ بھی "آسمانی باپ" کے تصوّر سے جدا کر کے نہیں۔ اور عیسائیوں کا یہ سارا تصوّر رحمت زیتون کی پہاڑی کی فضاؤں میں تحلیل ہوگیا۔

میرے آقا کے لائے ہوئے قرآن میں اللہ تعالیٰ کی رحمانیت رحیمت کریمی ربوبیت ستّاری اور غفاری کے نغمے پس منظر میں اور اکثر پیش منظر میں بے شمار ہیں۔ توبہ کے دروازے آخری سانس تک کھلے ہیں۔ یہ باریک سانکتہ ہے حسابی عمل سے مجروح ہوجائیگا مگر بعض طبائع حسابی ثبوت مانگتی ہیں۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جن صفات عالیہ کی پردہ کشائی کی ہے

اور مستورازل (ازلی پردہ نشین) کی جو رونمائی فرمائی ہے اس میں خالق کائنات کسی ظالم و جابر حاکم و مَلِک کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا ہے بلکہ حسن و جمال عطا اور پیہم عطا۔ لطف اور کرم۔ عفو اور درگزر کا سراپا اپنی عزّت وجلال کے ہالہ میں پردہ فگن ہے۔ اللہ کے معنی عربی لغت کے لحاظ سے دلوں کے اس محبوب اور پیارے کے ہیں جو قلب کو موہ لے۔ اللہ کا لفظ قرآن کریم میں 2697 دفعہ آیا ہے اس لفظ کے معنی ذرا دقیق ہیں اور مفسّرین نے کتابیں لکھ ڈالی ہیں مگر مشترک بات یہ ہے کہ یہ اسم ذات بھی صفات حسنہ سے بھرپور ہے۔ یعنی دھمکاتا کم ہے امّید اور عطا اور عفو سے بھرپور ہے۔

اللہ کے بعد جو نام قرآن کریم میں زیادہ استعمال ہوا ہے۔ وہ رحمٰن ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۔ (بنی اسرائیل۔۱۲)

ترجمہ: (اے میرے حبیب) آپ فرمادیجئے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے سب اسکے اچھے نام ہیں۔

یہ نام جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں 113 بار اور اسکے علاوہ 55 بار قرآن میں آیا ہے اسکے معنی نہایت مہربانی اور رحمت کرنے والے کے ہیں۔ اس سے ملتا جلتا نام رحیم ہے۔ دونوں نام **رحمت** سے مشتق ہیں۔ اور رحمت ایک جذبہ ہے معافی اور نرمی کا۔ رحیم نام قرآن کریم میں تسمیہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کے علاوہ 93 دفعہ آیا ہے۔ ایک مشہور اور معتبر بزرگ اور مفسّر عبداللہ بن مبارک کا خیال ہے کہ "رحمان وہ ذات ہے کہ جب اس سے مانگا جائے تو عطا فرمائے اور رحیم وہ ذات ہے کہ اس سے نہ مانگا جائے تو غضب میں آئے۔

چوتھا نام جو قرآن کریم میں بار بار آتا ہے جو سورہ فاتحہ کے پہلے فقرے سے آخری سورۃ والناس کی آخری آیت تک مزیّن بھی ہے اور زینت بخش بھی وہ الرّب ہے۔ یہ نام قرآن کریم میں 902 بار آیا ہے۔ عیسائیوں نے الرّب کو اب (باپ) بنادیا ہے۔ بعض باپ ظالم بدخو خبیث الفطرت بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر رب تو وہ ذات ہے جو پالنے والی ہے۔ پرورش کرنے والی ہے۔ باپ کا تعلّق اولاد سے ایک حیاتیاتی حادثہ کا نتیجہ ہے مگر رب سے تعلّق عالم ارواح سے لیکر پیدائشِ دنیاوی اور دوسری زندگی بعد موت میں قائم ہے۔

نبی الرّحمت ﷺ کا لایا ہوا صحیفۂ آسمانی قرآن کریم اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مہربان رحمت وشفقت۔ احسان اور عفو سے بھرپور ناموں سے مزّین ہے۔ **اور اگر کہیں جمال و کمال کی تکمیل اور تدبیر وانتظام کی ضرورت سے سزا اور وعید کا ذکر آیا بھی ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے رافت ورحمت عطاو بخشش وغیرہ کے لیئے اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کا اعادہ ہوتا ہے۔** ایک عجیب بات یہ مولانا محمد اشرف صاحب نے تقریباً نصف صدی پہلے بتائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں عذاب یا وعید یا غصّہ کا اظہار فرمایا ہے وہاں پر فوراً اپنے رحم وکرم معافی اور عطا کا حوالہ آیت میں پہلے یا بعد میں دیا ہے اور اکثر و بیشتر اپنے نبی کو اس میں شامل کیا ہے۔

چند مثالیں پیش خدمت ہیں:۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۔ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (الاعراف آیت ۱۶۷)

بلا شبہ آپ ؐ کا ربّ واقعی (جب چاہے) جلدی ہی سزا دے دیتا ہے اور بلا شبہ وہ غفور (بڑی مغفرت والا) اور رحیم

(بڑی رحمت والا) ہے۔ مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْم ۔ (الانعام۱۶۶)

بالیقین آپ کا ربّ جلد سزا دینے والا (بھی) ہے اور بالیقین وہ واقعی غفور بڑی مغفرت کرنے والا (رحیم) مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔

اِعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰه شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰه غَفُوْرٌ رَّحِيْم ۔ (المائدۃ آیت ۹۸)

تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ (غفور) بڑے مغفرت والے اور (رحیم) بڑی رحمت والے بھی ہیں۔

نَبِّیءْ عِبَادِىْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَ اَنَّ عَذَابِىْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمِ ۔ (الحجر ۴۹۔۵۰)

اے محمدؐ! آپؐ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت (غفور) اور رحمت والا (رحیم) بھی ہوں اور (نیز) یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔

وَاللّٰه عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامِ ۔ (المائدہ۹۵)

اور اللہ تعالیٰ عزیز یعنی زبردست ہیں، انتقام لے سکتے ہیں۔

غرض نبی الرحمۃ ﷺ کا پروردگار رحمت ہی رحمت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بارے میں بار بار آتا ہے:۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۔ (الانعام۵۴)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونا گمراہی اور کفر ہے۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ۔ (الحجر۵۶)

ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا اپنے ربّ کی رحمت سے کون نا اُمید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا صحیفۂ آسمانی میں اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں کو محبت و پیار سے اپنا بندہ کہہ کر پُکارتا ہے اور کیا نوید جانفزا سُنا تا ہے۔!

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ (الزمر۵۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے (کفرو شرک کر کے) اپنے اُوپر زیادتیاں کی ہیں، کہ تم خدا کی رحمت سے نا امید مت ہو، بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف کردے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

بخاری اور دوسری حدیث کی کتابوں میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا تو خود اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کرلی۔ دوبارہ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے خود اللہ تعالیٰ پر رحمت کی پابندی عائد کرلی۔ اگر اللہ تعالیٰ کوئی پابندی اپنے اوپر عائد نہ کرے تو پھر اور کون اللہ پر پابندی عائد کرسکتا ہے۔

ایک حدیث قدسی پیش خدمت ہے

"اے آدم کے بیٹو جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے آس لگائے

رہو گے میں بخشتا رہوں گا۔ خواہ تم میں کتنے ہی عیوب کیوں نہ ہوں'' مجھے پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹو اگر تمھارے گناہ آسمان کے بادلوں تک بھی پہنچ جائیں اور تم پھر مجھ سے معافی مانگو تو میں تم کو معاف کردونگا خواہ تم میں کتنے ہی عیوب کیوں نہ ہوں۔ اے آدم کے بیٹو اگر پوری سطح زمین بھی تمھارے گناہوں سے بھری ہو اور پھر تم میرے پاس اس حال میں آؤ کہ کسی کو میرا شریک نہ بناتے ہو تو میں بھی تمھارے پاس پوری سطح زمین برابر مغفرت لے کر آؤں گا۔ (جامع ترمذی۔ ابواب الدعوات جمع الفوائد)

(خواتین آزردہ نہ ہوں'' آدم کے بیٹوں کا مطلب پوری نسل انسانی ہے معہ خواتین کے)

چلئے مان لیتے ہیں بلکہ ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم ہے اور اس سے اگر معافی مانگیں تو وہ معاف کرتا ہے اور اگر اس سے نہ مانگیں تو یہ اسے پسند نہیں ہے **ادعونی استجب لکم**۔ مجھے پکارو میں جواب دونگا۔ یہاں **ادعونی** ایک حکم ہے امر کا صیغہ ہے جیسے **اقیمو الصلواۃ** اور **آتو الزکواۃ** اور **ادعونی** کے معنی ہیں مجھے پکارو۔ (عاجزی سے/امید سے) آگے دیکھتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کریں کیونکہ شرک کبھی معاف نہیں ہوگا اسکے علاوہ ہر گناہ کی معافی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مرضی پر موقوف ہے اور اسمیں شاید گناہ گار کی پکار کی عاجزی اور شدّت اور سچائی کا بھی دخل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنی صفات رحمت اور رافت میں کسی اور کو۔ کسی بندہ کو (بحد بشریت) شریک کرے تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا

ہے۔ہمارے لیئے تو یہ مزید امّید اور تقویت کا باعث ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس رحمت بے پایاں کو صرف اپنی ذات تک محدود ہی نہیں رکھا، بلکہ اپنے بندوں اور خواص پر اس کا پرتو ڈال کر انھیں بھی بحد بشری اور حسب استعداد و ظرف اپنی رحمت کا مظہر بنایا، جس کا سب سے بڑا حصہ اس شاہکارِ خلق، زبدۂ نبوت فخر کون و مکان، مقصودِ آفرینش، خاتم الرسل حضرت محمّد ﷺ کو ملا، جنھیں خداوندِ قدوس نے خود تمام جہانوں کے لیے رحمت یعنی رحمۃ اللعالمین کہہ کر پکارا اور اپنے اسماء خاصہ میں سے رأفت و رحمت سے بھرپور دو ناموں سے اس کی ذاتِ عالی کو نواز دیا، اور ارشاد فرمایا:۔

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۔ (التوبۃ ۱۲۸)

لوگو! تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمھاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں، اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

کیا احسان ہے اللہ کا، اس کی ذات بھی رؤف و رحیم اور اس کا بندۂ خاص بھی اس کا مظہر اتم بن کر رؤف رحیم

صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم
تو کریمی و رسولؐ تو کریم

یہ نبی الرحمۃ ﷺ آئے اور دنیا کو ایسا دین دے گئے، جو ہر رنگ و صورت میں رحمت و رأفت کا شاہکار ہے۔

اس لفظ حریص کی جامعیت اور لذّت کو محسوس کیجئے۔ ہم تو حضور ﷺ کے سامنے دست بستہ جھکی آنکھوں اور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہیں۔ مگر حبیب اپنے محبوب کو اپنی امّت کے معاملے میں (محبت سے) حریص کہتے ہیں تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے لیئے تو حضور ﷺ کی شفاعت ہماری پہلی امّید اور آخری سہارا ہے۔

خلق خدا کا راعی آخر۔ دین ہدیٰ کا داعی آخر۔ جس کی دعوت اسلم تسلم۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم

ارض و سما میں آیۂ رحمت۔ روز جزا میں سایۂ رحمت۔ اسکی لوائے حمد کا پرچم۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے۔ گالی دی پتھر برسائے۔ اس پر چھڑکی پیار کی شبنم۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم

سم کے عوض داروے شفا دی۔ طعن سنے اور نیک دعا دی۔ زخم سہا اور بخشا مرہم۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم

(اقبال سہیل اعظم گڈھ۔ طالب علم علی گڑھ یونیورسٹی)

محمّد اسلام کا ایک نام ہے۔

اسلام دراصل محمّد ہی کا نام ہے۔

(یہ ایمان ہے اس کتاب کے مؤلف کا)

غزوہ بنو مصطلق یا مریسیع

مدینہ سے 9 میل کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا جسکا نام عربوں نے مریسیع رکھا تھا۔ یہاں ایک شخص جسکا نام مصطلق تھا آباد ہوگیا۔ ایک قبیلہ بن گیا۔ سرمایہ یہود کا تھا۔ زہریلی دشمنی قریش کی۔ ازلی لالچ قبایلی عربوں کی۔ تیاریاں ہونے لگیں کہ حملہ مدینہ پر ہو۔ یہ ہجرت کا پانچواں سال تھا حضور نبی کریم کا پہلے دن سے مدینہ میں جو انتظام مخبری اور خبر رسانی کا تھا اس نے بروقت اطلاع دی۔ ''حملہ چند دنوں میں مدینہ پر ہوگا'' تصدیق کے لیئے بھیجے گئے ایک صاحب ''اسلمی''۔ یہ اسلمی ان بریدہ بن اسلمی کے بھتیجے تھے جنھوں نے سفر ہجرت میں اپنے عمامہ کو حضور کا جھنڈا بنا دیا تھا وہ بھیجے گئے تھے سراقہ بن مالک کی طرح اجرت پر حضور کو گرفتار کرنے مگر وہ حضور کی ایک نگاہ سے گھایل ہو کر قبا تک ہراول دستہ بن گئے تھے یہ پانچ سال پرانی بات تھی۔ یہاں جو صاحب خبر کی تصدیق کے لیئے بھیجے گئے تھے ان کا نام حصیب اسلمی تھا یا وہ ان کے بھائی زید اسلمی تھے یا دونوں تھے۔ (شبلی نعمانی نے زید کی تصدیق کی)

خبر پوری تصدیق کے ساتھ بڑی تیزی سے مدینہ پہنچی۔ ایک ہزار کا لشکر مسلمانوں کا مدینہ سے نکلنے کے لیئے تیار ہوگیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک ہزار کا لشکر سو میل دور دھاوا مارنے کے لیئے حضور کے نظام عسکریت میں دو دن میں کیسے تیار ہو جاتا تھا۔ ابوذر غفاری کو مدینہ میں نائب الحکومت بنایا گیا۔ واقدی۔ مغازی رسول کے سب سے تفصیلی تاریخ نگار ہیں۔ ان کے بیان میں یہ ہے کہ یہ لشکر پہلے شام کی طرف چلا اور رات کے اندھیرے میں رخ بدل کر تہامہ کے راستہ بنی مصطلق کو سویرے ہی جا لیا یہ ایک جنگی چال تھی Strategy۔ راستے میں ایک جاسوس پکڑا گیا۔ وہ حضرت عمر کے ہاتھوں منزل مقصود جہنم کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب اسلامی لشکر جس کی تعداد واقدی ایک ہزار مقرر کرتا ہے خود حضور ﷺ کی سرکردگی میں سروں پر پہنچ گیا تو اِدھر اُدھر سے جمع ہونے والے قبیلہ منتشر ہو گئے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ دشمن ابھی (صبح کو) جانوروں کو پانی پلا رہے تھے کہ اسلامی لشکر سر پر آ گیا۔

تیروں کی تھوڑی سی دیر جنگ ہوئی۔ دشمن کے دس آدمی قتل ہوئے۔ اور چھ سو کے قریب عورتیں اور مرد گرفتار ہوئے۔ قیدیوں میں ایک خاتون برّہ (نیکی یا نیک بخت یا نیکوکار) بھی تھیں۔ واقدی اور ابن سعد کے مطابق ان خاتون نے کنیز بننا پسند نہیں کیا مکاتبت کی خواہش کی یعنی ایک خاص رقم ادا کر کے آزادی چاہی۔ وہ رقم دس اوقیہ سونا یعنی اندازاً پانچ ہزار درہم تھی۔ وہ فراہم نہیں ہو سکی تو حضور نے ادا کر کے برّہ کی اجازت اور خواہش پر ان سے نکاح کر لیا نام طے پایا جویریہ۔ ابن ہشام نے مہر چار سو درہم لکھا مگر ام المومنین جویریہ نے چالیس قیدیوں کی رہائی مانگی مگر لشکر اسلام نے سارے قبیلہ کو آزاد کر دیا کیونکہ وہ حضور ﷺ کے سسرالی عزیزوں کو غلام نہیں بنانا چاہتے تھے۔ ''ام المومنین عائشہ نے کہا کہ دنیا کی کوئی عورت جویریہ سے زیادہ اپنی قوم کے لیئے بابرکت نہیں ثابت ہوئی''۔

''ایک دن میں سو خاندان آزاد کرائے''۔ ام المومنین جویریہ نے 65 سال کی عمر پائی اور 50ھ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اس غزوہ میں واپسی سے پہلے ایک ایسا واقعہ ہوا کہ اسلامیوں کے سر شرم سے جھک جائیں۔

حضرت عمر کے ایک غفاری کارندے نے مویشیوں کو پانی پلانے کی باری کے تنازعہ میں ایک انصاری سنان کو تھپڑ مار دیا ابھی دس سال پہلے تک سارے غفاری قبیلہ والے ڈاکو اور وحشی تھے سوائے ابوذر غفاری کے اس انصاری نے آواز لگادی۔ ''یا معشر الانصار''۔ اس قسم کی مدد کی پکار ایام جاہلیت میں لگائی جاتی تھی۔ دوسری طرف سے آواز آئی ''یا مہاجرین''۔ دونوں طرف کے لوگ لپکے۔ تلواریں نکل آئیں۔ ایسی لڑائیاں جاہلیت میں شروع ہو کر بیس پچیس پچاس سال تک چلتی تھیں۔ تاریخ ایام جاہلیت گواہ ہے۔

حضور موقع پر پہنچ گئے۔ حضور کے رنج والم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے پانچ سالہ مدینہ کے قیام اٹھارہ سالہ نبوی زندگی کی تعلیم مٹی میں مل گئی تھی۔

حضور نے زور سے ڈانٹ کر کہا (یہ صحیح بخاری میں ہے)

"اس پکار کو ہمیشہ کے لیئے ترک کردو۔ یہ خبیث پکار ہے"

مہاجرین اورانصار گلے مل گئے۔

(آج بھی اس دیس میں اے مہاجر۔ اے سندھی۔ اے بلوچی۔ اے پٹھان۔ اے پنجابی عام ہے۔ شیطان خبیث پکار سکھاتا رہے گا)۔

اس لڑائی کی خبر جو نہ لڑائی بن سکی اور نہ کوئی خبر بن سکی منافقین کو بھی پہنچی۔ منافقین کا سرغنہ عبداللہ بن ابی سلول اس غزوہ میں شریک تھا۔ وہ اپنے چیلے چانٹوں میں گفتگو کر رہا تھا اس گفتگو کو ابن ہشام نے تفصیل سے لکھا ہے (نقل کفر ہے اللہ معاف کرے) عبداللہ ابن ابی بک رہا تھا۔

"یہ لوگ (جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں) انھیں کچھ بھی نہ دو۔ ان مہاجرین کی یہ ہمّت!۔ ہمارے ذریعہ قوّت حاصل کی اور ہم سے یہ سلوک۔ مثال درست ہے کہ اپنے کتّے کو موٹا کرتا کہ وہ تجھے کھا جائے۔ خدا کی قسم ہم جب واپس مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے عزّت والا ذلیل کو باہر نکال پھینکے گا"۔ (قرآن کریم کی سورۃ منافقون میں یہ ہی الفاظ اللہ تعالیٰ نے نازل کیئے) پھر اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہ سارا کیا کرایا تمھارا ہے تم نہ انھیں اپنے شہر میں جگہ دیتے نہ جائیداد نہ مال ومتاع تقسیم کرتے (یہ مواخاۃ کی طرف اشارہ تھا) نہ ان کی یہ حالت ہوتی۔ اب بھی اپنے ہاتھ کھینچ لو تو کہیں اور چلے جائیں گے۔ اور اب یہ کام میں خود ہی انجام دوں گا۔ (یہ ارادہ بڑی دیر میں کیا ابی۔ مولف)

اتفاق سے ایک بہت ہی کم عمر صحابی جن کو لوگوں نے نظر انداز کر دیا تھا جن کا نام زید بن ارقم تھا وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ساری باتیں حضور کو فوراً سنادیں۔ حضرت عمر نے مشورہ دیا کہ حضور آپ عبادہ بن بشیر کو حکم دیں کہ وہ اسکا گلا کاٹ دے۔ حضور نے فرمایا نہیں۔ اسطرح لوگ کہیں گے محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں اسکے بعد حضور نے فوراً کوچ کی منادی کی۔ عبداللہ بن ابی کو اپنی جان جاتی نظر آئی تو دوڑا دوڑا حضور کی خدمت میں آیا اور لگا تاویلیں کرنے

اور قسمیں کھانے لگا۔ مگر حضور نے کوئی توجہ نہ کی۔ (یہ زید بن ارقم کس طور سے فوج میں گھس کے آ گئے تھے کم عمر تھے اور حضرت ارقم بن ارقم دارالارقم مکّہ والے کے صاحبزادے تھے۔ تقریباً پیدائشی مسلمان تھے)۔ کچھ انصاری صحابہ جو جمع ہو گئے تھے وہ کہنے لگے کہ لڑکے سے سن نے میں غلطی ہوگئی۔ سب زید کو برا بھلا کہنے لگے۔

حضور نے واپسی کا سفر فوراً دوپہر کو شروع کیا جیسا پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ فضا بوجھل تھی۔ سفر میں ذرا آرام کی سہولت نہ دی گئی۔ حتیٰ کہ جانور اور انسان بے حال ہو گئے۔ جب قیام کیا تو سب تھکان سے بے حال تھے کیونکہ سفر رات بھر جاری رہا تھا۔ جب قیام کا حکم ملا تو سب بے سدھ ہو کر گرے اور عبداللہ بن ابی کی بکواس پر غور کرنے کا کسی کو موقع نہ ملا۔

اس موقع پر سورہ منافقون نازل ہوئی۔ لفظی ترجمہ سنیئے۔

''جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ انھوں نے قسموں کو اپنی ڈھال بنا رکھا ہے۔ اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ یہ تو اور بھی بہت سی شرارتیں کرتے ہیں یہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ لہٰذا ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے اب یہ کچھ سمجھتے ہی نہیں''۔ ''یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو عزّت والے ان ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال دیں گے حالانکہ عزّت تو صرف اللہ کے لیئے اور اسکے رسول کے لیئے اور مومنین کے لیئے ہے لیکن منافقین اتنی بات بھی نہیں جانتے''۔ اس کے بعد جب زید بن ارقم حضور کے سامنے آئے تو حضور ﷺ نے بڑی شفقت اور محبّت سے ان کے کان پکڑ لیئے کہ اللہ نے ان کانوں کی گواہی دی ہے۔

اس راس المنافقین کا ایک بیٹا جسکا نام بھی عبداللہ تھا سچا کھرا اور پکا مومن تھا اس نے پہلے کئی دفعہ اجازت مانگی تھی اور پھر حضور سے اجازت مانگی کہ وہ اپنے منافق باپ کا سر کاٹ کر لے آئے۔ حضور نے اجازت نہیں دی۔ مگر یہ بیٹا

راستہ بھر غصہ سے کھولتا رہا مدینہ پہنچ کر اسنے ابی کا راستہ روک دیا۔ "تمھیں مدینہ میں داخل نہیں ہونے دونگا جب تک رسول ﷺ اجازت نہ دیں۔ اپنی زبان سے اقرار کرو کہ بنی آدم میں سب سے معزز حضور ہیں اور تم تمام عالم میں سب سے زیادہ ذلیل ہو"۔ اتنے میں حضور وہاں تشریف لائے۔ منافق انھیں دیکھ کر رونے لگا اور ہذیان بکنے لگا کہ ہاں میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں حضور نے مومن عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ سامنے سے ہٹ جائیں۔ (شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ) اس واقعہ کے بعد عبداللہ بن ابی کی کسی بات کو کسی نے سنجیدگی سے نہیں سنا۔ اسکو واقعی منافق اور پاگل سمجھنے لگے۔ اللہ اللہ کیا بصیرت کیا فراستِ رسول ہے۔

یہودی لے کے آیا موت کا پیغام ابوسفیاں

پانچ سال گذر چکے ہیں۔ جس دن حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ (قبا) تشریف لائے اسی دن سے انھوں نے اپنی فراست نبوی سے دیکھ لیا تھا کہ تین دشمن تھے۔ تین طرح حملے کر سکتے ہیں ان کا تدارک تین طریقوں سے ہوسکتا ہے۔

(۱) منافقین۔ یہ صرف ''چوہا'' صفت لوگ ہیں۔ افواہیں پھیلائیں گے انتشار پھیلائیں گے۔ مہاجرین انصار گروہوں کو ایک دوسرے سے لڑوانے کی کوشش کریں گے۔ اور جاسوسی کریں گے یعنی اندر کی خبریں باہر روانہ کریں گے۔ ان کے خلاف مستقل حضور کا رویہ یہ رہا کہ ان کو نظر انداز کیا جائے۔ معاف کیا جائے۔ رفتہ رفتہ یہ خود ختم ہو جائیں گے مسلمانوں میں ضم ہو جائیں گے۔ ان کی نئی نسل مسلمانوں کے اخلاق سے دب جائے گی۔ اگر ان کے خلاف محاذ کھولا جائیگا تو وہ اندرونی بغاوت نظر آئیگا اور باہر اسکا اثر خراب ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن ابی زندہ رہا سازشیں کرتا رہا نا کام ہوتا رہا اور اپنی موت آپ مر گیا۔

(۲) یہود بچھو قوم ہے۔ اسکی آدھی موت تو اسوقت واقع ہو جائے گی جب انکا سودی نظام ختم ہو جائے۔ منافع خوری پر ضرب پڑے (یہ تو کنوئیں کا پانی تک فروخت کرتے تھے)۔ ان سے معاہدہ کر لیا جائے اور ہر شرارت کی سزا دی جائے اندرونی بغاوت کی سزا ہر قانون میں ہمیشہ موت۔ ہی ہے۔ یہ مارے جائیں یا زندہ رہیں مگر مدینہ سے دفع ہوں۔ آنے والی مسلم امت کے سکون کے لیئے ان کا وجود مدینہ میں گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ پچھلے پندرہ سو سال سے تو یہ باہر رکھے گئے۔ مگر اب لٹیری حکومتوں نے ان کو تیل کی اجارہ داری دیکر اور عرب سرزمین کے ایک حصّہ کو دیکر عرب اور اسلام کے مفاد کو ذبح کر دیا۔ اب صیہونی سازش سے بظاہر کوئی بچت نہیں ہے۔ ہاں! ''ایک دعا اسکی جو مقبولِ خدا ہے''۔

(۳) قریش اور کفارِ مکّہ تو لڑائی جاری رکھیں گے لڑے جائیں گے مگر ہر روز کم زور سے کم زور ہوتے جائیں گے۔ اور

ایک دن پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں آ گریں گے۔ ایسا ہی ہوا۔

فراست نبوی نے جو دیکھا تھا وہ سات سال میں پورا ہو گیا۔

جب ریاست مدینہ قائم ہوئی تو مسلمانوں کے پاس ہتھیار بالکل نہیں تھے (بدر کے میدان میں 313 مجاہدین کے درمیاں 8 تلواریں تھیں) مگر حضور کا قائم کردہ خبر رسانی کا نظام اور پہرہ کا نظام ایسا تھا کہ شب خون کبھی نہ ہو سکا۔ اور حملہ آور کی تمام حرکات کی اطلاع فوری ملتی تھی اور پہرہ داری ایسی کہ روزانہ کی تبدیل ہونے والی پہرہ کی ڈیوٹی کے علاوہ بھی ہر وہ شخص جو لڑائی میں حصہ لے سکتا تھا وہ اپنے ہتھیار پہن کر سوتا تھا (جو بھی میسّر ہوں)۔

مکّہ کے مشرک اپنے سرداروں کے قتل کے بدلے کے لیئے مضطرب تھے۔ اور ان کی غلّہ کی رسد مشکل میں تھی اور تجارتی آمدنی کم سے کم ہوتی جارہی تھی۔ یہود کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ معاملہ تھا۔ سرمایہ اور سامان خوراک وغیرہ تو فوری ضروریات کے لیئے کافی بلکہ کافی سے زیادہ تھیں مگر سرمایہ داری نظام میں مستقل آمدنی اور آمدنی میں اضافہ کے بغیر تشفّی قلب نہیں ہوتی۔

بنو نضیر قبیلہ یہود تو نکالا جا چکا تھا اور اب، کس کی باری ہے یہ سوال یہودی ذہن کو پریشان کر رہا تھا۔ عرب قبائل کو نئی ابھرتی ہوئی طاقت سے زیادہ خطرہ تھا۔ یہود اور قریش سے وہ صدیوں سے واقف تھے حیّ بن اخطب سلام بن ابی حقیق کنانہ بن ربیع سلام بن مشکم اور ہوذہ بن قیس اور ابو عمارہ مل کر سب سے پہلے مکّہ گئے قریش کو مدینہ پر بھرپور حملہ کیلیئے تیار کیا۔ رسد اسلحہ مال اور نفری سے امداد کا یقین دلایا۔ اور دونوں نے مل کر وقت اور موقع و محل کا تعین کیا۔ آپ یقین کیجئے کہ اس دن مجاہد اعظم ﷺ نے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کے اردگرد کا دورہ کیا اور اپنے لائحہ عمل پر غور کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ پر یہ وقت مشکل نظر آتا ہے سب سے زیادہ نگرانی بنو قریظہ کی ہو رہی تھی کیونکہ یہ سب سے قریب بلکہ مدینہ میں تھے۔ ان کا جنگ میں شریک ہونا ایک دوسرے اندرونی محاذ کو کھولنے کے مترادف تھا۔ انکی نگرانی

پر حضرت زبیر بن العوام کو مامور کیا گیا تھا۔ وہ بعض اوقات دن میں تین بار گھوڑے پر چڑھ کر انکے علاقہ کا چکّر لگاتے تھے۔ یہ بی بی صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے/حضور کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انکی پھرتی اور مستعدی سے متاثر ہو کر حضور نے ان سے کہا تھا کہ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔ (ایسا ہی ایک جملہ حضور نے حضرت سعد بن وقاص کے بارے میں احد میں کہا تھا۔ سعد حضور کے ماموں تھے۔ ویسے یہ انداز بیان عرب کا محاورہ تھا شدید محبّت کے اعلان کے طور پر)۔

حضور ﷺ نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر اور کھدوا کر اس میں محصور ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ راستہ حضرت سلمان فارسی نے دکھایا تھا کیونکہ فارس میں چھوٹی فوجیں اپنے شہر کی حفاظت بڑے دشمن کے خلاف اسی طرح کرتی ہیں۔ بہر حال یہ بحث غیر ضروری ہے کہ خندق کا تصوّر پہلے سلمان فارسی کے ذہن میں آیا یا حضور ﷺ کے۔ نقشوں سے عسکری تجزیہ نگاروں نے (ایک پاکستانی جنرل اور ایک بریگیڈیر نے دو مختلف کتابوں میں جن کے نام اسوقت دماغ میں حاضر نہیں ہیں) سمجھایا تھا کہ مدینہ گولائی میں کم از کم تین چوتھائی محیط تک چٹانوں اور پتھریلی زمین کی وجہ سے محفوظ تھا۔ مکانات اسطرح سے ایک دوسرے سے ملے تھے کہ سوار دستے داخل نہیں ہو سکتے تھے ایک چوتھائی محیط میں خندق کا منصوبہ تھا۔ خرابی یہ تھی کہ اگر مسلمان خندق میں مورچہ سنبھال کر بیٹھیں اور اگر بنو قریظہ اٹھ کھڑے ہوں تو شہر مدینہ سے مورچہ بندوں کا واسطہ ختم ہو جاتا۔ کھانا اور سب سے زیادہ پانی کی بندش مورچہ کو توڑ دیتی۔

حضور نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے ساتھ عبداللہ بن رواحہ اور اسید بن حضیر کو وفد کی صورت میں بنو قریظہ بھیجا۔ مگر بنو قریظہ نے اس قسم کے جملے کہے "کون محمد"؟ "کونسا معاہدہ"؟۔ یہ بھی ہو رہا تھا اور خندق بھی کھودی جا رہی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ خود خندق میں اور صحابہ کے ساتھ یکساں مزدوری کر رہے تھے۔ صحابہ کے گروہ بنائے گئے۔ خندق کی لمبائی کا حساب کر کے حصّہ بانٹا گیا۔ دن اور رات کے گھنٹے کا حساب بھی لگایا گیا۔ یہ سب کچھ اس نبی امّی نے کیا جس نے کسی مکتب میں حساب کے سوال حل نہیں کیئے تھے۔ عجیب فراست نبوی تھی کہ ابھی مزدور مجاہدین آخری حصّہ خندق کا مکمل کر کے بیٹھے ہی تھے کہ افق پر مکّی لشکر نمودار ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام کہ "کام ختم نہیں ہوا۔ کام باقی

ہے۔ چھٹی کا وقفہ یہاں نہیں ہوگا"۔ حضور نے غطفان اور فزارہ کے قبیلوں سے مدینہ کی ایک تہائی کھجور کی پیداوار کے بدلے غیر جانب دار رہنے کا معاہدہ کرنا چاہا۔ حضرت اسید جو مدینہ میں حضور کے تشریف لانے سے پہلے حضور کے نمائندوں میں سے ایک تھے سامنے آ کر سوال کیا کہ کیا حضور یہ کام وحی الٰہی کے ماتحت کر رہے ہیں یا اپنی مرضی سے۔ حضور نے فرمایا کہ تمام قبایل تمھاری دشمنی پر جمع ہوگئے ہیں میں انکو تمھاری حفاظت کے خیال سے دشمنوں کی جتھہ بندی سے نکالنا چاہتا ہوں۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ اوس اور خزرج کے سردار (جن کو بیعت عقبہ کے دن سے گرم سعدین کہتا چلا آیا ہوں) اسید کے ہم نوا بن گئے۔ "ہم نے جب تک کہ ہم ایمان لائے تھے ان لوگوں کو کھجور کی ایک گٹھلی بھی دب کر نہیں دی تھی۔ اب جب کہ ہم مومن ہیں اور حضور ہمارے درمیان ہیں انکو ایک دانہ دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ ویسے آپ کی مرضی ہے"۔ حضور نے معاہدہ لکھا ہوا پھاڑ کر ہوا میں اڑا دیا اور غطفان اور فزارہ سے کہہ دیا کہ اب ہمارے اور تمھارے درمیان میں فیصلہ تلوار کرے گی۔

اس کے بعد جنگ اعصابی ہوگئی۔ یہ ٹھیک ہے کہ قریش کے سواروں نے بعض اوقات خندق پھلانگنے کی کوشش کی۔ جس جگہ خندق کم چوڑی تھی وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ مامور تھے۔ مشہور کافر سوار عمر بن عبدودّ عامری حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا اس جنگ میں دست بدست لڑائی نہیں ہوئی اسلیئے کفّار کے آٹھ آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کے چھ شہید ہوئے۔ اور یہ سب خندق کے کسی حصّہ پر قبضہ حاصل کرنے اور اس قبضہ کو رد کرنے کی کوشش میں ہوا۔ اسوقت سردی سخت تھی یہ دونوں فریقوں کے لیئے اعصابی تناؤ کا باعث تھی۔ مسلمانوں کے پاس غذا کی سخت کمی تھی اور کفار کے پاس یہود سے شکایت تھی کہ انھوں نے کھانے پینے کا انتظام صحیح نہیں کیا تھا (خصوصاً پینے کا انتظام)۔ وہ شراب بیچنے لگے تھے اور سردی کی وجہ سے مہنگی کردی تھی۔ محاصرہ یا جنگ ایک مہینہ (36 دن) جاری رہے اور پھر بھاگے تو ایسے کہ "خط بھی نہ بھیجا رسید کا"۔

روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعا کے لیئے ہاتھ اٹھادیئے تو آندھی چلنے لگی (سردی کی آندھی قیامت!! جبکہ شراب بھی نہ مل رہی ہو)۔ اور مکّہ پانچ سو کلومیٹر دور اور مدینہ تین کلومیٹر سامنے مگر داخلہ بند۔ کفّار کے اعصاب جواب دے

گئے۔اور پھر ان حالات میں رسول کریم نے ایک مٹھی خاک کفار پر پھینک دی۔''شاھت الوجوہ''۔بگڑ گئے تمھارے چہرے۔پھر اسکے بعد وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا حضور نے فرمایا کہ اب قریش تم پر کبھی حملہ نہ کرینگے بلکہ تم ان پر حملہ کرو گے۔پہلے اللہ تعالیٰ کا بیان آیت 9 سورہ احزاب۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا o

ترجمہ: ''اے اہل ایمان اللہ کے انعام کو یاد کرو کہ اسوقت جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک آندھی مسلّط کی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو نظر نہ آتی تھی۔لڑائی کے دوران اللہ تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے''۔

اجازت دیجئے کہ حفیظ جالندھری اس واقعہ کو اپنی زبان میں پیش کریں یہ سارا اقتباس مولّف کی کتاب حدیث دل میں سے ہے۔

محاصرہ ایک مہینے سے زیادہ طویل کھینچ گیا۔فاقہ اور سردی کی مار مسلمانوں پر تھی مگر وہ فاقہ کرنے کے عادی تھے۔اور جب آقا ﷺ ہر حالت میں ساتھ ہوں تو کوئی مصیبت ناقابلِ برداشت نہیں ہوتی۔کفّار تو راتوں کو اونٹ ذبح کرتے آگ جلاتے ناچتے گاتے اور شرابیں لنڈھاتے تھے۔سیرت نگار کہتے ہیں کہ شراب یہود نقد بیچتے تھے اور غلہ ہاتھ روک کر فراہم کرتے تھے۔اور فوجیوں سے آکے جوا کھیلتے تھے اور انکی رقم لے اڑتے تھے۔

یہودیوں سے جو شکایتیں قریش فوجیوں کو تھیں ان کو جناب حفیظ جالندھری نے اچھا نظم کیا ہے۔

کہاں ہیں وہ یہودی جو ہمارے پاس آئے تھے
بقولِ خود بڑے تدبیر والے اہلِ رائے تھے
وہ کہتے تھے ہمیں وہ خود کرینگے شہر میں داخل
نہ پیش آئیگی اس بارے میں ہرگز کوئی بھی مشکل
وہ کہتے تھے کہ مستورات پر قبضہ دلادیں گے
جہاں بھی مال و زر پوشیدہ ہے سب کچھ بتادیں گے
یہودوں نے کوئی وعدہ نہیں اب تک کیا پورا
ہماری جنگ کا مقصد ہے لنڈورے کا لنڈورا
کوئی رستہ بتاتے ہیں نہ خُود امداد کرتے ہیں
یونہی لڑتے چلے جاؤ یہی ارشاد کرتے ہیں
نکل کر قلعے سے باہر وہ ایسے بیٹھ جاتے ہیں
تماشا دیکھنے کو جس طرح شوقین آتے ہیں
گدھوں کی دوڑ سمجھتے ہیں ہماری جنگ بازی کو
یہاں تشریف لاتے ہیں فقط طعنہ طرازی کو

ہمارے فوجیوں سے مفت پیتے اور کھاتے ہیں
انہی کے ہاتھ پر جھوٹے نگینے بیچ جاتے ہیں
بہت کچھ لُوٹ لے جاتے ہیں ہتھ نانک کی چالوں سے
جوا بھی کھیلتے ہیں وہ ہمارے فوج والوں سے
پیادے ہار جائیں تو انھیں ہتھیار دیتے ہیں
سوار اکثر جوئے میں اپنے گھوڑے ہار دیتے ہیں
ہماری فوج آئی ہے یہاں پیکار کی خاطر
کہ اِن بازاریوں کی گرمی بازار کی خاطر
شبانہ روز ہم میداں میں لڑتے اور مرتے ہیں
یہودی چین سے بیٹھے ہوئے بیوپار کرتے ہیں
(شاہ نامہ۔حفیظ جالندھری)

یہودی قلعہ میں یثرب کے غلّوں کا ذخیرہ ہے
ہمیں کچھ بھی نہیں دیتے یہ کیا ان کا وتیرہ ہے
سمجھتے ہیں قبائل سے تو کچھ پڑتا نہیں پلّے
چھپا کر کیوں نہ تہ خانوں میں بھر رکھے رہیں غلّے

یہ وعدہ تھا، مدینے کے حوالی ان کی حد ہوگی
رئیسانِ یہودی ہی کے ذمّے سب رسد ہوگی
رئیسانِ یہودی اب نظر آتے ہیں کم ہم کو
نظر آتے بھی ہیں ظالم تو دے جاتے ہیں دم ہم کو
نئے ہر روز دم دھاگے نئے فقرے نئے جھانسے
یہودی قوم نے گویا نئے چنڈول ہیں پھانسے
طلب غلّہ کرو تو صاف ملتا ہے جواب اُن سے
فقط ملتی ہے منہ مانگے ہوئے داموں شراب اُن سے
رَسَد ان سے کسی قیمت پہ حاصل ہو نہیں سکتی
وہ کہتے ہیں یہودی قوم غلّے بو نہیں سکتی

(شاہ نامہ۔ حفیظ جالندھری)

ہمیں شک ہے رَسَد یثرب کے اندر بیچتے ہونگے
مسلمانوں سے قیمت نقد لے کر بیچتے ہونگے
یہودی قوم کی یہ نفع بازی جانتے تھے ہم
یہ سب ہیں یار پیسے کہ انہیں پہنچانتے تھے ہم

گھروں سے ہم بہت کچھ سازو ساماں ساتھ لائے تھے
کوئی ان کے بھروسے تو نہیں لڑنے کو آئے تھے
مگر یہ کیا خبر تھی جنگ ہوگی اس قرینے کی
غنیمت کے بغیر ایسی لڑائی اِک مہینے کی
وہ سب کچھ کھا چکے ہم راستے میں جو بھی چھینا تھا
کہ آخر اس بڑے لشکر کو کھانا اور پینا تھا
رَسَد کے بھیڑ ، بکری، اُونٹ کھائے جاچکے سارے
لڑائی کے جو زخمی اسپ تھے کام آچکے سارے
شراب اک دو ہی دن کی اور باقی ہو تو باقی ہو
پھر اسکے بعد لازم ہے کہ ارزاں خونِ ساقی ہو

(شاہ نامہ۔حفیظ جالندھری)

اللہ تعالیٰ نے اس ٹھنڈی ہوا کو جو شام سے چل رہی تھی تیز کرنا شروع کردیا۔ سنیچر کی رات تھی۔ یہودیوں کے آرام کا دن۔ مگر آرام مقدّر میں نہ تھا۔

ہوا آندھی میں تبدیل ہوگئی۔ایک پوری قوم عاد کی آندھی سے تباہ ہوچکی ہے۔ مگر یہاں ایک فرق تھا کہ ربّ العالمین کے بندہ رحمۃ اللعالمین کا مصلّٰے بچھا ہوا تھا۔ عام تباہی متوقع نہیں تھی۔ آندھی تیز ہوئی۔ چولھے الٹ گئے۔انگارے زمین پر دوڑنے لگے۔ برتن اُڑاُڑکر گرنے لگے۔ پتھر اُڑکر کفار کی سرکوبی کرنے لگے۔

شور مہیب تھا۔ چھولداریاں اور خیمے ٹوٹ کر گھوڑوں کے منہ پر جا پڑے۔ گھوڑے کودتے ہوئے اونٹوں میں گھس گئے۔ قریش کے اونٹ قریش سے زیادہ عقل مند تھے۔ ان سب کا رخ مکّہ کی طرف پھر گیا اور وہ رسّیاں تڑانے لگے۔ اور یہ سب افراتفری اس میدان میں ہو رہی تھی جہاں بیس ہزار سے زیادہ انسان اور ہزاروں جانور ایک مہینہ سے زیادہ فضلہ زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش میں مصروف تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے چند لمحوں کیلئے اپنے مصلّے سے کنارہ فرمایا ایک مٹھی خاک اٹھا کر لشکرِ کفّار کی طرف پھینکی اور زبان مبارک سے فرمایا۔ ''شاھت الوجوہ'' بگڑ گئے ان کے چہرے۔ جس مسلمان نے یہ سنا اسکو فتح کا یقین ہو گیا اور اس نے اپنے قریبی مجاہد ساتھی کو بھی بتا دیا۔ مگر ڈیوٹی پر سب حاضر رہے۔ کیونکہ ابھی چھٹی کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ لڑائی تو ہوئی ہی نہیں تھی۔ صرف قوّتِ برداشت کا امتحان ہوا تھا۔ استقامت کا امتحان ہوا تھا۔ اور یہ ہتھیار کفّار کے پاس نہیں تھے۔ روزہ رکھنے والے مسلمان اور کم خوراک مسلمان فاقے برداشت اور کم خوراکی برداشت کر گئے۔ اور پھر مسجد نبوی میں اقامت قیام اور دعا اھد نا الصّراط المستقیم کافی تربیت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دشمن کے اندھے تیروں سے چھ مسلمانوں نے شہادت پائی۔ کفّار نے بھی جان کی قربانی اس سے زیادہ نہیں دی۔ مگر یہ آندھی اور سردی وہ برداشت نہیں کر سکے۔

یہ آندھی کپکپاتی برف کی سردی بھی لائی تھی
ہزاروں وسوسے لائی تھی نامردی بھی لائی تھی
ابو سفیاں کا دل تھا حلق میں اب ہول کے مارے
گنہ جتنے کیے تھے آ رہے تھے سامنے سارے

ستم ڈھائے تھے جتنے بھی مسلمانوں کی جانوں پر
وہ آندھی بن کے چھائے تھے زمینوں آسمانوں پر
نظر آتی تھی اک جھونکے میں صد پاداش کی صورت
اندھیرے میں ابوسفیان کھڑا تھا لاش کی صورت
زمین بھونچال سے ہلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی
گناہوں کی سزا ملتی ہوئی معلوم ہوتی تھی
خبیبؓ و زیدؓ دو اللہ کے بندے تھے تصوّر میں
ابوسفیان تھا اور پھانسی کے پھندے تھے تصوّر میں
تصوّر میں ہوئی محسوس اپنی سانس بند اس کو
تو اپنی ہی رگِ گردن نظر آئی کمند اس کو

(شاہ نامہ۔حفیظ جالندھری)

زمیں پر دوڑتے پھرتے نظر آئے جو انگارے
ابوسفیان اُن کو بھوت سمجھا خوف کے مارے
ہوا میں اُونٹ گھوڑوں کی صدائیں بار بار آئیں
صدائیں کان میں بن بن کے تاکیدِ فرار آئیں

ہوائے تند کے جھونکے تھے یا پھٹکار کوڑوں کی
سنائی دے رہی تھی بے محابا ٹاپ گھوڑوں کی
سروں سے اُڑ چلے تھے چھاؤنی کے خیمے خرگاہیں
پڑے تھے لشکری چہروں پہ لپٹائے ہوئے باہیں
نہ کوئی بول سکتا تھا، نہ کوئی سر اُٹھاتا تھا
ابوسفیاں کو اپنی ذات سے بھی ہول آتا تھا
نہ چولھا تھا نہ ہانڈی تھی نہ خیمہ تھا نہ ڈیرا تھا
فقط دہشت ہی دہشت تھی اندھیرا ہی اندھیرا تھا
خیال آیا ابوسفیاں کو اپنی حالتِ بد کا
وہ سمجھا قول پورا ہونے والا ہے محمدؐ کا
یقیں آیا زمین و آسماں کو طیش آیا ہے
ہر اول بن کے خاک و باد کا یہ جیش آیا ہے
یہاں اب ایک ساعت بھی کھڑے رہنے میں خطرہ ہے
میری ہی جستجو میں ذرّہ ذرّہ قطرہ قطرہ ہے

محمدؐ کی مدد کا ہوگیا ہے غیب سے ساماں

یہاں سے بھاگ ابوسفیاں، یہاں سے بھاگ ابوسفیاں

(شاہ نامہ۔حفیظ جالندھری)

صبح کو مسلمانوں نے بکھرے ہوئے سامان اور غلیظ میدان کے علاوہ وہاں کچھ نہ دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب قریش ہم پر کبھی چڑھائی نہیں کریں گے۔اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔یہ جنگ جو برپا نہیں ہوئی نتائج دور رس چھوڑ گئی۔

۱۔ سب کو معلوم ہوگیا کہ اب طاقت مسلمانوں کے پاس ہے۔ مرکزِ قوت مدینہ ہے۔

۲۔ یہودیوں اور منافقوں کا پردہ چاک ہوگیا۔اور مسلمانوں کو یہ جواز مل گیا کہ وہ یہودیوں کو سزا دیں (اخطب کو سزائے موت اسی لڑائی کے دوسرے دن دی گئی)۔

۳۔ اب اسلام چھوٹے چھوٹے قبائل کے پاس نہیں جارہا تھا بلکہ وہ اپنے وفود اس نئی قیادت نئی طاقت اور نئے دین کے پاس بھیج رہے تھے۔ مشہور اسلامی محقق ڈاکٹر حمید اللہ آدھی صدی پیرس فرانس میں مقیم رہے اور اسی سال انتقال فرمایا انھوں نے لکھا ہے کہ جنگِ خندق کے بعد جتنے وفود باہر سے مدینہ آئے حضورِ پاک ﷺ کے پاس اتنے اس سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔

مسجدِ نبوی کا جی ایچ کیو چھٹی منارہا تھا عارضی طور پر کیونکہ اب کفار اور یہود کی مشترکہ طاقت کے ایسی افراتفری میں بھاگ جانے کے بعد کوئی بڑی جنگی کاروائی متوقع نہیں تھی۔ مگر محکمہ خارجہ اور ٹائم کر رہا تھا کیونکہ اب سارے عرب کو آنے والے وقت کا اندازہ ہوگیا تھا اور عرب میں کونسی طاقت ابھرنے والی تھی یہ ہر آنکھ کو نظر آرہا تھا۔اور

سارے قبائل اس نئی طاقت سے اپنے تعلقات استوار کرنے پر مستعد تھے۔ وفد کے بعد وفد۔ قاصد کے بعد قاصد۔

یہودی مدینہ اور نواحِ سے نکالے جا رہے تھے۔ بہ حکم بھی اور بہ زوری بھی۔ مگر زور کا استعمال کچھ پر زور نہیں تھا۔ کیونکہ یہودی مہاجن لڑائی میں کم ماہر تھے اور سازش میں زیادہ ماہر۔ اور اب وہ سازش کرتے بھی کس سے سوائے شیطان کے۔

ہجرت کا چھٹا سال

حضور جنگ خندق سے واپس آئے تو سارے لشکر کی طرح سخت تھکے ہوئے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ 23 دن یا 30 دن یا 36 دن (مختلف روایات) کے بعد مجاہدوں کو گھر کی شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ 36 دن تک دن رات کا پہرہ۔ مستقل ہتھیار بدن پر۔ جب جسم اتنا تھک جائے کہ آدمی آنکھ کھلی نہ رکھ سکے تو کھلے پتھروں پر/ بغیر کسی بستر یا لحاف کمبل کے/ شدید سردی میں/ دو ایک گھنٹے آنکھ جھپکا لے اس امید اور یقین پر کہ ساتھی مجاہد چوکس چالاک جاگتا رہے گا اور اس نیند کا قرض اپنے ساتھی کو ادا کرنا پڑے گا کہ جب وہ آنکھ کھلی نہ رکھ سکے تو اسکو سونے کی اجازت دے اور یقین دلائے کہ پہرہ قائم رہے گا۔ اس درمیان میں کھانا بھی کم ہی کم میسّر/۔ دوسرے دن یا اسکے بعد/۔ ستّو اور پانی/۔ سامنے قریش کے حریف اونٹ کے کباب اور شراب کے باوجود اس فضول کی جنگ سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ یہ جنگ اعصاب کی اور برداشت کی جنگ بن گئی تھی۔ مجاہدین کو ایک کام مزید کرنا پڑتا تھا کہ وقفہ وقفہ سے شہر کی خبر لینا کہ آدھے دن یا اس سے ذرا کم کی مسافت پر بنو قریظہ آمادہ فساد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مسلمانوں کی شکست کے منتظر تھے کہ لوٹ مار میں اپنا حصّہ لیں۔ انھیں یہود کی مدد اور قریش کے جنگجو لشکر پر یقین تھا کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجنے والی ہے اور مجاہد قید ہونگے اور پردہ دار بی بیاں-----

مسلمانوں کے روز کے گشتی دستوں نے انکو سکھایا کہ ابھی انتظار کر لیں اپنی جانیں گنوائے بغیر سب کچھ ہاتھ میں آجائے گا۔ پھر جب قریش صبح کو فرار ہو گئے اور انکے فرار کا یقین کرنے کے بعد حضور مدینہ میں آئے اور ظہر کی نماز کی تیاری میں ام المومنین عائشہ کے حجرہ میں غسل کرنے گئے تو ام المومنین نے بتایا کہ باہر مسجد میں جنازہ کی نماز کی جگہ پر وحیہ کلبی کھڑے ہیں اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ حضور باہر نکلے اور چند لحہ وحیہ کلبی کے ساتھ رہے۔ وحیہ کلبی نے کہا کہ حضور آپ نے ہتھیار کھول دیئے حالانکہ فرشتے ابھی تک ہتھیار بند ہیں۔ حضور نے عجلت میں اعلان کیا کہ تمام مسلمان جہاد کی راہ پر نکل کھڑے ہوں اور نماز عصر نہ پڑھیں مگر بنو قریظہ میں سب مسلمان مجاہد چل پڑے۔ چند نے

راستہ میں عصر کی نماز ادا کی اور چند نے منزل پر پہنچ کر عشاء کے ساتھ۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے کسی سے تعرض نہیں کیا۔ کیوں کہ دونوں کی نیت صاف تھی۔ راستے میں بنو نجار ملے ہتھیار بند کھڑے تھے۔ پوچھا تمھیں کیسے پتہ چلا تو وہ بولے وحیہ کلبی بتا گئے ہیں۔ کسی نے کہا کہ وہ وحیہ کلبی نہیں تھے وہ تو یہاں ہمارے ساتھ کھڑے ہیں۔ وہ جبرئیل تھے۔ قبیلہ قریظہ کے جوان لڑنے والے مرد قتل کر دیئے گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو جنگ خندق سے پہلے پوچھتے تھے۔ کون سا معاہدہ؟۔ کون محمد؟۔ انکو انکے سوال کے جواب یہاں نہیں دیئے گئے بلکہ ان کو آگے اللہ تعالیٰ کے دربار میں روانہ کر دیا گیا جہاں شاید (بلکہ یقینی) ایسا سوال کرنے کی اجازت نہیں ملی ہوگی۔ اور اسطرح۔ امّت مسلمہ حضور ﷺ کے زیر سایہ اپنی مدنی زندگی کے چھٹے سال میں داخل ہوگئی۔ (حی بن اخطب قتل ہوا) یہ وہ شخص ہے جو مکّہ جا کر قریش کو پھلا کر لایا تھا۔ قریش اور ابو سفیان تو مکّہ کے راستہ کو آدھا عبور کر چکے تھے۔

سریہ محمد بن مسلمہ نجد کی طرف

نجد اولین اسلام کے لیئے اور بعد میں اسلام کے لیئے ایک چبھتا کانٹا تھا۔ راستہ سے حضور نے محمد بن مسلمہ کی سرکردگی میں 10 محرّم 6 ھجری کو ایک دستہ فوج کا 30 سواروں کا نجد کی طرف روانہ کیا۔ وہاں قبیلہ بکر بن کلاب کی شاخ قرطاء آباد تھی یہ مجاہد دن کو چھپے رہتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے۔ سات دن کے سفر کے بعد اچانک پہنچ کر قرطاء پر چھاپا مارا۔ دشمن کے دس افراد قتل ہوئے باقی بھاگ نکلے۔ مال غنیمت میں 150 اونٹ اور تین ہزار بکریاں ہاتھ لگیں مجاہد 19 دن کے بعد مدینہ واپس آئے۔ اس مہم میں مجاہدوں نے لوٹتے ہوئے ایک شخص کو گرفتار کر لیا۔ مدینہ لائے۔ نبی کریم نے اسے شناخت کر لیا۔ کیا حضور اسکو پہلے سے جانتے تھے یا پہچانتے تھے؟ نہیں!! کیا حضور کو معلوم تھا کہ یہ شخص قرطاء میں کنویں کے پاس ملے گا؟ یہ بات اللہ جانے یا اس کا رسول۔ یہ شخص وہی تھا جو مسلیمہ کذّاب کے اشارے پر

حضور کے قتل کے ارادے سے نکلا تھا بلکہ اعلان بھی کر رکھا تھا (رحیق المختوم۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری) اور پچھلے شب خون میں ایک یا دو مجاہدین کو قتل کر چکا تھا۔ (اسکے آگے اقتباس مولف ہی کی پرانی کتاب ہدیہ دل سے)۔

بے خوف چیتا

مسجد نبوی میں ستون کے ساتھ ایک بے خوف چیتا رسّی سے بندھا ہوا ایک اور ستون نظر آتا ہے۔ یہ ایک قیدی ہے۔ سزائے موت سنائی جا چکی ہے۔ مگر اس تنومند لمبے چوڑے انسان کا سر بلند ہے۔ آنکھ میں نہ موت کے ڈر کی پرچھائی ہے۔ نہ آنسوؤں کی برسات ہے۔ ہونٹوں میں دبی ہوئی ایک استہزائی مسکراہٹ ہے کہ یہ بھوکے کمزور مسلمان جو سجدوں میں سسکیوں اور ہچکیوں سے روتے ہیں اور جن کو کئی کئی دن کے بعد پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے۔ اس قیدی کے رکھوالے ہیں۔ یہ ایک دفعہ اس کے ہاتھ کھول کر دیکھیں یہ سب کو چبا ڈالے گا۔ اس وقت تو بندھا ہوا ہے۔

اس چیتے کا نام ثمامہ بن اثال ہے۔ یہ یمامہ کا بادشاہ ہے۔

سن 4ھ کا وقت ہے فتح مکّہ میں ابھی دو ڈھائی سال کی دیر ہے۔ حضور ﷺ نے تمام بادشاہوں اور سرداروں کو تبلیغی خطوط روانہ کیے ہیں۔ ثمامہ نے اور کئی دوسرے بادشاہوں کی طرح خط سے توہین آمیز سلوک کیا۔ حضور ﷺ کے قتل پر آمادہ ہو کر راتوں کو مدینہ کے گرد و نواح کے چکّر لگائے۔

وہ آفتاب نبوت تک تو نہ پہنچ سکا مگر دھوکے سے چند صحابہ کو گرفتار کر کے اذیت دے کر شہید کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس کا خون حلال کر دیا کہ جہاں ملے جیسے ہی ملے قتل کر دیا جائے اس کی قسمت بری تھی کہ جب وہ مدینہ کے باہر (رات کے گھومنے والے چیتے کی طرح) اپنے شکار کی تلاش میں تھا مسلمان فوج کے ایک چھوٹے سے دستے سے اچانک ٹکراؤ ہوا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے مدینہ پہنچا دیا گیا کہ صبح کو حضور ﷺ اس کا فیصلہ کریں گے۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ مسلمان گشتی دستہ میں اس کو کوئی پہچانتا نہیں تھا ورنہ اس کا فیصلہ اسی رات ہو جاتا۔ صبح کو حضور ﷺ نے اس

''بے خوف چیتے'' کو دیکھا تو گشتی دستے سے سوال کیا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ ''یہ ثمامہ بن اثال ہے''۔

کچھ تلواریں میان سے باہر آ گئیں مگر حضور نے فرمان جاری نہیں کیا۔ ثمامہ سے پوچھا۔ ''ثمامہ کیا کہنا ہے''۔

ثمامہ بولا۔ ''اگر آپ مجھ کو قتل کرا دیں گے تو یہ عین انصاف ہوگا''۔ ''اگر آپ مجھ کو آزاد کر دیں گے تو یہ احسان ہوگا ایسے شخص پر جو احسان کی قدر پہچانتا ہے''۔ اگر آپ کو فدیہ چاہئے تو حکم فرمایئے۔ ''جو مال کہیں گے حاضر کر دیا جائے گا''۔ حضور ﷺ نے مزید کچھ گفتگو نہیں کی اور مسجد کے اندر چلے گئے۔ صحابہ نے شاید حفاظت میں مزید مستعدی دکھائی ثمامہ نے کہا تھا کہ اگر آپ مجھے قتل کر دیں گے تو عین انصاف ہوگا۔ **شاید اس کو انصاف سے اگلی منزل ''رحمت'' کا علم نہیں تھا کہ وہ نبیِ رحمت سے مخاطب ہے۔** حضور کا حکم ہوا کہ حضور کی خاص اونٹنی کا دودھ ثمامہ کو وافر مقدار میں دیا جائے۔ ثمامہ نے بھی وہ دودھ پی کر یہ دکھایا کہ موت کا خوف ایسا نہیں کہ اس کو بھوک لے اڑے۔

دوسرے دن حضور نے پھر وہی سوال کیا۔ جواب ملا۔

''اگر آپ مجھے قتل کرا دیں گے تو عین انصاف ہوگا۔ اگر رہا کر دیں گے تو آپ ایک احسان شناس آدمی کو رہا کریں گے اور اگر فدیہ چاہئے تو وہ حاضر کر دیا جائے گا۔ آپ حکم فرمائیں کیا فدیہ چاہئے۔

اس کے بعد روایت ہے کہ ثمامہ سے دو روز تک کوئی سوال جواب نہ رہا۔ چیتا اونٹنی کا دودھ پیتا رہا۔ اس کے قلب کے اندر کیا ہو رہا تھا اس کو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا (سوائے رسول کے)

تیسرے دن جب حضور نے پھر پوچھا تو ثمامہ کا وہی جواب تھا۔ حضور کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ شاید ثمامہ کا علاج مکمّل ہو چکا تھا۔ حضور نے فرمایا ''اس کی رسّی کھول دو''۔ جب رسّی کھلی تو چیتا ایک لمحہ بھی نہیں رکا۔ نہ شکریہ نہ سلام۔ یہ سب تکلّفات اس وقت ہوتے ہیں جب جذ معتبر نہ ہو۔ چیتا دوڑتا ہوا اپنے اونٹ کے پاس پہنچا اور

ایک جست میں اس کی گردن پر پہنچا اور ذرا سی کسمساہٹ سے کجاوہ پر اور اونٹ پوری تیز رفتاری سے مدینہ سے بھاگ نکلا۔ مدینہ کے باہر ثمامہ بھاگ نہیں رہا تھا۔ ثمامہ لمحات کو گرفتار کر رہا تھا کہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہو جائے۔ ایک چشمہ پر رکا۔ اپنے کپڑے پاک صاف کئے۔ خود نہایا۔ وضو کیا۔ اور اب آنکھ نے اپنا وضو کا عمل تیز کر دیا۔ ثمامہ رو رہا تھا جیسا وہ کبھی نہیں رویا۔ اونٹ واپس مدینہ آ رہا تھا۔ ثمامہ اس اونٹ "پر سر بلند" نہیں "سر بہ زانو" بلکہ سر بسجدہ بیٹھا ہوا تھا۔ مسجد نبوی کے سامنے اونٹ سے اتر کر ایک تائب مجرم کی طرح (نہیں نہیں ایک مودب پجاری کی طرح) مسجد کے اندر آیا۔ حضوری میں پیش ہوا اور اگر دوسرے (ہونے والے برادر) صحابہ نے سنبھال نہ لیا ہوتا تو شاید سجدے میں گر پڑتا۔ کسی ہونے والے برادر صحابی نے کہا کہ بھائی کلمہ پڑھو کہ یہ پہلا کام ہے اور ضروری ہے۔

اب ثمامہ کی ادا سمجھ میں آئی جو صرف فراست رسول کی گرفت میں تھی۔ اب شام کو "حضوری" سے فارغ ہو کر ثمامہ رضی اللہ عنہ اپنے ہم چشموں عمر۔ علی۔ حیدر۔ خالد بن ولید۔ ابو دجانہ وغیرہ کے ساتھ بیٹھے تو سب کو معلوم تھا کہ

ثمامہ نے حضور ﷺ کے سامنے ایک گڑگڑاتا ہوا روتا دھوتا خوف زدہ اسلام پیش نہیں کیا تھا کہ یہ رسول کی شان سے اور ثمامہ کی شان سے کمتر تھا۔

ثمامہ نے حضور ﷺ کے سامنے ایک آزاد بے خوف سر بلند انسان کا اسلام اور سلام پیش کیا تھا۔ اور اگر ثمامہ کی نظریں سجدہ گزار تھیں۔ آنکھیں آبشار تھیں تو بھائی یہ تو تمغات تھے اور تمغات سینہ پر سجانے کا ہر سپاہی کو حق ہے۔

حضور ﷺ نے ثمامہ کے زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف کر دیئے اور ان کی بادشاہت پر انہیں حکماً روانہ کیا۔ مگر ثمامہ کا غصہ کفار پر پوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے بھی ختم نہیں کیا۔

ثمامہ نے اجازت مانگی۔ ''حضور میں گھر سے عمرہ کرنے نکلا تھا کہ اس سے بھی بڑا منصب آپ کی غلامی کا مل گیا۔ اب کیا کروں۔ حضور نے فرمایا کہ عمرہ کرو مگر ''اسلامی طریقہ سے'' ثمامہ مکّہ کو چلے۔ آواز بلند سے تلبیہ ادا کرتے ہوئے۔ سیرت اور تاریخ بتاتی ہے کہ ثمامہ پہلے مسلمان تھے جو مکّہ میں تلبیہ **(لبّيك اللهم لبّيك لا شريك لك لبّيك ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك)** پڑھتے ہوئے داخل ہوئے کہ مکّہ کی فتح اور مسلمانوں کے کعبہ میں داخل ہونے میں دو سال کا عرصہ باقی تھا۔ اسلام کا یہ بلند آواز اعلان سنّت عمر اور سنّت حمزہ کہلاتا ہے۔ ایک اکیلے انسان کا اس طرح دندناتے ہوئے مکّہ میں داخل ہو کر اعلان حق قریش کو گوارا نہیں ہوا اور عادت کے مطابق وہ ثمامہ پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ ثمامہ نے کہا کہ ''اگر یہ حرم نہ ہوتا اور میری تلوار نیام میں نہ ہوتی تو میں یہاں پچاس سر تمہارے لڑھکا دیتا۔ کسی نے قریشی کفار کو بتایا کہ یہ ثمامہ ہے یمامہ کا بادشاہ اور یقین ہے کہ ابن عبداللہ کی طرح معاف کرنے والا نہیں ہے بلکہ تم کو چن چن کر مارنے والا ہے اور یہ نہ بھولو کہ مکّہ کا سارا غلّہ یمامہ سے آتا ہے۔

قریش کو پیٹ کا حساب فوراً سمجھ میں آجاتا ہے۔

ثمامہ اپنا عمرہ ختم کر کے اپنی بادشاہت میں لوٹ آئے مگر مکّہ کے لئے غلّہ کی ترسیل منقطع کر دی گئی۔ جب قریش بھوکے مرنے لگے تو اپنے دشمن رسول اللہ ﷺ سے رحم کی درخواست کی (واضح رہے کہ اسی مؤلف نے قریش کو رسول اللہ ﷺ کا دشمن کہا ہے۔ ہمارے حضور تو کسی کے دشمن نہیں تھے)۔

حضور ﷺ نے ثمامہ کو حکم بھیج دیا کہ مکّہ والوں پر رحم کرو۔ ان کو بھوکا نہ مارو۔ واضح رہے کہ اس وقت سے سات آٹھ سال پہلے حضور کے خاندان کو شعب ابو طالب نے انہیں قریش نے بھوکا مارنے کی کوشش کی تھی۔ مگر میرا آقا! اور اس کی سیرت !!۔

''با دوستاں تلطّف با دشمناں مدارا''

ثمامہ پھر نظر آتے ہیں جب وہ فتنۂ ارتداد میں مسلیمہ کذّاب کی سرکوبی کر رہے ہیں۔ خالد بن ولید بھی مدینہ

سے آ گئے ہیں ثمامہ بہادر احسان مند انسان کی طرح اور ایک دلیر مسلمان کی طرح اس مشکل وقت میں اپنے قبیلہ کو فتنہ ارتداسے باہر نکال لائے اور مرتدوں کی سرکوبی نمایاں حصہ لیا۔

☆☆☆☆☆☆

صلح حُدَیبیہ

انّا فتحنا لک فتحاً مبینا

خواب دیکھا میرے آقا نے کہ وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں۔ نبی کا خواب تو حکم الٰہی ہوتا ہے۔ (حضرت ابراہیم نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اپنے بڑے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں) وہ حکم دینے والے حکم تو دے دیتے ہیں مگر بعد میں کیا ہوتا ہے/ اسماعیل ذبح نہیں ہوئے اور حضورنبی کریم ﷺ بیت اللہ تک نہیں پہنچ سکے۔ صحابہ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ انتظامات شروع ہوگئے۔ حضرت عبداللہ بن مکتوم کو مدینہ میں نائب مقرر کیا گیا۔ حرام مہینے تھے (چار مہینوں میں عرب میں کوئی قتل وخون نہیں ہوتا تھا وہ حرام مہینے کہلاتے تھے۔ یہ حج کے مہینے سے ملحق اور شعبان تھے) مدینہ پر حملہ کا اس زمانے میں کوئی خاص خدشہ نہیں تھا۔ بہرحال نبی کریم کی آنکھ زیادہ دور دیکھ رہی تھی یکم ذی قعدہ 6ھ جو قاضی سلمان کی تقویم کے لحاظ سے مارچ 628ء تھی حضور مدینہ سے روانہ ہوئے خاص اونٹنی (بیگم قصویٰ) حضور کی سواری میں تھیں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ عمرہ کا عام اعلان ہوا۔ (اس میں بھی مصلحت تھی کہ سارے عرب کو معلوم ہوجائے کہ سفر عباداتی تھا جنگی نہیں۔ صدیوں سے عرب روایات تھیں کہ عمرہ اور حج کے سفر میں مکمل امن ہوتا تھا) ابن اسحاق نے ایک جگہ چودہ سو اور دوسری جگہ پندرہ سو کی تعداد عازمین عمرہ کی بتائی ہے۔ ممکن ہے کہ راستے میں اضافہ ہوا ہو۔ مسلمان جب کنویں اشطاط پر اترے تو جاسوسوں نے خبر دی کہ قریش نے قافلہ کو روکنے کی ٹھان لی ہے۔ ان کی منطق یہ ہے کہ حضور عمرہ کے بہانہ سے لشکر مکہ کے اندر لے آئیں گے اور مکہ پر قبضہ کرلیں گے۔ یہ بات ان کو کسی شیطان نما انسان نے یا انسان نما شیطان نے سمجھائی تھی۔ احابیش کا سردار (حبشیوں کا سردار) حلیس بن علقمہ جس کا قریش سے حلف تھا مدد کو پہنچا۔ کچھ اور حلیف بھی پہنچے کل تعداد 8 ہزار مانی گئی۔ جو مختلف راستوں پر بٹے ہوئے تھے۔ دو سو سواروں کے دستہ پر خالد بن ولید تیز رفتار حملوں کے لیئے تیار تھے۔ پہاڑ کے درّے میں کھڑے تھے۔ (وہی جنگ احد والا انداز) قریش کے سردار عکرمہ بن ابو جہل ایک اور سمت اور زاویہ پر تھے۔ ضوان

بن امیہ سہیل بن عمرو عامری اور عکرمہ بن ابوجہل اوران کے ساتھ حویطب بن عبدالعزیٰ ای مل کر اخراجات برداشت کر رہے تھے۔ (یہ کام جنگ خندق میں یہود کے ذمّہ تھا) یہ آٹھ ہزار مسلّح تھے۔ جبکہ پندرہ سو مدنی عازمین عمرہ صرف ایک ایک تلوار کے ساتھ تھے جو عام طور پر مسافروں کے لباس میں شامل ہوتی ہے۔

حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا تو ابوبکر نے کہا کہ ہم عمرہ کے لیئے نکلے ہیں جنگ کا ارادہ نہیں ہے لیکن اگر کوئی مزاحمت کرے گا تو پھر پیٹھ پھیر کے تو ہم نہیں بھاگیں گے۔

حضور نے آگے بڑھنے کا ارادہ کر لیا مگر ایک جنگی چال کے طور پر اس راستے سے کٹ گیئے جس پر خالد بن ولید کا گھڑ سوار دستہ منتظر تھا تمام رات کے سفر کے بعد حدیبیہ کے میدان میں نکلے جہاں سے مکّہ 9 میل ہے۔ جب مسلمانوں نے مکّہ کی طرف مڑنا چاہا تو قصویٰ بیٹھ گئی۔ قصویٰ کی رائے لینی بھی ضروری تھی۔ آج سے سات سال پہلے قصویٰ نے فیصلہ کیا تھا کہ حضور کے میزبان ابوایوب انصاری ہونگے۔ آج قصویٰ نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمان آگے نہیں جائینگے۔ جب حضور ﷺ نے قصویٰ کو کوچا دیا تو وہ اٹھ کے تھوڑی دور چلی اور حدیبیہ کے کنویں کے پاس بیٹھ گئی گویا یہاں قیام ہوگا یہاں پانی ہے۔ لوگوں نے شور مچایا کہ قصویٰ تھک گئی ہے حضور نے فرمایا کہ قصویٰ کو حکم الٰہی ہوا ہے کہ بیٹھ جائے۔ (ابن ہشام)

حدیبیہ کے قیام کے دوران ہمارے آقا نے حضرت خراش بن امیہ خزاعی کو قریش کے پاس روانہ کیا کہ حضور کی آمد کا مقصد سمجھائیں۔ قریش نے حسب عادت شرارت کی۔ حضرت خراش تو سلامت واپس آ گئے مگر انکا اونٹ "شہید" ہوا (یہ طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہے کہ اونٹ اتنا زخمی کیا کہ حضرت خراش پیدل واپس آئے۔ سفیر کو قتل نہیں کر سکتے تھے اور ویسے بھی یہ حرام مہینہ تھا)۔

حضور نے پھر وہی بات دہرائی کہ قریش کو چاہیئے کہ وہ مجھ کو سارے عرب سے نبٹنے کے لیئے چھوڑ دیں۔ اگر میں غالب آیا تو یہ غلبہ قریش کا ہوگا اور اگر عرب نے مجھ کو زیر کر لیا تو قریش میرے خدشہ سے محفوظ ہو گئے۔ (یہ بات سیوطی جلال الدین نے خصائص الکبریٰ میں بیان کی)۔

قریش سفیر بدیل نے یہ ساری بات قریش کو سمجھائی مگر قریش کو سمجھانے کی طاقت کس میں تھی۔ وہ سمجھنے والے تھے ہی نہیں۔ دوسرا سفیر قریش عروہ بن ثقفی مسلمانوں کے کیمپ میں آیا تو اسنے ہدی کے اونٹ دیکھے اور یہ دیکھا کہ مسلمان ہتھیار نہیں لائے تھے۔ مسلمان احرام پوش تھے جس میں جنگ اور خوں ریزی ممکن ہی نہیں تھی۔ عروہ چالاک تھا۔ سمجھ گیا کہ لڑائی تو ہونی نہیں۔ اسنے قبائلی عصبیت کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ ایک نظر صحابہ پر ڈالی اور کہا کہ ''اے محمد آپ جو یہ پنچ میل قسم کے افراد جمع کر لائے ہیں۔ بھانت بھانت کے جانور جن میں آپس میں کوئی رابطہ ہی نہیں یہ سب جنگ شروع ہوتے ہی رفوچکّر ہو جائیں گے آپ اکیلے رہ جائینگے''۔

وہ اسلام کی شیرازہ بندی اور دینی اخوت سے یکسر نا آشنا تھا۔ حضرت ابوبکر سے برداشت نہ ہوا۔ اسنے دینی بھائیوں کی وفاداری پر حملہ کیا تھا اور حضور کے سامنے شوخ زبان استعمال کی تھی۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ ''او بد بخت جا اپنی دیوی لات کی فلاں جگہ کو چاٹ۔ تو ہماری وفاداری پر شک کرتا ہے؟''۔ (ایسی زبان حضرت ابوبکر نے اسلام لانے کے بعد شاید پہلی دفعہ اور آخری دفعہ استعمال کی مگر میں اسکو سند کے بعد لکھ رہا ہوں۔ (سند رحیق المختوم کی) یہ بات غم اور غصہ کی اطلاع دیتی ہے)۔

وہ حضور سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ عرب کے دستور کے مطابق وہ اپنی بات کو سمجھانے کے لیئے اور نرمی دکھانے کے لیئے بار بار حضور ﷺ کی داڑھی کو ہاتھ لگانا چاہتا تھا۔ ہر ایسے موقع پر محافظ اپنی تلوار کی میان سے ہاتھ کو روک دیتا تھا۔ ایک موقع پر اسنے کہا کہ ''او بے ادب اپنی حد سے آگے نہ بڑھ۔ اپنے ناپاک ہاتھ سنبھال کر رکھ''۔ عروہ سمجھ گیا کہ یہ پندرہ سو ایک زبان بولتے ہیں۔ آٹھ ہزار مسلّح افراد سے رعب نہیں کھا رہے ہیں۔ اور اگر جنگ ہوئی تو یہ پندرہ سو افراد کم از کم دو ہزار افراد کو مرنے سے پہلے کھا جائینگے۔ فیصلہ کر لیجئے کہ مرعوب کون تھا۔ خوف زدہ کون تھا۔

عروہ واپس گیا اور قریش کے سامنے بیٹھ کر اسنے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ لوگو میں نے قیصر کی شان بھی دیکھی ہے میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے۔ نجاشی کے پاس بھی گیا تھا لیکن جیسا محمد کا دربار دیکھا ہے ویسا کوئی اور نہیں۔ کوئی جاہ وحشم اور شان و شوکت کا مظاہرہ نہیں۔ مگر احترام تعظیم اور محبّت کا ایسا امتزاج نہیں دیکھا۔ ایسی عقیدت ایسی فرماں برداری کہ ہر آدمی حکم کا منتظر اور حکم برداری دوڑ کر۔ نگاہ نیچی۔ آواز مدھم۔ وضو کا پانی زمین پر گرنے سے پہلے

پرستار چلّو میں لیکر منہ پر مل لیتے تھے لعاب دہن زمین پر نہیں گرتا تھا۔ ہر ایک کی پوری توجہ عقیدت محبّت آقا کے لیئے۔ یہ بات کسی دینوی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھی۔ دیکھو نہ لڑوان سے۔ دیکھو مان لو ان کی بات۔ ورنہ اسکے آگے تم ذمہ دار ہو۔ حلیس بن علقمہ حبشی سردار بولا کہ ذرا میں بھی تو دیکھ لوں۔ آیا مسلمان کیمپ کے پاس۔ ہدی (قربانی) کے اونٹ دیکھ کر ان کے احترام میں راستے سے پلٹ گیا اور جا کر قریش سے کہہ دیا کہ "اگر تم ان سے لڑے تو میرے حبشی قبیلہ والے اور میں واپس جا رہے ہیں۔

سفیر آتے رہے۔ ایک کے بعد ایک اور۔ مگر کوئی بات بنی نہیں۔ مسلمانوں نے بھی ایک سفیر بھیجا۔ حضرت عثمان کو۔ عثمان کا اموی قبیلہ مکّہ میں مضبوط تھا۔ خود ابوسفیان اموی تھا عثمان کے واپس آنے میں دیر ہوئی تو لوگوں میں تشویش پھیلی کچھ نے کہا اور سوچا کہ عثمان طواف کر رہے ہونگے۔ حضور نے فرمایا کہ عثمان مجھ سے پہلے طواف نہیں کریں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ تم کو اجازت ہے تم طواف کر لو۔ عثمان نے کہا میں آقا ﷺ سے پہلے طواف نہیں کر سکتا۔ عثمان کو آنے میں دیر ہوئی۔ اطلاع آئی کہ عثمان کو قید کر لیا گیا۔ پھر خبر آئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔ حضور نے فرمایا "ہم اس مقام سے اسوقت تک نہیں ٹل سکتے جب تک کہ عثمان کا بدلہ نہ لے لیں۔ وہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے صحابہ کرام سے بیعت لینی شروع کی لوگ اس کو موت پر بیعت سمجھتے تھے اور وہ بیعت دراصل اصل زندگی کی بیعت تھی کہ جہاں آقائے دو جہاں وہاں یہ سارے غلام۔ اسلحہ کی ضرورت نہیں تھی نہ مصلحت کی۔ یہ مسئلے آقا کے تھے غلام کے نہیں کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے بنی اسد کے ابوسفیان بن وہب نے بیعت کی۔ ابن سعد کو اس بات کی تصریح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مولّف سمجھتا ہے کہ ہر ایک نے ہر ایک سے پہلے بیعت کی۔ چودہ سو افراد نے بیعت کی۔ عمر نے بیعت کی تو حضور کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے جیسے حضور کو ہاتھ اونچا رکھنے کے لیئے سہارا دے رہے ہیں۔ آخر چودہ سو آدمیوں کی بیعت میں وقت تو لگنا تھا۔ بعض راز دانوں کو گمان بلکہ یقین ہے کہ یہ ایک بہانہ تھا جو عمر نے اختیار کیا حضور ﷺ کا ہاتھ تین گھنٹے تھامے رہنے کا جواز ڈھونڈھ لیا تھا۔ ایسے بہانے عاشق ڈھونڈھ ہی لیتے ہیں۔ قابل معافی ہیں یہ معصوم بہانے۔

آخر میں حضور نے فرمایا کہ عثمان اللہ اور اسکے رسول کے کام پر گئے تھے۔ ان کی طرف سے میں خود بیعت کرتا ہوں۔ اپنا سیدھا ہاتھ حضور نے بائیں ہاتھ پر مار کر کہا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔

اس بیعت کو بیعت رضوان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سورہ فتح میں آیت نمبر10 ۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا o

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں دراصل اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ انکے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو عہد توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اس کو ہے۔ اور جو اس بات کو جس کا عہد اللہ سے کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا''۔

سورۂ فتح کی آیات نمبر۱۸۔

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ وَ اَثَابَہُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا o

ترجمہ: ''بے شک اللہ ان مومنین سے راضی ہوگیا جنھوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔ جو خلوص ان کے دلوں میں ہے اللہ کو وہ بھی معلوم ہے۔ اللہ نے ان پر تسلّی نازل فرمائی۔ انھیں فتح قریب عطا کی۔ اور بہت سی غنیمتیں ہیں جو ان کو ملنے والی ہیں۔ اللہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

صحابہ کے لیئے ان آیات کے بعد سے ہی ''رضی اللہ عنہ'' کا لاحقہ علماء نے لازم کرلیا۔

حضرت عمر کی تجویز ہوئی کہ جوش جہاد اور جذبہ جاں نثاری اپنی جگہ مگر مدینہ سے فوری طور پر ہتھیار منگا لیئے

جائیں۔ اجازت ملی کچھ صحابہ روانہ کیئے گئے۔ اطلاع آئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد بھائی کے گھر مقیم ہیں اور قریش کا تازہ جواب لے کر آنے والے ہیں۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ قریش نے مانا کہ عمرہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا مناسب نہیں ہے مگر اسوقت اگر مسلمان مکّہ میں داخل ہوئے تو قریش کی ساکھ گر جائیگی اور گمان غالب ہے کہ مکّہ کے کچھ نوجوان حرم میں لڑائی شروع کر دیں۔ اسلیئے مناسب یہ ہوگا کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال قضا عمرہ کے لیئے آئیں۔ مکّہ میں تین دن قیام کی **اجازت** ہوگی۔ مکّہ والے تین دن کے لیئے مکّہ خالی کر دیں گے۔ سوچیئے کہ سہیل صاحب کس **اونچائی** سے حضور نبی کریم ﷺ کو اجازت عطا فرما رہے ہیں اگلے سال عمرہ کی۔ دیکھیئے اگلے سال تک کیا ہوتا ہے۔ معاہدہ منظور ہو گیا کیونکہ حضور جنگ پر راضی نہیں تھے۔ (موَلف کے کان میں آواز آئی کہ یہ نہ لکھو۔ اس طرح لکھو کہ معاہدہ منظور ہو گیا کیونکہ حضور کو فتح مبین مل چکی تھی)۔

سہیل نے مزید شرط لگائی کہ جو کوئی مدینہ سے بھاگ کر مکّہ آئے گا وہ واپس نہیں کیا جائے گا اور جو مکّہ سے بھاگ کر مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا۔ حضرت عمر نے پھر اعتراض کیا کہ اس شرط کو قبول نہ کیا جائے۔ ارشاد ہوا عمر خاموش رہو۔ سہیل نے اسے دہرایا۔ عمر نے پھر اعتراض کیا۔ حضور نے مسکرا کر عمر سے کہا کہ جو کوئی ان سے ٹوٹ کر ہمارے پاس آنا چاہے گا اللہ اسکا راستہ پیدا کرے گا اور جو ہم سے ٹوٹ کر ان کے پاس گیا وہ ہمارے کسی کام کا نہیں۔

شرائط پر اتفاق ہو گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کاتب ہیں۔ پہلا جملہ لکھا گیا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل بولا ہم رحمٰن کو نہیں جانتے نہ رحیم کو۔ ''باسمک اللّھم'' لکھو۔ حضور ﷺ نے منظور کیا۔ حضرت علیؓ نے ویسا ہی لکھ دیا۔ پھر لکھو کہ یہ معاہدہ ہے محمد رسول اللہؐ اور قریش کے درمیان۔ سہیل نے تلملا کر کہا کہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا ''یہ کام میں نہیں کر سکتا''۔

علیؓ نے زندگی میں پہلی دفعہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننے سے انکار کردیا۔ حضور ﷺ نے یہ الفاظ اپنے ہاتھ سے مٹادئے۔ اندازہ کرلیجئے صحابہؓ کا غم وغصہ کا۔

تلواریں نہیں کھنچ گئیں یہ صرف حضور ﷺ کے حکم کے مطابق تھا کہ ''جنگ نہیں ہوگی''۔

معاہدہ دس سال کے لیئے کیا گیا۔ (کون جانے اللہ تعالیٰ دس سال کی مہلت دیتے ہیں یا نہیں)۔

دوسری شرائط تھیں کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اگلے سال آئیں۔ سوائے تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہ ہو۔ مکّہ میں ان کا قیام زیادہ سے زیادہ تین روز ہو۔ مکّہ سے جو مسلمان مدینہ بھاگ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا اور مدینہ سے کوئی مرتد ہوکر مکّہ آئے تو واپس نہیں ہوگا۔ جو قبائل چاہیں مسلمانوں کے حلیف بن جائیں اور جو چاہیں قریش کے۔ سب اپنے معاہدے کے لئے آزاد ہیں۔

حضور ﷺ نے سب کچھ منظور کرلیا اور فرمادیا کہ مسلمان احرام اتار دیں قربانی کرلیں اور بال منڈ والیں۔ کوئی مسلمان اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ سب افسردہ تھے۔ مگر غصہ میں تھے۔ عمرؓ سب سے زیادہ غصہ میں تھے۔ وہ ابوبکرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ''کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟'' ۔ ''ہم دب کر صلح کررہے ہیں''۔ ابوبکرؓ نے وہی جواب دیا جو صدیق دیتا ہے ''ہم وہ کررہے ہیں جو حضور ﷺ نے فرمایا''۔ عمرؓ غصہ میں حضور ﷺ کے پاس بھی پہنچ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے کہا تھا کہ ہم عمرہ کریں گے مگر یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال عمرہ کریں گے۔ اگلے سال ہی سہی''۔

بعد میں حضرت عمرؓ اپنی اس جسارت پر کافی نادم رہے اگرچہ حضور ﷺ نے کوئی خفگی کا اظہار نہیں کیا۔

حضور ﷺ کا حکم تھا کہ مسلمان احرام اتار کر قربانی کرلیں اور بال منڈ والیں جب مسلمانوں نے فوری عمل نہیں کیا تو حضور ﷺ کچھ کبیدہ خاطر تھے۔ یہاں عورت کی بصیرت کام آئی۔ امّ المومنین سلمہؓ نے حضور ﷺ سے کہا کہ حضور ﷺ قربانی کرلیں۔ احرام اتارلیں اور حلق کروالیں۔ مسلمان متابعت کریں گے اور ایسا ہی ہوا۔

واپسی کے راستے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیغام بھیجا۔

اِنّا فتحنا لک فتحاً مبینا

ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح عطا کی

صلح حدیبیہ اور معاہدہ جنگ بندی کی وجہ سے مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ وہ قریش کی طرف سے بے خطر ہو کر چھوٹے چھوٹے دشمنوں سے نبٹ لیں۔ یہودی جتھوں نے جنگ خندق میں بیس ہزار سے زیادہ جنگجو اور سینکڑوں گھوڑوں اونٹوں کو جمع کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا انکو اب حساب دینا تھا۔ وہ ابھی بھی سیدھے نہیں ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے پندرہ دن کے اندر خیبر پر یلغار کی۔ عبداللہ بن ابئ نے جو مستقل منافق اور مستقل مدینہ میں زیرِ امان تھا ادھر خیبر میں اطلاع دلوادی اور ادھر مسلمانوں کو بھی ڈرایا کہ خیبر میں دس ہزار جنگی مرد ہیں۔ قلعہ مضبوط ہے۔ رسد غلّہ سال بھر کا ہے۔ مگر یہ سارا مال ومتاع رسد ہتھیار کام نہ آئے۔ خیبر کا سارا علاقہ فتح کرنے میں تین ہفتے لگے۔ مشہور سردار مرحب کو یہ اعزاز ملا کہ وہ تیغ اسد اللّھی کا شکار ہوا پندرہ مسلمان شہید ہوئے ترانوے یہودیوں کو جہنم کا ٹکٹ دے کر روانہ کیا گیا۔ باقی یہود نے اجرت پر کھیتوں میں کام کرنا منظور کیا۔

حدیبیہ کی دوسری شرط یہ تھی کہ ہر مسلمان کو جو مکّہ سے بھاگ کر آئے واپس کیا جائیگا۔ ابو جندلؓ جو سہیل سفیر قریش کے بیٹے تھے مکّہ سے بیڑیوں اور زنجیروں میں بندھے ہوئے کسی طرح لڑھکتے ہوئے معاہدہ کے وقت پہنچ گئے مگر سہیل باپ نے ضد کرلی کہ ابوجندلؓ کو واپس کرنا ہوگا۔ وہ روتے رہے مگر حضور ﷺ نے انکو واپس کردیا کہ ''گھبراؤ نہیں اللہ کوئی راستہ نکالے گا''۔ بعد میں ایک صاحب ابو بصیرؓ بھاگ کر آگئے۔ ان کو واپس لے جانے کیلئے دو قریش آگئے۔ حضور ﷺ نے ابو بصیرؓ کو واپس کردیا مگر وہ راستے میں ایک محافظ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور دوسرے کو دوڑاتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوگئے۔ حضور ﷺ نے ابو بصیرؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ ''یہ شخص جنگ

کروا کے چھوڑے گا''۔ ابوبصیرؓ عمرؓ فاروقؓ کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر اور آنکھ کا اشارہ پا کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ قریشی گماشتے سے کہہ گئے کہ مجھے مدینہ کے باہر آ کر گرفتار کرنا۔ مجھے تم سے مل کر خوشی ہوگی۔ وہ قریشی اتنا بے وقوف نہیں تھا۔ سیدھا مکّہ بھاگا۔ ابوبصیرؓ نے وہیں عمیس کے مقام پر ڈیرا ڈال لیا اور کچھ دن بعد ابوجندل بھی وہیں پہنچ گئے۔ اور مکّہ سے بھاگے ہوئے مسلمان مدینہ کے بجائے ابوبصیرؓ کے پاس پہنچنے لگے۔ قریش کے قافلے اس علاقہ میں دہشت زدہ رہتے تھے۔ ابوبصیرؓ ابوجندلؓ اینڈ کمپنی کا موقف یہ تھا کہ ہم کو خوراک کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے وہ ہم رکھ لیں گے۔ ہتھیار اس لئے نہیں چھوڑیں گے کہ وہ تم ہمارے ہی خلاف استعمال کرتے ہو۔ باقی تعیشات کا سامان چمڑا عطر کپڑا تم لے جاسکتے ہو۔ مگر مزاحمت کرو گے تو ہم تمہارا سر بھی یہیں اپنے پاس رکھ لیں گے کیونکہ وہ تمھیں کوئی عقل کی بات نہیں سکھا رہا ہے۔

قریش اتنے تنگ آئے کہ انھوں نے حضور ﷺ کو درخواست بھیجی کہ اس شرط کو منسوخ کیا جائے۔ ابوبصیرؓ کے دستہ کو مدینہ بلا لیا جائے۔

ایک شرط یہ تھی کہ قریش اور مسلمان ایک دوسرے کے حلیف سے لڑائی نہیں کریں گے۔ بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے تھے حدیبیہ کے مقام پر اور بنوبکر قریش کے۔ قریش نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا اب مسلمانوں کے لئے جائز تھا کہ وہ قریش پر حملہ کر دیں قریش کو اپنی غلطی کا احساس ذرا دیر سے ہوتا ہے۔

جب انھیں احساس ہوا کہ اس حماقت کے جواب میں مکّہ پر حملہ ہو سکتا ہے تو خندق سے بھاگا ہوا ابوسفیان پھر مدینہ پہنچا کہ معاہدہ صلح کی تجدید ہو جائے۔ مگر۔

بڑی دیر کی ابوسفیان آتے آتے

☆☆☆☆☆☆

فتح مبین

دو ہفتہ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ حدیبہ سے واپس ہوئے راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا

ترجمہ: ''اے محمد ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح عطا کی۔تا کہ اللہ تمھارے اگلے پچھلے گناہوں کو بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے اور تم کو سیدھے راستہ پر چلائے۔اور اللہ تمھاری زبردست مدد کرے''۔

عمر اپنی حدیبہ کی جسارتوں پر اور حضور سے بحث کرنے پر سخت شرمندہ تھے اور منہ چھپائے پھرتے تھے (حالانکہ جو عمر نے کہا تھا وہ تقریباً ہر مجاہد نے سوچا تھا مگر منہ نہیں کھولا تھا)۔ حضور ﷺ نے بطور خاص حضرت عمر کو علیحدہ بلا کر یہ وحی سنائی اور پھر اسکے بعد تمام صحابہ کو سنائی۔حضور کے پیغام پر آمنّا آمنّا کہنے والے خوش ہوئے اور شاید عید منائی (اپنے قلوب میں)۔

زیادہ تر مفسّرین نے فتح کے معنی صلح حدیبہ لیئے ہیں چند نے اسے ایک سال بعد ہونے والی فتح مکّہ کی خوش خبری مانا ہے مگر حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ اس آیت میں فتح کے معنی ''بیت الرضوان'' ہے۔ہمارا مسلک یہ ہے کہ یہ سب سچّے ہیں۔سب سچ کہتے ہیں۔

غزوہ خیبر اور غزوہ وادی القریٰ

یہ پہلا مہینہ محرّم ہے 7ھ کا۔ حضور ﷺ کو یہود کی سازشوں اور چالبازیوں اور جنگی تیاریوں کی خبر متواتر مل رہی ہے۔ جو یہودی غدّاری کی وجہ سے (خصوصاً جنگ خندق کے موقع پر) مدینہ اور نواح سے نکالے گئے تھے انھوں نے شمال کی جانب سفر کر کے شام کے علاقوں میں ڈیرے ڈالے زیادہ تر نے خیبر میں۔ حضور نبی کریم ﷺ صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنوب یعنی مکّہ کے قریش کی طرف سے قدرے سکون پا گئے تو یہ اب لازم تھا کہ جنگ خندق کے بقیہ دو ظاہری اتحاد والوں سے یعنی یہود سے اور قبائل نجد سے بھی حساب کتاب چکا لیں۔ قبائل تو آسان تھے۔ کئی غزوہ جات اور کئی سریہ ہوئے اور ایک طرح سے امن کی فضا قائم ہوئی کہ جو جنگ سے مطیع نہیں ہوئے وہ اسقدر دھمکا دیئے گئے کہ انکا مفاد یا تو مسلمان ہو جانے میں ہے یا قطعاً خاموش زندگی گذارنے میں ہے۔ ایک بڑے قبیلہ بنو خزاعہ کو حلیف بنایا گیا یعنی وہ ریاست مدینہ کی امان میں آگئے۔ ایک اس سے بھی بڑے قبیلہ بنو بکر نے قریش سے مفاہمت کر لی۔ (یعنی اگر بنو بکر اور بنو خزاعہ میں جنگ ہو تو ریاست مدینہ اور قریش کی جنگ کا جواز نکلتا ہے)۔ اب ریاست مدینہ کے چار دشمن جو پہلے دن سے تھے یعنی قریش بدّو قبایل یہود اور منافقین ان میں سے دو کو کم از کم وقتی طور پر خاموش کر دیا گیا۔ اور چوتھے دشمن منافقین پر نظر رکھی گئی اس خیال سے کہ وہ آہستہ آہستہ مسلمانوں میں ضم ہو جائینگے یا مر کھپ جائیں گے۔ مدینہ میں خانہ جنگی اور اندرونی منافقین کا استیصال حضور نے مناسب خیال نہیں فرمایا۔ اب یہود رہ گئے۔ ان کی دولت خطرناک تھی۔ ان کی بچھو فطرت خطرناک تھی اور انکو سزا دینے کا جواز بھی تھا بلکہ اشد ضرورت بھی تھی کیونکہ انھوں نے جنگ خندق میں بد عہدی کی تھی۔ سارا سرمایہ انکا تھا۔ قریش کو سرمایہ اور لالچ کے زور پر بلا کے لائے تھے۔ اور منافقین کو اندرون شہر ورغلانے کی اور غدّاری پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ جنگ خندق اعصابی جنگ تھی جان کا نقصان کم ہوا۔ لیکن اگر اسلامیوں کے اعصاب جلدی جواب دے دیتے تو پھر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ عورتیں اور بچے بازار میں بک جاتے اور اسلام کا پودا۔۔۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ کا کرم تھا۔ رسول اللہ کے عزم اور اعصاب کی مضبوطی تھی اور مجاہدین کی انسانی حدود سے برتر Super Human برداشت تھی کہ یہ بلا ٹل گئی۔ مگر یہود کی سزا ضروری تھی۔

معاہدہ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد مشہور ہستیاں اسلام لائیں ان کے نام ہیں۔ حضرت خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص۔ عثمان بن طلحہ اور مشہور راوی حدیث صفّہ کے مستقل مقیم حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کہتے ہیں کہ چار مختلف راستوں سے یہ لوگ آئے تھے۔ عمرو بن العاص تو حبشہ سے آئے تھے۔ مگر روایت ہے کہ یہ چاروں مدینہ میں ایک ہی دن وارد ہوئے اور ان میں اسلام لانے میں کوئی دوسرے پر مقدم نہیں ہے۔

خیبر کو روانگی ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ بیس دن مدینہ میں گذرا ے ذی الحجہ کا مہینہ اور محرّم کے چند دن۔ مفسّرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کثیر مال و دولت کا وعدہ کیا تھا وہ خیبر میں عطا کیا۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔

ترجمہ: ''اللہ نے تم سے کثیر غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسکو تم حاصل کرو گے تو اسکو تمھارے لیئے فوری طور پر عطا کر دیا''۔

چونکہ منافقین اور کمزور ایمان والے لوگ سفر حدیبیہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے تھے اس لیئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انکو پیچھے چھوڑ دو (یعنی وہ لوگ جہاں دشمن مضبوط تھا اور مال غنیمت کی امید نہیں تھی وہ پیچھے رہ گئے۔ اور جب دشمن کمزور اور مال غنیمت کثیر نظر آیا تو ساتھ چلنے پر اصرار۔ منافقین نے اپنا کردار ادا کیا۔ یہود کا دل بڑھایا کہ تمھاری تعداد زیادہ ہے سامان حرب زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی تعداد کم ہے واضح رہے کہ صرف ان مسلمانوں کو خیبر کی جنگ میں اجازت تھی جو حدیبیہ میں شریک تھے یعنی پندرہ سو سامان حرب تو تھا ہی نہیں۔ یہود نے بدّو قبایل میں سے ایک بڑے قبیلہ غطفان کو ساتھ ملانے کی کوشش۔ رشوت پیداوار کا نصف دینے کا وعدہ تھا۔ غطفان مدد کے لیئے بھی نکلے بھی مگر ان کو راستہ میں اپنے پیچھے شور کی آواز آئی وہ سمجھے کہ مسلمان ان کے مویشی اور عورتیں لوٹ رہے ہیں۔ واپس پلٹ گئے تو

معلوم ہوا کہ وہ آوازیں صرف وہم تھیں۔ کیا صحرائی جنوں کو یہ کام سپرد کیا گیا تھا کہ وہ اس قبیلہ کو دھمکا دیں؟۔

جب کہ کل صبح خیبر پر حملہ ہونے والا ہے مسلمانوں نے وہ رات خیبر کے دامن میں گذاری۔ مکمّل خاموشی کے ساتھ بالکل تاریکی میں۔ اسکو شاید آج کی جنگی زبان میں Radio Silence کہتے ہیں اور Darkout صبح کو مسلمان سوار ہو کر خیبر کی طرف بڑھے عین اسوقت خیبر کے کاشت کار اپنی کدالیں پھاوڑے اور کھانچی لیکر قلعہ سے نکل رہے تھے۔ مسلمان سواروں کو دیکھ کر چیختے ہوئے قلعہ میں گھس گئے۔ چلاّ رہے تھے کہ ''خدا کی قسم محمّد کا لشکر آ گیا''۔ اور حضور نے فرمایا کہ ''خیبر تباہ ہو گیا''۔ یہ پورا واقعہ تفصیل سے صحیح بخاری میں غزوہ خیبر کے باب میں نقل ہے۔

میرے آقا ﷺ کا لشکر آگے نہیں بڑھا۔ حضور نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ تو لشکر ٹھہر گیا۔ حضور نے دعا فرمائی۔ یہ دعا ابن ہشام نے نقل کی۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبعِ وَمَا اَظلَلنَ وَرَبَّ الاَرضِینَ السَّبعِ وَمَا اَقلَلنَ وَرَبَّ الشَّیَاطِینَ وَمَا اَضلَلنَ فَاِنَّا نَسأَلُكَ خَیرَ ھٰذِہِ القَریَۃِ وَ خَیرَ اَھلِھَا وَ خَیرَ مَا فِیھَا وَ نَعُوذُبِكَ مِن شَرِّ ھٰذِہِ القَریَۃِ وَ شَرِّ اَھلِھَا وَ شَرِّ مَا فِیھَا۔

''اے اللہ! ساتوں آسماں اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں، ان کے پروردگار! اور ساتوں زمین، اور جنکو وہ اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے پروردگار! اور شیاطین، اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا، ان کے پروردگار! ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی اس کے باشندوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں، اور اس بستی کے شر سے اور اس کے باشندوں کے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں''۔

حضور نے خیبر کی وادی میں رات کو یہ اعلان کیا کہ کل میں جھنڈا اس شخص کو دونگا جس سے اللہ اور اسکے رسول محبّت کرتے ہیں۔ ہر شخص رات بھر امیّد کرتا رہا کہ جھنڈا کسے ملے گا۔ حضور نے صبح کو حضرت علی کو طلب فرمایا۔ معلوم ہوا

کہ حضرت علی آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ وہ لشکر کے ساتھ نہیں آئے تھے بلکہ ایک دن بعد مدینہ سے چلے مگر تیز رفتاری کے ساتھ جنگ شروع ہونے سے پہلے پہنچ گئے مگر آنکھیں بیمار تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ آنکھیں ٹھیک ہوئیں اور حضرت علی جھنڈا لیکر میدان میں بڑھے جنگ قلعہ ناعم کے سامنے ہوئی۔ ایک یہودی سپہ سالار مرحب بڑا نامی گرامی تھا مقابلہ پر آیا۔ اسکو یہ اعزاز ملا کہ وہ تیغ اسد اللٰہی سے مارا گیا۔ خیبر میں کئی قلعہ تھے مگر یہود سودخور بچھو جنگ کے قابل لوگ نہیں تھے۔ یہ صرف اپنا سرمایہ لڑاتے تھے۔ مگر اب سرمایہ بے کار تھا۔ ناعم کا قلعہ۔ معب کا قلعہ۔ زبیر کا قلعہ۔ ابی کا قلعہ۔ نزار کا قلعہ نطاۃ اور شق قموص وغیرہ کے قلعہ جات سب جلدی جلدی فتح ہوئے کتیبہ میں البتہ چودہ روز محاصرہ جاری رہا۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضور نے منجنیق لگائی تو وہ قلعہ کے دروازے کھول کر آ گئے۔

منجنیق اور دبابہ

منجنیق ایک قسم کی توپ تھی جو غلیل کی طرح سے بھاری پتھر قلعہ کی فصیل پر مار کر گرانے کے کام آتی تھی۔ اسے آپ اس زمانے کی توپ کہیے۔ اور دبابہ ایک بند گاڑی نما ڈبہ ہوتا تھا۔ جس میں بیٹھ کر مجاہد دشمن کے قلعہ کی دیواروں تک دشمن کے تیروں اور نیزوں سے محفوظ پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈالتے تھے۔ یہ ایک طرح کا ٹینک تھا۔ (عرب آج تک ماڈرن ٹینک کو دبابہ کہتے ہیں)۔ مسلمان مجاہدوں کو ان ہتھیاروں کا کوئی علم نہیں تھا مگر یہ قلعہ ناعم سے مال غنیمت میں ملا تھا اور مجاہدین نے اسکا استعمال سیکھ لیا تھا۔ دشمن کے ہتھیار آخر کار دشمن پر ہی استعمال ہوئے۔

خیبر سے مال غنیمت سونا چاندی۔ غذا۔ تیل ہتھیار اتنے ملے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ہم غنی ہو گئے۔ صحیح معنوں میں ہم نے غنا کا مزہ جنگ خیبر کے بعد پایا۔

جنگ خیبر کے زمانے میں وہ مہاجر جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے رسول اللہ ﷺ کی طلبی پر واپس ہوئے۔ یہ

حضرت جعفر بن ابی طالب حضرت علی کے بڑے بھائی کی قیادت میں واپس آئے نجاشی نے انھیں عزّت اور احترام سے رخصت کیا تھا تحائف کے ساتھ۔

فدک

رسول اللہ ﷺ نے خیبر پہنچ کر مُحَیِّصَہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے فدک کے یہود کے پاس بھیج دیا تھا لیکن اہلِ فدک نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی۔ مگر جب اللہ نے خیبر فتح فرما دیا تو ان کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آدمی بھیج کر اہل خیبر کے معاملہ کے مطابق فدک کی نصف پیداوار دینے کی شرائط پر مصالحت کی پیشکش کی۔ آپ نے پیشکش قبول کر لی اور اس طرح فدک کی سرزمین خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔ (یعنی اسے بزورِ شمشیر فتح نہیں کیا تھا)۔

وادی القریٰ

رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے تو وادی القریٰ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی یہود کی ایک جماعت تھی اور ان کے ساتھ عرب کی ایک جماعت بھی شامل ہو گئی تھی۔ جب مسلمان وہاں اترے تو یہود نے تیروں سے استقبال کیا۔ وہ پہلے سے صف بندی کیے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مارا گیا۔ لوگوں نے کہا اس کے لیے جنّت مبارک ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے جنگِ خیبر میں مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے جو چادر چرائی تھی وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ لوگوں نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد سُنا تو ایک آدمی ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ایک تسمہ یا دو تسمے آگ کے ہیں۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے جنگ کے لیے صحابہؓ کرام کی ترتیب اور صف بندی کی۔ پورے لشکر کا عَلَم حضرت سعدؓ بن عُبادہ کے حوالے کیا۔ ایک پرچم حُبابؓ بن مُنذر کو دیا اور تیسرا پرچم عُبادہ بن بِشر کو دیا اس کے بعد آپؐ نے یہود

کواسلام کی دعوت دی۔انہوں نے قبول نہ کیا اور ان کا ایک آدمی میدانِ جنگ میں اترا۔ادھر سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور اس کا کام تمام کردیا۔ پھر دوسرا آدمی نکلا۔حضرت زبیرؓ نے اسے بھی قتل کردیا۔اس کے بعد ایک اور آدمی میدان میں آیا۔اس کے مقابلے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور اسے قتل کردیا۔اس طرح رفتہ رفتہ ان کے گیارہ آدمی مارے گئے۔جب ایک آدمی مارا جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باقی یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔

اس دن جب نماز کا وقت ہوتا تو آپؐ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھاتے۔اور پھر پلٹ کر یہود کے بالمقابل چلے جاتے اور انہیں اسلام، اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت دیتے۔اس طرح لڑتے لڑتے شام ہوگئی۔دوسرے دن صبح آپ پھر تشریف لے گئے۔لیکن ابھی سورج نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا ہوگا کہ ان کے ہاتھ میں جو کچھ تھا اسے آپؐ کے حوالے کردیا۔یعنی آپؐ نے بزورِ قوت فتح حاصل کی اور اللہ نے ان کے اموال آپؐ کو غنیمت میں دیے۔صحابہ کرامؓ کو بہت سارا ساز وسامان ہاتھ آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ میں چار روز قیام فرمایا اور جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اسے صحابہ کرامؓ پر تقسیم فرمادیا۔البتہ زمین اور کھجور کے باغات کو یہود کے ہاتھ میں رہنے دیا اور اس کے متعلق ان سے بھی (اہلِ خیبر جیسا) معاملہ طے کرلیا۔

تَیمَاء تیماء کے یہودیوں کو جب خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے باشندوں کے سپر انداز ہونے کی اطلاع ملی تو انھوں نے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی محاذ آرائی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے از خود آدمی بھیج کر صلح کی پیش کش کی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشکش قبول فرمالی اور یہ یہود اپنے مال ومتاع میں مقیم رہے۔اس کے متعلق آپ نے ایک تحریر بھی عنایت فرمادی تھی جو یہ تھی:

"یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنو عادیا کے لیے۔ان کے لیے ذمّہ ہے اور ان پر جزیہ ہے۔ان پر نہ زیادتی ہوگی نہ انہیں جلاوطن کیا جائے گا۔رات معاون ہوگی اور دن پختگی بخش (یعنی یہ معاہدہ دائمی ہوگا) اور یہ تحریر خالد

بن سعیدؓ نے لکھی۔

مدینہ کو واپسی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ واپسی کی راہ لی۔ واپسی کے دوران لوگ ایک وادی کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے **اللہ اکبر اللہ اکبر لَآ الٰہ الا اللہ** کہنے لگے۔ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے آپ پر نرمی کرو، تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ بلکہ اس ہستی کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور قریب ہے۔

نیز اثنائے راہ میں ایک بار رات بھر سفر جاری رکھنے کے بعد آپؐ نے اخیر رات میں راستے میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالا اور حضرت بلالؓ کو یہ تاکید کر کے سو رہے کہ ہمارے لیے رات پر نظر رکھنا (یعنی صبح ہوتے ہوتے ہی نماز کے لیے بیدار کر دینا) لیکن حضرت بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ وہ (پورب کی طرف منہ کر کے) اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ سو گئے۔ پھر کوئی بھی بیدار نہ ہُوا یہاں تک کہ لوگوں پر دھوپ آ گئی۔ اسکے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے۔ پھر (لوگوں کو بیدار کیا گیا) اور آپ اس وادی سے نکل کر کچھ آگے تشریف لے گئے۔ پھر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے سفر میں پیش آیا تھا۔

خیبر کے معرکوں کی تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی واپسی یا تو (۷ھ کے) صفر کے اخیر میں ہوئی تھی یا پھر ربیع الاوّل کے مہینے میں۔

سَرِیّہ اَبان بن سعید نبی ﷺ سارے سپہ سالاروں سے زیادہ اچھی طرح یہ بات جانتے تھے کہ حرام مہینوں کے خاتمے کے بعد مدینہ کو مکمل طور پر خالی چھوڑ دینا تدبر اور دُور اندیشی کے بالکل خلاف ہے، درآں حالیکہ مدینہ کے گرد و پیش ایسے بدّو مقیم تھے جو لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے لیے مسلمانوں کی غفلت کے منتظر رہتے تھے۔ اسی لیے جن ایام میں آپؐ خیبر تشریف لے گئے تھے ان ہی ایام میں آپؐ نے بدّوؤں کو خوف زدہ کرنے کے لیے اَبان بن سعید

رضی اللہ عنہ کی کمان میں نجد کی جانب ایک سریہ بھیج دیا تھا۔ ابان بن سعیدؓ اپنا فرض ادا کر کے واپس آئے تو نبی ﷺ سے خیبر میں ملاقات ہوئی۔ اس وقت آپؐ خیبر فتح فرما چکے تھے۔

اغلب یہ ہے کہ یہ سریّہ صفر ۷ھ میں بھیجا گیا تھا۔ اس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ مجھے اس سریّہ کا حال معلوم نہ ہوسکا۔

نوٹ : جس جنگ میں حضور ﷺ خود شریک ہوئے اسکو غزوہ کہتے ہیں اور جس مہم کو کسی اور سالار کی سر کردگی میں روانہ کیا اسکو سریہ کہتے ہیں۔

اس مولّف کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جو یہودی بغیر کسی خاص تکلیف وہ جنگ کے اطاعت گذار بن گئے تھے۔ انکو کاشت کے کام پر لگا دیا کیونکہ مسلمانوں کی افرادی قوّت کی جہاد میں ضرورت تھی۔ یہودیوں کو صرف قلعہ بند ہونے اور ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ پیداوار کا آدھا حصّہ پاتے تھے یہ مضاربہ کی روح تھی۔ **سود ختم مضاربہ جاری**

اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اور اس نے اپنے نبی کو حدیبیہ سے نکلتے ہی اطلاع دے دی ﴿انا فتحنا لک فتحاً مبینا﴾ ''ہم نے آپ کو صاف واضح فتح عنایت کی''۔ ایک حبیب اپنے محبوب کو تقویت کا پیغام اتنی جلدی روانہ کرتا ہے۔ اس وقت تک صحابہ افسردہ تھے اور غصّہ میں بھی۔ خاموش افسردگی۔ اور غصّہ ایسا کہ جو آنکھوں سے آنسو بن کر اندر ہی اندر دل کو جلا رہا تھا۔ مگر حدیبیہ کا ایک فائدہ فوراً ہی نظر آنے لگا۔ یہودیوں کا استیصال کیا گیا۔ خیبر پر حملہ ہوا۔ یہودی قوم ہمیشہ دوسری قوموں کا معاشی استحصال کرتی رہی ہے اور کبھی وقفہ کے بعد کوئی نہ کوئی موسیٰ سامری کی جنگ زرگری کو توڑ دینے کے لئے آجاتا ہے۔

اب حضرت موسیٰ کے قبیلہ انبیاء کے آخری تاجدار خود تشریف لائے تھے۔ قریش کے خلاف جو غصّہ تا اسے تمام مجاہد مدینہ کے شمال کے باسی یہودیوں پر نکال رہے تھے۔ تلواریں نیام میں قیام پسند نہیں کرتی تھیں اور تیر ترکش سے اچھل کر باہر آرہے تھے۔ ان یہودیوں نے انصارِ مدینہ کا صدیوں استحصال کیا تھا جب وہ حالت کفر میں تھے۔

اور اب یہ انصارِ مدینہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ خیبر اور دوسرے قلعوں کو خشم آگیں نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کے سائے میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ "ہم تمہاری جڑ بنیاد اکھاڑ دیں گے"۔ یہود اب منافقانِ مدینہ کی مدد سے بھی محروم تھے اور قریش کے وعدے وعید جنگ خندق کے بعد مٹی میں مل چکے تھے۔ یہود اپنی جنگ سونے چاندی (اور اب ڈالر پاؤنڈ) سے لڑتے ہیں یا سازشوں سے یا جتھہ بندیوں سے۔ یہ سب اوزار ہتھیار بیکار ہوگئے تھے۔ کوئی انصار مہاجر مجاہد اب درہم دینار سونے چاندی سے خریدا اور توڑا نہیں جاسکتا تھا۔ منافقین اپنی سانس روکے ہوئے زمین پر پڑے تھے۔ اردگرد کا کوئی قبیلہ کسی قیمت پر یہود کی مدد نہیں کرسکتا تھا کیونکہ مسلمان مجاہدوں کو دیکھتے تو وہ ان کو دیو۔ جن۔ شیر۔ اور چیتے سے زیادہ خوفناک نظر آرہے تھے۔ یہ وہ تھے جو پانچ سو کلومیٹر آگے بڑھ کر قریش مکہ سے دو دو ہاتھ کرنے پر مصر تھے۔ صرف ان کے نبی نے ان کو روک رکھا تھا ورنہ یہ تو پیدل دوڑتے ہوئے مکہ میں نعرے لگاتے ہوئے گھس جاتے۔ یہودی ایک قلعہ چھوڑ کر دورے قلعہ میں جا کر پناہ لیتے تھے مگر عقل ماری گئی تھی۔ ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ جب وہ راتوں کو افراتفری میں قلعہ چھوڑ کر اور اپنی جانیں لے کر پسپائی کر کے دوسرے قلعہ میں پناہ لیتے تھے تو مہاجرین اور انصار کے لئے کتنا کچھ اسلحہ اور خوراک چھوڑ جاتے تھے۔ ان درویش مہاجر انصار سپاہیوں کے پاس ہمّت وافر مقدار میں تھی مگر خوراک زادِراہ سواری اور اسلحہ ذرا کم ہی تھا بلکہ بہت کم مگر دو قلعوں کی سرکوبی کے بعد جو اسلحہ اور خوراک کا ذخیرہ ملا وہ خود یہود کو بھی اچھی طرح نظر آنے لگا کیونکہ سود خوروں کا "نفع نقصان حساب" کافی تیز ہوتا ہے۔

جن قلعوں کے دروازے مضبوط تھے ان کو اکھاڑنے کے لئے اسد اللٰہی بازوئے حیدر بھی موجود تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جنہیں نانِ جویں بخشی تھی انہیں بازوئے حیدر بھی عطا کیا تھا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک فتح دوسری فتح کی نقیب ہوتی ہے۔ پیش خیمہ ہوتی ہے۔ یہ قاعدہ کلیّہ ہو یا نہ ہو اس وقت تو قاعدہ کلیّہ ہی نظر آتا تھا۔ ویسے مومن کسی قاعدہ کلیّہ پر بھروسہ نہیں کرتا وہ کارساز رب العزّت پر ہی بھروسہ کرتا ہے۔

اوراس بھروسہ کے بعدوہ خودکامیابی کا قاعدہ کلیہ ہوجاتا ہے۔

سوفیصد بھروسہ کرکے تودیکھیں۔

"کارسازِ مابفکرِ کارِما"

رجوع کرکے تودیکھیں۔

یہود کی بیخ کنی کے بعد زبان خلق بند ہوئی اور خیال خلق سجدہ ریز ہوگیا۔ یہ کیا ہوگیا کہ یہ گدڑی پوش ایک طرف قریش سے بھڑ گئے اور وہاں سے لوٹے توصدیوں کی بنی بنائی سازشی سلطنت یہود کا خاتمہ کردیا۔

جنگ موتہ

شام میں عیسائی طاقتور تھے۔ رومی حکومت کا دماغ آسمان پر تھا۔ شام کی سرحدی مقام موتہ پر شرجیل حکمراں تھا۔ حضور ﷺ نے ایک خط سے دستور کے مطابق شرجیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ شرجیل نے شرارت سے قاصد کو قتل کردیا۔ یہ ایک گھٹیا حرکت تھی۔ قاصد نہ اس وقت قتل کیا جاتا تھا نہ اب تک۔ اسلامی حکومت کی توہین اگر برداشت کرلی جاتی تو حکومت کی ہوا اکھڑ جاتی۔ ایک فوج تین ہزار افراد کی تیار کی گئی۔ اس کے مقابلے میں عیسائی ایک لاکھ کی تعداد میں آگئے۔ اس فوج کے سردار حضور ﷺ کے آزاد غلام زید بن حارثہؓ تھے مگر حضور ﷺ کو کچھ اندازہ تھا۔ اسے یوں کہہ لیں کہ حضور کو علم تھا۔ فرمایا اگر زید شہید ہوجائیں۔ تو جعفر طیارؓ قیادت سنبھال لیں اور اگر وہ شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ سردار ہوں۔ مدینہ میں کچھ آوازیں سنی گئیں کہ جعفر بن ابی طالب جو حضور ﷺ کے

چچازاداور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور عبداللہ بن رواحہؓ معزز انصاری کی موجودگی میں آزاد کردہ غلام زیدؓ کو قیادت سپرد کی گئی۔ حضور ﷺ نے اس نسلی فوقیت کے اظہار پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

جنگ ہوئی شدید جنگ ہوئی

حضرت زیدؓ۔ حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے۔ مسلمان فوج پر آنے والی ابتلا کو پیدائشی جنرل خالد بن ولیدؓ نے دیکھ لیا۔ جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا۔ سخت جنگ کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس دن خالدؓ کے ہاتھ میں نو (۹) تلواریں ٹوٹیں اور اسی کے ساتھ رومی فوج کی ہمّت میں شکست وریخت بھی ہوئی۔ وہ اپنے محفوظ مقاموں کی طرف رجوع ہوئے اور حضرت خالدؓ ان تین ہزار قدسی نفوس کو واپس مدینہ میں حضور ﷺ کے دامن رحمت میں لے آئے۔ حضور ﷺ کے مسرّت دیکھنے والی تھی اور خالدؓ کو لقب عطا ہوا ''سیف اللہ''۔ اللہ کی تلوار۔ پھر یہ اللہ کی تلوار کبھی زیر نہ ہوسکی۔ قریش اپنے دانتوں میں انگلیاں دبائے ہوئے تھے کہ یہ آٹھ سال پہلے قائم ہونے والی ظاہری اسباب سے محروم ریاست سات سو (۰) کلومیٹر کا دھاوا مار کے اس وقت کی دنیا کی سب سے زبردست سپر پاور سے لڑنے ان کے میدان میں پہنچ گئی۔

جب ہدف مکّہ کی فتح کو بغیر خوں ریزی کے مستحکم کرنا ہو تو آسان طریقہ یہ ہی تھا کہ ان کو اتنا دھمکا دو کہ وہ ذہنی طور پر شکست کھا جائیں۔ میرے آقا سپریم کمانڈر اعلیٰ ترین فوجی سپہ سالار کی فراست کا یہ کرشمہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ شکست پہلے قلب کے اندر ہوتی ہے پھر میدان میں۔ مکّہ کے قریش مرنے سے پہلے مر چکے تھے۔ شکست کھانے سے پہلے شکست خوردہ تھے۔ رومیوں نے سفیر اسلام۔ سفیر رسول کو قتل کر دیا۔ یہ عیسائی طرز عمل تھا۔ جب اور جہاں مضبوط ہوں وہاں سارے سفارتی اور بین الاقوامی آداب ان کے پابند ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ وہی کر رہے ہیں جس کی ان سے توقّع تھی۔ اسلامی ریاست نے تین ہزار کی فوج کے ساتھ ان پر چڑھائی کی اور ان کے ایک لاکھ ان تین ہزار سے جان چھڑا کر اپنی حدود میں اندر کی طرف گھس گئے اور جنرل خالدؓ اپنی فوج کو واپس مدینہ لے کر آئے۔

اور پورٹ دی۔

گلوئے عشق کو دار و رسن پہنچ نہ سکے

تو لوٹ آئے ترے سربلند کیا کرتے

اصل مقصد جو قریش کو پیغام پہنچانا تھا وہ پورا ہو گیا۔ کہ فتح مکہ حتمی ہے اور کسی سازش سے اس فتح میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ کہا جاتا ہے کہ کسی شخص نے بنوبکر میں سے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ بنوخزاعہ کے کسی غلام نے اس شخص کو وہی سزا دی جو توہین رسالت کی اس وقت سے ہے۔ بنوبکر جو قریش کے حلیف تھے انھوں نے بنوخزاعہ پر جو مسلمان ریاست مدینہ کے حلیف تھی حملہ کر دیا اور قتل خون کیا۔ بنوخزاعہ نے اپنی حلیف مدینہ کی ریاست میں فریاد کی بنوبکر نے بنوخزاعہ کو ہر گام اور ہر چشمہ پر مارا تھا۔ قریش کے قدیم دشمنان اسلام بھیس بدل کر اس قتل و غارت گری میں شریک تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم اپنے معاہدہ کی پاسداری کریں گے اور قریش اور بنوبکر دونوں کو سزا دیں گے۔

اب روکو ہمیں کہ ہم مکّہ کی طرف آ رہے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ہمیں نہ روکو کہ ہم مکّہ کی طرف ضرور آئیں گے۔

ابوسفیان اور قریش کو پہلی دفعہ ان کی سہمی ہوئی عقل نے صحیح راستہ دکھایا اور مکّہ فتح ہوا بغیر جنگ کے۔

فتح مکّہ

''سوئے کعبہ سفیران نبی آتے ہیں''

پیغمبر اسلام ﷺ کسی شاندار گھوڑے پر ننگی تلوار لئے ہوئے مکّہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ یہ سطحی دنیاوی فاتحین کا انداز ہوتا ہے۔ وہی وفادار اونٹنی قصویٰ جو حضور ﷺ کو لے کر مدینہ میں داخل ہوئی تھی۔ وہ مکّہ واپس لائیں کہ یہ ان کا حق تھا اور حضور ﷺ کا چہرہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آنسوؤں سے تر تھا یا نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ اونٹنی کے کجاوے سے داڑھی چھو رہی تھی۔ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ۔۔۔۔

مومن کی اعلیٰ ترین سرفرازی ''مقام سجدہ'' ہے۔

(پڑھیں سورۃ العلق کی آخری آیت)

حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک طرف سے اور حضرت عبیدہ بن الجراحؓ کو دوسری جانب سے مکّہ میں داخل ہونے کا حکم ہوا سالاروں کو واضح احکام تھے کہ جب تک کوئی سر پھرا ان پر حملہ نہ کرے تلوار نیام میں رہے۔ یہ حرم ہے۔

امن کے کئی دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے تھے۔

''جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے''۔

''جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اس کو امان ہے''۔

''جو ابوسفیان یا حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے اس کو امان ہے''۔

''جو ہتھیار پھینک دے اس کو امان ہے''۔ ''بھاگنے والے کو بھاگ جانے دو امان ہے''۔

''بوڑھے کو امان ہے''۔ ''عورت کو امان ہے''۔ ''بیمار کو امان ہے''۔

انتقام کا کوئی دروازہ کھلا نہیں تھا۔ امان کے بہت سے دروازے کھلے تھے۔

انصار بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور ان کے دل میں وسوسے تھے۔ (کہ شاید اس عام معافی کے بعد حضور ﷺ مکہ ہی میں قیام فرمالیں)۔

حضور ﷺ نے خود مکہ کے باہر ایک خیمہ میں قیام فرمایا۔

اپنے پرانے مکان کی تلاش و بازیافت نہیں کی اور اس طرح مہاجرین بھی جو کچھ املاک قریش اور کفار کے پاس چھوڑ گئے تھے اس کو واپس لینے نہیں پہنچے۔ کوئی SETTLEMENT کا دفتر یا ALLOTMENT کا چھاپہ خانہ نہیں کھلا۔

اور پھر

''وہ سارے خطا کار بھی دربار میں آئے''۔

وہ جنہوں نے ایذا دی تھی۔ گالیاں دی تھیں۔ جنہوں نے شعب ابو طالب میں قید و محصور کیا تھا اور فاقہ میں مبتلا کیا تھا۔ جس حصار اور قید کے نتیجہ میں ابو بکرؓ کی تجارت تباہ ہوگئی تھی۔ جنہوں نے سجدہ میں حضور ﷺ کی پیٹھ پر جانوروں کی اوجھڑیاں رکھی تھیں۔ وہ جنہوں نے حضور ﷺ کو پتھر مارے تھے۔ جنہوں نے کمزور مسلمانوں کو، غلاموں کو، کھولتے ہوئے پانی اور تیل سے اور پتھر کی سلوں پر لٹا کر ایذا پہنچائی تھی۔ اماں خدیجہؓ اور حضرت ابو طالب نے وفات سے پہلے کتنے ہی دن اور سال شعب ابی طالب میں فاقہ زدگی کی حالت میں گزارے تھے۔ ان کا انتقام لینے والا کوئی نہیں تھا۔

اپنی اور سارے مہاجرین کی ساری تکالیف حضور ﷺ کو یاد تھیں عرب ویسے بھی اس زمانے میں لکھتے کم تھے مگر یاد ہر بات رکھتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

خطبہ فتح مکّہ

سید المرسلین سید کون ومکاں ﷺ بیت اللہ کے اندر تسبیح وتحمید میں مصروف تھے کہ مکّہ کے خوف زدہ باسی ادھر ادھر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ پھر حضور اجب کعبہ سے باہر نکلے تو مسجد کھچا کھچ بھر چکی تھی۔ ہر ایک کو فکر تھی کہ اس کے خصوصی جرم کا کیا خصوصی فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ مگر حضور ﷺ نے ایک عمومی چھوٹا سا خطبہ ارشاد فرمایا۔

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۲۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

۳۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔

۴۔ اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن کے سارے جتھے کو اکیلے شکست دی۔

۵۔ سنو اور آگاہ ہو جاؤ کہ کعبہ کی کلید رکھنے کا حق اور حجاج کے پانی پلانے کی خدمت کے علاوہ ہر دعویٰ باطل ہے۔

۶۔ ہر خون اور ہر مال کا دعویٰ آج میرے دونوں قدموں تلے ہے۔

۷۔ یاد رکھو کہ جو قتل خطا سے ہو وہ کوڑے اور لاٹھی سے عمداً قتل کئے جانے کے برابر ہے۔

۸۔ اس قتل کی دیت ہے۔ یعنی سو اونٹ جس میں چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں۔

۹۔ اے قریش کے لوگو! آج اللہ تعالیٰ نے تمہارے جاہلانہ غرور اور نسب کے تفاخر کو خاک میں ملا دیا۔ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے سورۃ الحجرات کی آیات تلاوت فرمائیں۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْ ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْر۔

ترجمہ: ''اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قوموں اور قبائل میں بانٹ دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے''۔

یہ تھا حضور ﷺ کے خطبہ کا ایک منفرد انداز ایک ایک ٹکڑا بالکل واضح اور دوسرے سے علیحدہ، نہ کوئی توجیہ، نہ کوئی تکرار نہ کوئی معذرت نہ کوئی تفہیم، نہ کوئی تلقین اس کو ایک شخص بجا طور پر الٰہی انداز کہتا ہے۔ اس خطبے کی آیات (۶) اور (۷) میں واضح ہے کہ جاہلیت کے زمانے کے خون کا بدلہ خون نہیں ہوگا لین دین تک بدلہ محدود رہے گا اور آیت نمبر (۹) کو سن کر اگر ابو جہل زندہ ہوتا تو خودکشی کر لیتا۔

اور اس کے بعد حضور ﷺ نے جمع ہونے والے گروہ سے جن کے چہروں پر جرم اور ندامت اور خوف کے رنگ آ رہے تھے اور جا رہے تھے پوچھا کہ اے گروہ قریش تمہیں معلوم ہے کہ میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔ ایک ہیبت ناک خاموشی چھا گئی۔ خطبہ کا یہ انداز یہ ایک جملہ کافی تھا یادوں اور ندامتوں کو لوٹانے کے لئے۔

ان میں کیسے کیسے ظالم جابر سفاک اور قاتل تھے جو آج بحیثیت مجرم کے سر جھکائے کھڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ انصاف فرماتا ہے اور انصاف کی رو سے سزا بڑی مہیب تھی۔

ان میں وہ تھے جنہوں نے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ ان میں گلے میں رسہ ڈال کر دم گھونٹنے والے بھی تھے بیت اللہ میں بے بس مسلمانوں کو روکنے والے شعب ابی طالب میں دانے دانے کو محتاج کرنے والے بھی تھے۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ ملکۃ التجار کو پورا کفن بھی نہیں ملا۔ ابو طالب نے کئی سال پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ بچوں کو

چمڑا ابال کر چاٹنے اور چوسنے کے لئے دیا جاتا تھا کہ بھوک سے کچھ تو افاقہ ہو اور پھر مدینہ میں پناہ لینے والوں کو قتل کرنے کے لئے بار بار حملہ کرنے والے بھی تھے یہودیوں کو بھڑکا کر جنگ کرانے والے بھی تھے۔ منافقین مدینہ سے ساز باز کرنے والے بھی، یہ آتے جاتے اکیلے دکیلے مسلمانوں کو اغوا کر کے اذیتیں دے کر خوش ہوتے تھے ناچتے تھے۔ خبابؓ اور زیدؓ جن کا ایک ایک عضو وقفہ سے کاٹ کر خوشی سے ناچنے والے آج خبابؓ اور زیدؓ کی شکل آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔

دونوں طرف خاموشی تھی، یہ افصح الفصحا رسول کریم ﷺ کی خطابت کا کمال تھا کہ۔۔۔۔۔

خاموشی بول رہی تھی۔ دماغ میں خاموشی کی چیخیں گونج رہیں تھیں سناٹا خود آواز دے رہا تھا کہ بڑا ظلم ہوا۔ بڑا ظلم ہوا۔

اور پھر کسی گلوگیر آواز نے جواب دیا۔

''اخٌ کریم۔ وابن اخٍ کریم'' (آپ مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں)

کچھ دیر خاموشی رہی۔ **یہ خاموشی کی گہری آواز ہر ایک دل میں آ رہی تھی۔** یہ خاموشی سے دل دہلا رہی تھی۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہ حضور ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔

حضور ﷺ نے قرآن کریم کی ایک (۹ الفاظ کی) آیت پڑھی جس نے خطبہ ختم کر دیا۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

ترجمہ: ''آج تم پر کوئی دارو گیر (باز پرس) نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی تم کو معاف فرمائے وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے''۔

یہ خداوندی انصاف سے مختلف بات تھی۔

یہ رحمت اللعالمینی معافی تھی۔

انصاف نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔معافی مل گئی۔

اور پھر احترام باری تعالیٰ میں خود باری تعالیٰ کی زبان میں معافی دی گئی۔ (یہ سورۃ یوسف) کی آیت ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں کو یکسر معاف کر دیا تھا۔ (کیا مکّہ کے مجرمین کو دوبارہ بھائی بنانے کی بشارت تھی اگر وہ مسلمان ہو جائیں؟ اللہ ہی جانے اللہ کا رسول ہی جانے)

یہ لطف و کرم، یہ رحم و عطا، یہ عفوو درگزر، نہ کوئی شرط، نہ کوئی لعن طعن، نہ ماضی کی یاددہانی۔

(ماضی کی یاددہانی خاموشی میں گونجی تھی حضور ﷺ کی زبان سے نہیں)

ظالم جابروں کے جسم کو آزادی ملی اور جان کو امان تو دل اس لطف و عنایت کی گرمی سے پگھل گئے۔ ان جابروں نے حضور ﷺ کی شرافت کو بیچ میں لا کر واسطہ دیا تھا۔ اب بات پلٹ گئی تھی۔ اب ان کو خود اپنی شرافت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ اب انہیں خود اپنے ضمیر کو جواب دینا تھا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے اپنے ضمیر کو جواب دینا۔

سجدہ اگر روا ہوتا تو نہ جانے کتنے سر سجدے میں گر جاتے مگر کبر و نخوت کے پتلے اپنا پُرغرور سر آستانۂ رسالت پر جھکانے کے لئے جوق در جوق آگے بڑھے۔ ہر ایک دوسرے سے سبقت کر رہا تھا۔

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

ایسا عظیم فاتح جو ایسا عظیم خطبہ اور ایسا عظیم عمل سرانجام دینے کے بعد اپنا سر جھکائے ہوئے ہو۔۔۔۔۔۔دوسرا ہو تو مجھے دکھاؤ۔

کوئی مثل مصطفیٰ کا۔نہ تھا۔نہ ہے۔نہ ہوگا

کوئی مثل مصطفیٰ کا۔نہ تھا۔نہ ہے۔نہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆

بلال کی اذان

میں بلال ہوں۔ بلال بن رباح۔ غلام ابن غلام۔ حبشی زادہ۔ بے نوا فقیر۔ پھر میرا مقدر جاگا۔

مجھے خرید لیا گیا۔ دوسری دفعہ پھر غلام بنا۔ امیہ بن خلف سے ابوبکر صدّیق نے خریدا اور اس کے بعد میری غلامی کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ نہ آزادی کا۔ میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت گزاری میں لگ گیا اور جب حضور نے مجھے قبول کر لیا تو پھر کسی نے مجھے "او حبشی غلام" "اے کالے انسان" کہہ کر نہیں بلایا۔ مجھے تو شرم اس وقت آتی تھی جب جیّد صحابہ مثلاً عمر بن الخطاب مجھے "سیّدی" کہہ کر بلاتے تھے۔ مگر اب سب خطابات۔ اچھے ہوں یا برے۔ میرے لئے بے معنی تھے۔ میں ایک مستقل سرور کے عالم میں تھا کیونکہ میں ہر وقت اپنے آقا کی حضوری میں تھا۔ صبح کو جس وقت میں حضور کے حجرہ کے سامنے آہستہ سے آواز دیتا تھا کہ وقتِ نماز یارسول اللہ۔ اس وقت تک جب حضور رات کو اپنے حجرہ میں سونے چلے جاتے تھے۔ پھر میں بھی کسی دیوار سے ٹیک لگا کر آدھی نیند سو جاتا تھا کہ شاید حضور کو رات کے کسی لمحے میں میری ضرورت ہو۔

ابھی ابھی حضور ﷺ نے اپنا ایک آیت کا خطبہ فتح مکّہ **(لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھوارحم الرحمین)** ختم کیا ہے۔ میری طلبی ہوتی۔ "حاضر یارسول اللہ"۔

حضور فرماتے ہیں "بلال خانۂ کعبہ پر چڑھ جاؤ اور اذان دو" میں اب کسی اور کے تاثرات تو بیان نہیں کرسکتا کیونکہ میں خود اپنے تاثرات کی آندھی کی زد میں تھا۔

خانۂ کعبہ ابوالانبیا حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر

اور اس کی چھت پر ایک حبشی غلام کے قدم

معاذ اللہ۔ یہ خیال بھی ایک گناہ محسوس ہوتا تھا۔ مگر میرے آقا کا حکم سب سے پہلے واجب التعظیم تھا۔ واجب التعمیل تھا۔ بغیر کسی سوال اور ہچکچاہٹ میں اس مرکز توحید کی بلندی سے اللہ وحدہ لاشریک کی کبریائی اور سیّد الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کی شہادت دینے جا رہا تھا۔

یہ نصیب اللہ اکبر۔

جیوں یا مر جاؤں

کیا ہر مؤمن کی ایک معراج نہیں ہوتی؟

کیا یہ میری معراج نہیں ہے؟ میں باب ملتزم کے ساتھ لٹکے ہوئے رسّوں کے سہارے اپنی طاقت سے نہیں جذبہ حکم برداری کی طاقت سے کعبہ کی چھت پر پہنچ گیا۔

نیچے کیا منظر تھا۔ سرور کونین سر جھکائے اپنے مالک سے لو لگائے بیٹھے تھے۔ دوسری طرف گروہ کفار جنہوں نے میری اور دوسرے غلاموں کی سزائیں اور ایذا رسانی یہاں بیٹھ کر تجویز کی تھیں موجود تھے۔ وہ ڈرے ہوئے لوگ جن کو خود اپنی سزا کا ڈر تھا۔ باہر ایک الاؤ جل رہا تھا جہاں تین سو ساٹھ بتوں کا ملبہ جل رہا تھا۔ دھواں اُٹھ رہا تھا۔ مجھ پر گھبراہٹ اور دہشت طاری تھی کہ میں اس مقام پر ہوں۔ اپنے ہوش میں آنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اردگرد کعبہ کے باہر کھڑے ہجوم کا شور بھی نظر انداز کر دوں اور زور سے نعرہ لگاؤں۔ اللہ اکبر۔ جیسے ہی میں نے نعرہ لگایا تکبیر اوّل کا سارا زمینی شور ختم ہوگیا۔ مجمع نے سانس روک لی۔ مگر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں سے بازگشت سنائی دی۔ اللہ اکبر کی۔ یہ میری آواز کے احترام میں میری آواز سے بھی زیادہ بلند تھیں۔ معلوم ہوتا تھا تمام کائنات میری ہم نوا تھی کیونکہ میں سرور کائنات کا حکم بجالا رہا تھا۔ اسلام کے معمار اوّل نے شاید یہ کعبہ اس لئے تعمیر کیا تھا کہ پیغام آخریں یہاں سے نشر ہو۔ میں نے شہادت دیتے وقت جب رسول اکرم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا تو کعبہ کے صحن میں تشریف فرما گروہ

مؤمنین کے آنسورواں ہو گئے بڑی معتبر تھی ان آنسوؤں کی گواہی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اب یہ اذان ہمیشہ جاری رہے گا"۔

اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اور اشہدان لا الہ الا اللہ۔ اشہدان محمد رسول اللہ۔ کعبہ میں اولین ترانہ جلال و جمال گونج رہا تھا۔ مشرکین نے حضرت بلالؓ کو وہاں چڑھے دیکھا تو بولے اس حبشی غلام کو تو دیکھو کہاں پہنچا ہے۔ قریش کے بڑے بڑے سورما حرم میں موجود تھے مگر کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں تھی۔ ابوسفیان بن حرب۔ عتاب بن اسیدؓ اور حارث بن ہشام تبصرہ کرر ہے تھے۔ عتاب نے کہا کہ میرے باپ اسیدؓ کی عزت بچ گئی۔ وہ حبشی غلام کی آواز سننے کو اس دنیا میں باقی نہیں ہے۔ حارث بولا اگر حق یہ ہی ہے تو اسے ماننا ہی پڑے گا۔ ابوسفیان نے کہا۔ میں کچھ نہ بولوں گا۔ اگر کچھ کہا تو یہ کنکریاں ابن عبداللہ کو سب کچھ بتا دیں گی۔

کنکریاں تو خاموش رہیں مگر حضور ﷺ ان کی طرف آئے اور پوچھا کہ کیا تم لوگ یہ سب کچھ کہہ رہے تھے؟ تینوں حیران تھے اسی وقت عتاب اور حارث نے کلمہ پڑھا۔ یہ بلالؓ کی اذان کا کرشمہ تھا یا حضور ﷺ کے مسکراتے چہرے اور سوال کا۔ اس بات کا جواب حاصل کرنا ضروری نہیں۔ بلالؓ کی اذان میں اور اس روئے اقدس کی ضیا میں فاصلہ کوئی ہے ہی نہیں۔ صرف دیکھنے والی آنکھ چاہئے۔

در جہانِ ذکر و فکر و انس و جاں
وہ صلوٰۃ صبح وہ بانگِ اذاں

اذان کے درمیان ایک ٹولہ نوجوانوں کا بیٹھا تھا اس میں سے ایک نوجوان نے شرارت سے اذان کی نقل کی۔ جب اذان ختم ہوئی تو حضور اکرم نے اعلان فرمایا کہ وہ جس نے پہلے بلال کی اذان کی نقل کی وہ سامنے آئے۔ ایک پندرہ سولہ برس کا نوجوان چاہ زمزم کی طرف سے ملتزم کی طرف راستہ بناتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ پاس آیا تو حضرت عمر نے

ہاتھ پکڑ کر حضور کے سامنے پیش کیا۔ سب فکر مند تھے کہ اس نوجوان کو کیا سزا ملے گی۔ بہت سے لوگوں کو اس کی نوعمری پر ترس بھی آیا۔ حضور نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا کہ ''ہاں اے نوجوان بلال کی دوبارہ نقل کرو'' اس نوجوان نے بلند آواز اور خوش الحانی سے نقل شروع کی مگر نہ جانے کیا ہوا کہ اس کے آنسو رواں ہو گئے۔ مجمع میں بہت سے مؤمنین کے منہ سے بے ساختہ سبحان اللہ اور جزاک اللہ نکل گیا۔ حضور نے اس کو ایک تھیلی درہموں کی عنایت کی اور اس کے سر اور ہاتھوں پر دست مبارک پھیرا۔ نوجوان نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ اب وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ سولہ سالہ نوجوان کو بیت عتیق یعنی کعبہ کا مؤذن مقرر کیا گیا۔ اس کے نام کا اعلان ہوا۔ ابومحذورہ جمحی۔ ابومحذورہ اپنی صف میں جانے لگے تو ایک طرف سے آواز آئی۔

''اشھد ان لا الہ الاّ اللہ۔ واشھد انّ محمد رّسول اللہ''

اے اللہ کے رسول میں ہوں عتاب بن اسید آپ کا مشہور دشمن۔ حضور نے فرمایا ''مگر میں تو تمہیں مکّہ کا امیر مقرر کرتا ہوں''۔

بادوستاں تلطّف بادشمناں مدارا۔

معلوم ہوتا ہے کہ میرے آقا آج سارے دل جیت کے جائیں گے۔

فاتح تو جانیں لیا کرتے ہیں۔

یہ عجیب فاتح ہے جو دل لوٹ کے لے جا رہا ہے۔

عزم سفر۔ جنگ حنین

عزم سفر ہی رخت سفر ہے۔ اب حضور مکّہ سے مدینہ کی طرف رجوع ہیں۔ مکّہ سے دوسری دفعہ روانگی ہے جانب مدینہ چھ سال پہلے دو مہاجر بغیر کسی زادراہ کے روانہ ہوئے تھے (انّ اللہ معنا) خیر البشر نے اپنے رفیق صدّیق کو یقین دلایا تھا اور صدّیق کے لئے اپنے آقا کا ایک حرف سب سے بڑی سند تھا اور اب پیغمبر اعظم و آخر دس ہزار کے لشکر کے ساتھ فتح عظیم کے بعد گھر جا رہا تھا مگر کوئی مال غنیمت نہیں تھا۔ کوئی لوٹ نہیں ہوئی کوئی قیدی نہیں بنائے گئے۔ کوئی قتل عام نہیں ہوا۔

فتح کا کوئی دنیاوی نشان نہیں تھا سوائے اس کے کہ دنیا نے مان لیا کہ یہ فتح عظیم تھی۔

مومن کی آنکھ نے جو فتح کا نشان دیکھا وہ یہ تھا کہ کعبہ سے تین سو ساٹھ بت نکال کر ضائع کر دیئے گئے اور ایک حبشی زادہ غلام نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی اور اذان جاری ہوگئی اور جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گی۔

از جمالِ تو کعبہ شد قبلہ
قبل ازیں بود ورنہ بت خانہ

(آپ کے جمال سے کعبہ قبلہ بن گیا
اس سے پہلے وہ بت خانہ تھا)

گِدھ اور گیدڑ قسم کے کچھ جانور گھات میں رہتے ہیں کہ کوئی جان جائے تو لاش پر دعوت اڑائیں۔ ہوازن اور ثقیف کے قبلہ اس جنگ کے نتیجے کے منتظر تھے کہ اگر مکّہ والوں کو شکست ہو تو وہ مکّہ والوں کی طائف اور نواح کے

باغوں اور زمینوں پر قبضہ کرلیں اور یا دوسری طرف ذرا دور کی بات یہ تھی کہ مدینہ والے مار کھا جائیں تو ان سے کچھ لوٹ مار مل جائے۔ مگر جنگ ایسی ہوئی کہ کوئی جنگ نہیں ہوئی اور انتقام لیا گیا کہ کوئی انتقام نہیں لیا گیا۔ "لاتثریب علیکم" اور پھر حضور نے وہاں دو یا تین ہفتے قیام کر کے لٹیروں کے لئے کوئی موقع نہ چھوڑا۔ اب جب حضور مکہ سے واپس ہو رہے تھے تو صرف ایک بڑا گروہ دشمنان اسلام کا باقی رہ گیا تھا۔ قبیلہ ہوازن۔ ان کو عام طور پر جو صلح اور اسلام کا پیغام بھیجا جاتا تھا وہ بھیج دیا گیا۔ مگر ان کی شرارت صرف ان کے دلوں کو معلوم تھی یا فراست نبوی پر منکشف تھی واپسی کے سفر میں ہوازن نے مسلمانوں کے لشکر کو چند لمحوں کے لئے شکست دی۔ ہوازن کے دستوں نے جنگی چالوں سے مسلمانوں کے ہراول دستہ کو ایک گھاٹی کی طرف رجوع ہونے پر مائل کر دیا اور اس کی دونوں اطراف میں پہاڑیوں پر ان کے تیر انداز چھپ کر بیٹھ گئے۔ حضور عام طور پر صبح کو حملہ کرتے تھے صبح کے دھندلکے میں ہوازن کے تیر اندازوں نے بلندی سے مسلمانوں کے ہراول دستہ پر تیر اندازی شروع کر دی اور پھر ان کے پیچھے نیزہ برداروں نے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے اگلے دستے طلقاء کے تھے یعنی نو مسلموں کے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا اور جو صرف مال غنیمت کی لالچ میں شریک لشکر ہو گئے تھے۔ وہ دستے تو بھاگ نکلے اور ایک افراتفری مچ گئی۔ اس موقع پر بعض افراد کے بیان ان کے دلوں میں چھپے ہوئے بغض اور عناد کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب نے بھاگتے دستوں کو دیکھ کر کہا کہ اب یہ سمندر سے ادھر نہیں رکیں گے۔

شیبہ بن عثمان جو قریش کا موروثی علم بردار تھا اور اس کا باپ احد میں قتل ہوا تھا آگے بڑھا کہ حضور نبی کریم کو قتل کردے۔ ایک مرتبہ تلوار سونت کر آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ جیسے کوئی آتشیں تلوار اس کا راستہ روک رہی ہے۔ دوسری دفعہ حضور خود اس کی طرف متوجہ ہوئے قریب بلایا۔ سینہ پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی۔ "اے اللہ اس کے سینہ سے شر کو دور کردے"۔

خود شیبہ کا بیان ہے اس کے بعد میرا دل ایسا پھرا کہ مقابلہ میں میرا باپ بھی آتا تو اس کو قتل کر دیتا۔

اس افراتفری اور پریشانی کے عالم میں جنگ کے انتہائی نازک لمحات میں بھی خدا کا رسول اپنی جگہ قائم تھا۔ ایک

قدم پیچھے نہ ہٹا۔ نہ عزم استقلال میں کوئی فرق آیا۔ آپ ﷺ کا رخ کفار کی طرف تھا اور خچر (جس کا نام دُلدُل یا شہبا تھا) کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانا چاہتے تھے مگر وہ حضرت عباس کی گرفت میں تھا کہ تیز نہ بھاگے۔ چند گنے چنے نفوس حضور کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوسفیان بن حارث چچازاد بھائی (ابوسفیان بن حرب اموی سے مختلف) سواری کی کبھی رکاب تھامتے تھے اور کبھی لگام۔ حضور نے رجزیہ نعرہ لگایا۔

انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب

میں نبی صادق ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس وقت حضور کے گرد حضرات تھے علی ابن ابی طالب۔ عمر خطاب۔ ابوبکر۔ عبداللہ بن مسعود حضرت عباس کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم اور اسامہ بن زید۔ جعفر ابوسفیان بن حارث عقیل بن ابی طالب۔ عبداللہ بن زبیر۔ ایمن بن عبیداللہ (ام ایمن کے فرزند ارد گرد تھے)۔

جب حضور ﷺ نے خود اپنے مقام کا اپنی آواز سے اعلان کر دیا تو حضرت عباس نے جو بلند آواز تھے۔ آواز لگائی۔ یا معشر الانصار (اے انصار گروہ) جواب آیا لبیک لبیک۔ پھر آواز لگائی یا معشر المہاجرین اے مہاجرین کے گروہ۔ جواب آیا حاضر حاضر۔ پھر آواز لگائی اصحاب سمرہ اے ببول کے درخت والو (جنھوں نے ببول کے درخت کے نیچے بیعت رضواں کی تھی)۔ جواب آیا "ابھی آتے ہیں"۔ "بلکہ آ گئے"۔ پھر آواز دی اے اصحاب سورۃ البقرہ۔ اب عباس کی بلند آواز دب گئی تھی کہ ہر طرف سے لبیک لبیک کی آواز آ رہی تھی۔ مجاہد ایک کے پیچھے ایک جمع ہوتے چلے گئے بلکہ ہر مجاہد دوسرے پر سبقت کر کے آگے بڑھ کر تلوار مارنا چاہتا تھا۔ لوگ اس طرح پلٹ کر حضرت عباسؓ کی آواز کی سیدھ میں جمع ہو رہے تھے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتے کی طرف پلٹ کر آتی ہیں۔ کسی نے اونٹ موڑنا چاہا۔ بھیڑ کی وجہ سے وہ پلٹ نہ سکا تو سوار نے اونٹ کے پیٹھ سے جست لگائی کہ اب اونٹ کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی کے زرہ کا بوجھ زیادہ ہوا تو زرہ کو دفع کیا کہ اب معاملہ جان وتن کی آزمائش وقربانی کا تھا۔ زرہ صرف ایک تکلف تھی۔ پروانے شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔ صبح کے دھند لکے اور ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی نے شمع نبوت کو آنکھوں سے اوجھل کر دیا تھا۔ عباس کی آواز نے رخ دے دیا۔

لڑائی میں شدت پیدا ہوگئی۔ مسلمان سروں کی بازی لگا رہے تھے۔

ابوطلحہ انصاری اور ان کی دلیر بیوی ام سلیم شمع کا پروانہ بنے تھے۔ ابوطلحہ کے سامنے بیس کفار کے لاشے پڑے تھے اور وہ شیر دل ابھی بھی غضب ناک تھا۔ ام سلیم اس شیر دل امام کی مقتدی تھیں۔ ہاتھ میں خنجر اور پیٹھ پر ایک شیر خوار بچہ بندھا ہوا تھا۔ وہ اللہ کے رسول کی طرف بڑھنے والے کافروں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

جس کافر کو ابوطلحہ کی ایک ضرب جہنم کا راستہ نہ دکھا سکے اور وہ زخمی ہو کے گر پڑے اس کا انتظام شیر دل ام سلیم اپنے خنجر سے کر دیتی تھیں کہ اس کے سفر جہنم میں دیر نہ لگے۔

اور پھر جب مجاہد اپنا جذبہ ثابت کر چکے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مشت خاک کفار کے منہ پر ماری اور فرمایا شاھت الوجوہ۔ بگڑ گئے ان کے چہرے

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز

اور پھر اللہ تعالیٰ نے قبولیت اور تقویت کا اعلان فرما دیا۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

''وہ مٹھی خاک جب آپ نے پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی''۔

کچھ ذیلی جھڑپیں اور محاصرہ طائف ہوا اس دوران ایک بوڑھی خاتون شیما بنت الحارث گرفتار ہوئیں۔ انہوں نے نوجوان انصاری مجاہدوں کی سرزنش کی کہ ''مجھے تیز نہ چلاؤ میں تمہارے صاحب کی بہن ہو''۔

جب وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہا کہ ''ابن عبداللہ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ تم ایک بہت بڑے انسان

ہو۔میں تم پر ایمان لاتی ہوں ابن عبداللہ تم نے پہچانا۔ میں تمہاری بہن شیما ہوں۔ میں نے تم کو ایک دفعہ بہت تنگ کیا تھا تو تم نے مجھے دانت سے کانٹ لیا تھا‘‘۔ شیما نے اپنا کندھا کھول کر دکھایا۔ پھر اپنی وہ لوری سنائی جو انہوں نے حضور کے لئے نظم کی تھی۔

روش روش پہ تھے روشن چراغ یادوں کے

حضور ﷺ نے اپنی چادر بہن کے لئے بچھادی۔ وہ انصاری نوجوان جو انہیں گرفتار کر کے لائے تھے وہ ضرور گھبرائے گئے ہوں گے کہ یہ دادی اماں تو واقعی حضور کی بہن نکلیں۔ ’’اگر انہوں نے اشارہ کر دیا کہ یہ ہی مجھے گرفتار کر کے لایا ہے اور اس کے ساتھ وہ لمبا والا لڑکا بھی تھا جو اُدھر چھپ رہا ہے اور اس کے ساتھ چھوٹا والا بھی تو کیا ہوگا؟‘‘ ہم تو پھنس گئے۔

مگر دادی شیما نے یہ سب کچھ نہ کیا وہ تو صرف اپنے بھائی ابن عبداللہ کو تکتی رہیں جس کو انہوں نے چار پانچ سال اپنے ساتھ رکھا تھا۔ حضور نے شیما کو پیش کش کی وہ حضور کے ساتھ قیام کر سکتی ہیں مگر شیما نے اپنے قبیلے میں جانا پسند کیا اور وہ اس طرح تحائف کے ساتھ رخصت کی گئیں جس طرح بہنیں رخصت کی جاتی ہیں۔ اس زمانے کے تحائف کیا تھے۔ اونٹ بکریاں بھیڑیں۔ غلہ۔ کھجور۔ خیمہ اور پانی کی مَشک۔

جنگ حنین کے بعد اتنا زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا کہ سنبھالنا مشکل تھا۔ سب کو اس قدر ملا کہ وہ اس کو سنبھال نہ سکے۔ ابوسفیان اور اس کے بیٹوں نے بہت پایا۔ بہت پایا۔ قریش نے بہت پایا۔ نومسلموں نے بہت پایا۔

☆☆☆☆☆☆

عطا پر عطا

مال غنیمت سے یہ بخشش وعطا بعض لوگوں کی سمجھ سے باہر تھی۔ خصوصاً قریش سے یہ فیاضانہ سلوک بعض نوجوان انصار کو گراں گزرا۔ ناخوشی میں کسی نے کہہ دیا کہ ”عطا کا موقع آیا تو ہمیں پوچھا تک نہیں۔ نازک وقت پڑا تھا تو سب سے پہلی پکار ہماری تھی۔ ابھی تو ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔ مصیبت کے وقت ہم اور غنیمت کے وقت اپنی قوم“۔ انصار میں جب یہ چرچا بڑھنے لگا تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے ان کے احساسات رسول ﷺ تک پہنچائے۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا۔ تمہارا اپنا خیال کیا ہے؟ عرض کیا۔ میں بھی ان ہی کا ایک فرد ہوں۔ ارشاد ہوا۔ اچھا تمام انصار اور صرف انصار کو ایک جگہ جمع کرو۔ ایک بڑے بڑے چمڑے کے خیمے میں سب جمع ہو گئے تو حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے۔ فرمایا۔ کیا تم میں کوئی غیر ہے۔ عرض کیا۔ نہیں مگر ایک ہماری بہن کا لڑکا۔ فرمایا۔ بہن کا لڑکا قوم میں داخل ہے۔

وہ داستان سنائی کے دامن بھگو دیئے

اے گروہ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے پہنچی ہے؟ ان کے بزرگ اور ذی عقل افراد نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم نے تو کچھ نہیں کہا البتہ چند نوجوانوں کے یہ احساسات ہیں۔

ارشاد ہوا۔ اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہیں تھے اور اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں راہ ہدایت دکھائی؟ جواب آیا۔ ”بے شک یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہے“۔

فرمایا۔ کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ تھے؟ اور اللہ نے میرے سبب الفت تمہارے دلوں میں پیدا نہیں کر دی؟

عرض کیا۔ ”یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہے“۔

کیا تم مفلس اور نادار نہ تھے؟ اللہ نے میری وجہ سے تمہیں غنی اور مالدار نہیں بنایا؟

ایک ساتھ گویا ہوئے ”بے شک یہ اللہ اور رسول ﷺ ہی کا احسان ہے“۔

فرمایا۔ تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟

عرض کیا۔ ہم اس کا کیا جواب دیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہی اس کا جواب ہے۔

اے انصار کے لوگو!

”تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ تو ہمارے پاس ایسی حالت میں آیا کہ لوگوں نے تجھے جھٹلایا تھا۔ ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، ہم نے تیرا ہاتھ پکڑا، مدد دی، تم کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے تجھے گھر سے نکال دیا تھا۔ ہم نے تجھ گھر دیا، پناہ دی، تم کہہ سکتے ہو کہ تو مفلس تھا، ہم نے تجھے مال دیا، آسودگی دی، اگر تم یہ کہو تو تمہاری بات سچ ہے اور تمہارے سچ کو مانا جائے گا، اس کی تصدیق کی جائے گی“۔

ایمان کا حصار

”اے انصار کے لوگو! کیا تم متاع دنیا کے لئے رنجیدہ و ناخوش ہو؟“ ”میں نے نو مسلموں کو اسلام پر جمانے کے لئے ان کی دلداری کی“۔ ”تمہارا اسلام تو ایمان کے حصار میں ہے“۔ ”قریش نے ابھی ابھی جاہلیت کو چھوڑا ہے“۔ ”ایک بڑی مصیبت سے نجات پائی ہے“۔ ”میں نے چاہا کہ ان کی دل جوئی اور فریاد رسی کروں“۔ ”کیا تم اس سے خوش نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں اور چوپائے سمیٹ کر لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے جاؤ؟“

خدا کی قسم! تم جو لے کے اپنے گھر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے کر گھر جائیں گے۔

تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

"اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر ہجرت کا رتبہ بڑا نہ ہوتا تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک میداں کی راہ لیں اور انصار کی ایک گھاٹی کو اختیار کریں تو میں انصار کے ساتھ چلنا پسند کروں گا۔ اے انصار! تم میرا اشعار (استر، کپڑے کی بدن سے ملی ہوئی تہہ) ہو اور دوسرے دثار (ابری، لباس کا بیرونی حصّہ) ہیں۔ تم میرے بعد اپنے مقابلہ میں دوسروں کی ترجیح کو دیکھو گے تو صبر کرنا تاکہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات ہو"۔

"مدارج النبوّت" میں یہ بھی اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک وثیقہ تحریر کردوں کہ میرے بعد بحرین تمہاری مِلک ہوگا جو بہترین مملکت ہے اور جس کی فتح اللہ نے میرے لئے مخصوص و محفوظ رکھی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دستِ دعا بلند کر کے فرمایا۔ "اے اللہ! انصار پر رحم فرما، ان کے بیٹوں پر رحم فرما، ان کے بچوں کے بچوں پر رحم فرما"۔

"ڈھل رہے ہیں مرے اشکوں کے گہر اُن کے لئے"

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو بھر نہ آئی ہو۔ کوئی داڑھی ایسی نہ تھی جو آنسوؤں سے تر نہ ہوئی ہو، کوئی دامن ایسا نہ تھا جو اشکِ ندامت سے بھیگا نہ ہو، گریہ بڑھا تو گریہ پیہم بن گیا۔ اشک رواں ہوئے تو ابر گہر بار بن گئے۔ ہچکیاں بڑھیں تو گلے رُندھ گئے۔ ہر زبان پر یہی تھا ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ ہمیں کچھ نہیں چاہئے ہم اس تقسیم میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کچھ نہیں چاہتے نہ مال و دولت دنیا، نہ رشتہ و پیوند۔۔۔۔

ہمارا حصّہ رسدی۔ سید مکی مدنی العربی

صلی اللہ علیہ وسلّم

۲۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ شاہ روم ایک عظیم الشان لشکر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے جمع کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ لخم۔ غسان۔ جذام۔ عاملہ کے عیسائی عرب قبیلہ مل گئے ہیں۔ تیسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ اگر ابن عبداللہ سچے نبی ہیں تو ان کو شام کی طرف ضرور رجوع کرنا چاہئے کہ وہ مرجع انبیاء ہے۔ یروشلم اور مسجد اقصیٰ کے بغیر اسلام کیا؟ یہودی ذہن کے پیچھے مسلمانوں کی ہزیمت اور خاتمہ کی خواہش رہی ہوگی۔

۳۔ موتہ میں ایک مختصر سے اسلامی لشکر نے عیسائیوں کو قلعہ بند ہو کر پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس ہزیمت کا بدلہ عیسائیوں پر قرض تھا۔

۴۔ خود عیسائیوں کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خطرہ تھا اور وہ اس کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

مسلمان وجہ جاننے کے لئے بے چین نہیں تھے۔ وہ حکم برداری کے لئے بے چین تھے۔ (ویسے آج کے مورخ کو ایک مثال نظر آتی ہے کہ یہودی مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ عیسائیوں کو آگے بڑھاتے رہے ہیں۔ خیبر سے لے کر اسرائیلی حکومت تک ہوسکتا ہے کہ آج اسرائیلی ہندوستانیوں سے کام لینا چاہیں)۔

حضور نے چندے کی اپیل کر دی۔

ارشاد ہوا ”دینوی زندگی کا سرمایہ آخرت میں بہت ہی کم ہے“۔

ان دنوں حضرت عمر کی تجارت زوروں پر تھی۔ خیال گزرا کہ آج وہ ابوبکر سے بازی لے جائیں گے۔

اک دن رسول پاک نے اصحاب سے کہا — دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمر اٹھے — اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدّیق سے ضرور — بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار

لائے غرض کہ مال رسول امیں کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرور عالم نے اے عمر
اے وہ کہ جوش حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار

ملک و یمین و درہم و دینار و رخت و جنس
اسپِ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہئے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
"اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

اس میں آخری شعر دوبارہ سوچنے اور پڑھنے کا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف بڑے تاجر تھے۔ انہوں نے چالیس اوقیہ سونا اور دو سو اوقیہ چاندی نذر کی۔ اس کے علاوہ ان کے پاس آٹھ ہزار درہم تھے حاضر ہو کر عرض کیا اس میں آدھا اپنے اللہ کو قرض دیتا ہوں (اللہ تعالیٰ نے یہ قرض ان کی زندگی ہی میں اس طرح واپس کیا کہ برکت کی انتہا کردی۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے انتقال کیا تو ان کا ورثہ لاکھوں میں تھا)

حضرت عثمان بڑے تاجر تھے۔ ان کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر شام کی طرف جارہا تھا۔ وہ قافلہ روک لیا گیا

اور ختم کر دیا گیا ذخیرۂ لشکر میں دو سو اونٹ اور دو سو اوقیہ چاندی کا اضافہ ہو گیا۔ بڑے تاجروں کے پاس ہر وقت حاضر مال نہیں ہوتا مگر آتا جاتا رہتا ہے۔ حضرت عثمان نے لشکر روانہ ہونے سے پہلے مزید سو اونٹ معہ ساز و سامان پیش کئے۔

حدیث میں آتا ہے حضور ﷺ نے منبر سے قدم نیچے اتارا اور دو دفعہ فرمایا ''اس کے بعد عثمان کو کوئی عمل آخرت میں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت عثمان تیسری دفعہ حاضر ہوئے اور اپنی آستینوں میں ایک ہزار دینار بھر کر لائے اور حضور ﷺ کے آگے ڈھیر کر دیا۔ خوشی سے چہرۂ اقدس گلنار ہو گیا۔ فرط مسرّت سے ان دیناروں کو بار بار اٹھاتے اور اچھالتے رہے۔ ارشاد ہوا۔

''اے عثمان اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔

تم نے کس قدر خوش اور غنی کر دیا''۔

عثمان اب عثمان غنی کہے جانے لگے۔

(اس کے اندازاً سترہ سال کے بعد عثمان کو اسی مسجد نبوی میں باغیوں نے ذبح کر دیا۔ عثمان اس وقت خلیفہ وقت تھے اور سلطنت سندھ سے مراکش تک پھیلی ہوئی تھی مگر ان کا کوئی باڈی گارڈ دستہ تک نہیں تھا۔۔۔۔۔ اور انہوں نے مدینہ میں خوں ریزی کی اجازت نہیں دی سوائے اپنی شہادت کے)۔

صحن مسجد میں درہم و دینار مال منال غلّہ اجناس کھجور کا ڈھیر لگ گیا۔ اتنے میں ایک صحابی ابو عقیل انصاری ڈرتے ڈرتے عاجزی انکساری سے داخل ہوئے۔ عطیات کا ڈھیر دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے۔ حضور نے فرمایا ''آؤ عقیل۔ کیوں رک گئے''۔ ابو عقیل نے ایک میلی پوٹلی نکالی اور اس میں ڈرتے ڈرتے کچھ کھجوریں پیش کیں۔

''رات بھر ڈول کھینچ کر ایک یہودی کا باغ سیراب کیا۔ کچھ کھجوریں مزدوری میں ملیں۔ کچھ اس میں بھوکے بیوی بچوں کو دیں۔ باقی یہ لایا ہوں''۔ پھر نظریں جھکا لیں۔

حضور نے وہ کھجوریں مسکرا کر قبول کیں اور سارے عطیات پر ان کو بکھیر دیا۔ ارشاد ہے ''محنت کرنے والا اللہ کا

دوست ہے''۔ اللہ کے دوست کا نذرانہ سب نذرانوں کے اوپر بکھیر دیا گیا۔

''اللہ رے حضور کی دل نوازی''

اُدھر امّ المومنین عائشہ کے حجرے میں عورتیں چوڑیاں، بالیاں ایک کپڑے پر جمع کر رہی تھیں۔ حضور کا ارشاد یاد تھا۔

جس نے جہاد کیا نہ کسی مجاہد کے لئے سامانِ جہاد فراہم کیا نہ مجاہد کے میدان جنگ میں چلے جانے کے بعد اس کے بال بچوں کی بھلائی سے خبر گیری کی تو وہ دنیا میں بھی مصیبت دیکھے گا اور قیامت میں بھی عذاب جھیلے گا''۔

تمام اموال مجاہدین میں تقسیم ہوئے کہ جہاد کا سامان خریدیں۔ حضور نے ارشاد کیا کہ جوتے زیادہ فراہم کرو۔ ظاہر ہے کہ گرمی میں ریت اور پتھر پر سات سو کلو میٹر کا سفر تھا۔ کچھ مجاہدوں کے حصّہ میں اٹھارہ مجاہدوں کے درمیان میں ایک اونٹ آیا۔ حساب کرلیں کہ اگر ایک وقت میں اونٹ پر چار مجاہد بھی معہ اپنے زادِ راہ کھانے پانی کھجور جنس کے باری باری بیٹھیں تو سات سو کلو میٹر کے فاصلہ میں سے ہر مجاہد کو اندازاً تین سو کلو میٹر پیدل چلنا پڑے گا اور پھر واپسی کا راستہ بھی اور پھر بلا کی گرمی اور پانی کی قلت۔

☆☆☆☆☆☆

منافقین

بہت سے لوگوں نے آ کر اپنی مجبوری بیان کی اور ساتھ چلنے سے معذرت کی ان کی معذرت فوراً قبول کی گئی۔ وہ ساتھ نہیں گئے۔ لوگوں نے منافقین کو پہچان لیا۔

خیر اچھا ہی ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

سب یہود کو نظر آ رہا تھا کہ تیس ہزار کی نفری کے لئے خوراک ناکافی ہوگی۔ (کافی ناکافی کا حساب یہود کو اس وقت بھی آتا تھا اور اب بھی)۔

ریگستان میں مسلمانوں کے فاقے سے مرجانے کے منتظر بہت سے یہود تھے۔ مسلمانوں کے حضرت عثمان کو بھی غلّہ ناکافی نظر آ رہا تھا۔ فوراً ایک سفیر گھوڑے پر روانہ ہوا۔ عثمان کا ایک قافلہ غلّہ سے لدا ہوا آ رہا تھا اس کو حکم گیا کہ راستہ موڑ کر فلاں مقام پر مجاہدین سے مل جائے اور اونٹ اور خوراک ان کے حوالے کر دے۔

مدینہ میں سات رونے والوں کا بھی قصہ سامنے آیا۔

ان کے پاس سواری اور زادِ راہ نہیں تھا اور حضور ﷺ نے کہہ دیا کہ اب وہ کسی کو کچھ بھی فراہم نہیں کر سکتے۔ سامان ختم ہو گیا تھا۔ یہ سات مفلس مدینہ کی گلیوں میں روتے دیکھے گئے اور ''بکاین'' کے نام سے سیرت کی کتابوں میں جگہ پائی۔ یعنی ''رونے والے''۔

حضرت سعد نے دیکھا۔ کچھ دوڑ بھاگ کی۔ ادھر ادھر سے بھی مانگا۔ جو کچھ اپنے پاس تھا وہ سامنے لائے اور ان کو چھ اونٹ دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم کو میں نے سواری نہیں دی تو اللہ نے دی''۔

قافلہ چلا۔ راستہ میں ابوذر غفاری غائب ہوگئے۔ کسی نے کہا کہ وہ ساتھ چھوڑ گئے۔ حضور خاموش رہے۔ اگلی منزل پر قافلہ رک کر آرام کر رہا تھا تو دیکھا کہ افق پر ایک نقطہ ابھر رہا ہے۔

عرض کیا کہ یارسول اللہ شاید کوئی آرہا ہے۔ حضور نے فرمایا "ابوذر ہوں گے"۔ ابوذر ہی تھے۔ پیدل آرہے تھے۔ کندھے پر ساز وسامان لدا تھا۔ راستہ میں اونٹ نے چلنے سے انکار کر دیا تو اسے چھوڑ دیا۔ اونٹ نے ساتھ چھوڑا تھا ہمت اور جذبے نے نہیں۔ پیدل ہی بغیر دم لئے چلتے رہے اور آخر کار قافلہ سے مل ہی گئے۔

حضور نے فرمایا۔

"اللہ ابوذر پر رحم کرے تنہا چلے گا۔ تنہا مرے گا۔ اور قیامت کے دن تنہا اٹھایا جائے گا"۔

ابوخثیمہ ایک انصاری صحابی تھے لشکر کی روانگی کے وقت پیچھے رہ گئے۔ سخت گرمی میں باغ میں پہنچے۔ سورج آگ برسا رہا تھا ان کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں سائبانوں میں ان کا بستر تھا۔ مٹی کے کورے کوزے میں ٹھنڈا پانی اور دستر خوان حاضر تھا۔ دیکھا تو دل میں ایک تیر ترازو ہوگیا کہ اس وقت حضور ریگستان کی گرمی برداشت کر رہے ہیں۔ اسی طرح سے اونٹ موڑ کر تبوک کی طرف روانہ ہوگئے۔ کسی نے مدینہ سے آنے والے راستہ پر ایک نقطہ ابھرتے دیکھا۔ عرض کیا تو حضور نے جواب دیا کہ "ابوخثیمہ ہوں گے"۔ قریب پہنچے تو ارشاد ہوا "ابوخثیمہ مبارک ہو تم ہلاکت کی گود سے نکل آئے۔

خوراک ختم ہوگئی۔ لوگوں نے اجازت مانگی کہ اونٹوں کو ذبح کریں۔ حضرت عمر نے سخت مخالفت کی کہ سواریاں اور کم ہو جائیں گی اور واپسی کا راستہ اتنا ہی طویل ہے۔ حضور نے سارا توشہ جمع کر کے برکت کی دعا کی۔ توشہ تو اتنا ہی رہا مگر چند دن تک نہ برکت کی دعا ختم ہوئی اور نہ توشہ۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک قافلہ آرہا ہے اونٹوں کا۔ غلّہ جنس سے لدا ہوا۔ یہ عثمان کا قافلہ تھا جس کو مدینہ جانا تھا اور حضرت عثمان کی ہدایت پر ان کے سفیر نے بروقت آدھے راستہ سے اس کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔ حضور کی برکت کی دعا کا اب یہ اثر دیکھا گیا کہ مجاہدین کو کھجور کے بجائے میدہ گھی چینی میسر آئی۔

اور حلوہ کھاتے ہوئے دیکھے گئے۔ حضور نے دعا کی یا اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔

عیسائی لڑنے نہیں آئے۔

تبوک میں لڑائی نہیں ہوئی۔

ساری دنیا نے مجاہدین کا جذبہ اور جرأت دیکھ لی۔

شاید حضور کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کی دھاک بٹھادی جائے اور دشمن مدینہ کے قریب نہ آئیں اور اس لئے مجاہدین نے سات سو کلومیٹر کا سفر کیا۔ یا پھر منافقین کا پردہ چاک کرنا مقصد ہوگا مصلحت اللہ جانے اور اس کا رسول جانے۔

تبوک پہنچ کر نبی ﷺ نے ایک ماہ قیام فرمایا۔ اہل شام پر اس حرکت کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے عرب پر حملہ آور ہونے کا خیال اس وقت چھوڑ دیا اور اس حملہ آوری کا بہترین موقع آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کا زمانہ قرار دیا۔

تبوک میں ایک نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک مختصر اور نہایت جامع وعظ فرمایا تھا۔ ذیل میں اسے مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ مولف نے اس میں صرف اس قدر تصرف کیا ہے کہ ہر فقرہ پر نمبر شمار لگا دیئے ہیں حمد وثنا کے بعد فرمایا!

فان اصدق الحدیث کتاب اللہ

۱۔ ہر ایک کلام سے صدق میں بڑھ کر اللہ کی کتاب ہے۔

و اوثق العری کلمۃ التقویٰ۔

۲۔ سب سے بڑھ کر بھروسے کی بات تقویٰ کا کلمہ ہے۔

وخير الملل ملة ابراهيم۔

۳۔ سب ملتوں سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

وخير السنن سنة محمد۔

۴۔ سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے۔

واشرف الحديث ذكر الله۔

۵۔ سب باتوں پر اللہ کے ذکر کو شرف ہے۔

واحسن القصص هذا القرآن۔

۶۔ سب بیانات سے پاکیزہ تر یہ قرآن ہے۔

وخير الامور عوازمها۔

۷۔ بہترین کام اولوالعزمی کے کام ہیں۔

وشر الامور محدثا تها۔

۸۔ امور میں بدترین امر وہ ہے جو نیا نکالا گیا ہو۔

واحسن الهدى، هدى الانبياء۔

۹۔ انبیاء کی روش سب روشوں سے خوب تر ہے۔

واشرف الموت قتل الشهداء۔

۱۰۔ شہیدوں کی موت موت کی سب قسموں سے بزرگ تر ہے۔

واعمی العمی الضلالۃ بعد الھدی۔

۱۱۔ سب سے بڑھ کر اندھاپن وہ گمراہی ہے جو ہدایت کے بعد ہوجائے۔

خیر الاعمل مانفع۔

۱۲۔ اعمال میں وہ عمل اچھا ہے۔ جو نفع بخش ہو۔

خیر الھدی ما اتبع۔

۱۳۔ بہترین روش وہ ہے جس پر لوگ چل سکیں۔

وشر الجمی عمی القلب۔

۱۴۔ بدترین اندھاپن دل کی اندھاپن ہے۔

والید العلیا خیر من الید السفلی۔

۱۵۔ بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

وما قل و کفی خیر ما کثر و الھی۔

۱۶۔ تھوڑا اور کافی مال اس بہتات سے اچھا ہے جو غفلت میں ڈال دے۔

شر المعذراۃ حین یحضر الموت۔

۱۷۔ بدترین معذرت (توبہ) وہ ہے جو جان کنی کے وقت کی جائے۔

وشر الندامة یوم القیمة۔

۱۸۔ بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت کو ہوگی۔

ومن الناس لا یاتی الجمعة الا دبرا۔

۱۹۔ بعض لوگ جمعہ کو آتے ہیں مگر دل پیچھے لگے ہوتے ہیں۔

ومن لا یذکر اللہ الا ھجرا۔

۲۰۔ ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں۔

ومن اعظم الخطاء اللسان الکذوب۔

۲۱۔ سب گناہوں سے عظیم تر جھوٹی زبان ہے۔

وخیر الغنی غنی النفس۔

۲۲۔ سب سے بڑی تونگری دل کی تونگری ہے۔

وخیر الزاد التقوی۔

۲۳۔ سب سے عمدہ توشہ تقوی ہے۔

وراس الحکمة مخافة اللہ عزوجل۔

۲۴۔ دانائی کا سرمایہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں ہو۔

وخیر ما وقر فی القلوب الیقین۔

۲۵۔ دل نشین ہونے کے لئے بہترین چیز یقین ہے۔

والارتیاب من الکفر۔

۲۶۔ شک پیدا کرنا کفر (کی شاخ) ہے۔

والنیاحة من عمل الجاھلیة۔

۲۷۔ بین سے رونا جاہلیت کا کام ہے۔

والغلول من حر جھنم۔

۲۸۔ چوری کرنا عذاب جہنم کا سامان ہے۔

والسکر کی من النار۔

۲۹۔ بدمست ہونا آگ میں پڑنا ہے۔

والشعر من ابلیس۔

۳۰۔ شعر ابلیس کا (حصہ) ہے۔

والخمر جماع الاثم۔

۳۱۔ شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے۔

وشر الماکل مال الیتیم۔

۳۲۔ بدترین روزی یتیم کا مال کھا جانا ہے۔

وسعيد من وعظ بغيره۔

۳۳۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت پکڑتا ہے۔

الشقی من شقی فی بطن امه۔

۳۴۔ اصل بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو۔

وملاك العمل حواتمه۔

۳۵۔ عمل کا سرمایہ اس کا بہترین انجام ہے۔

وشر الرويا رويا الكذب۔

۳۶۔ بدترین خواب وہ ہے جو جھوٹا ہو۔

وكل ماهوات قريب۔

۳۷۔ جو بات ہونے والی ہے وہ بہت قریب ہے۔

وسباب المومن فسوق۔

۳۸۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔

وقتاله كفرا۔

۳۹۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے۔

۴۰۔ مومن کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) اللہ کی معصیت ہے۔

وحرمة ماله كحرمة دمه۔

۴۱۔ مومن کا مال دوسرے پر ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اس کا خون۔

ومن يتعالى على الله يكذبه۔

۴۲۔ جو خدا سے استغناء کرتا ہے، خدا اسے جھٹلاتا ہے۔

ومن يغفر يغفر الله له۔

۴۳۔ جو کسی کا عیب چھپاتا ہے، خدا اس کے عیب چھپاتا ہے۔

ومن يعف يعف عنه۔

۴۴۔ جو معافی دیتا ہے، اسے معافی دی جاتی ہے۔

ومن يكظم الغيظ يا جره الله۔

۴۵۔ جو غصّہ کو پی جاتا ہے، خدا اسے اجر دیتا ہے۔

ومن يصبر على الرزية يعوضه الله۔

۴۶۔ جو نقصان پر صبر کرتا ہے، خدا اسے اجر دیتا ہے۔

ومن يتبع السمعة يسمعه الله۔

۴۷۔ جو چغلی کو پھیلاتا ہے، خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے۔

ومن یصبر یضعف اللّٰه له۔

۴۸۔ جوصبر کرتا ہے، خدا اسے بڑھاتا ہے۔

ومن یعصی اللّٰه یعذبه اللّٰه۔

۴۹۔ جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے خدا اسے عذاب دیتا ہے۔

ثم استغفر ثلثا۔

۵۰۔ پھر تین دفعہ استغفار پڑھ کر حضور ﷺ نے اس خطبہ کو ختم فرمایا۔

☆☆☆☆☆☆

لیکن اب تو سر گرانی اور ہے

حضور کو تمام لوگوں نے صحابہ اور کفار اور دوست اور دشمن ہر ایک نے ہمیشہ ''سراپا تلطّف بے حساب مہربان'' ہی پایا مگر اب تبوک سے واپسی پر لوگوں نے دیکھا کہ روئے منوّر پر کبھی ناراضگی کا غبار اور جبین انور پر کبھی شکنیں نظر آتی تھیں۔ تبوک کے سفر میں کچھ لوگوں نے رات کے اندھیرے میں حضور پر قاتلانہ حملہ کی کوشش کی۔ یہ منافق تھے۔ اللہ کی روشن کی ہوئی آخری شمع کو رات کی تاریکی میں بجھا دینا چاہتے تھے۔ حضور کو فراست نبوی سے علم ہو گیا۔ حضرت حذیفہؓ کو ارشاد کیا اور انہوں نے اپنے ترکش سے ہی ان پر حملہ کیا۔ یہ نقاب پوش بھاگ نکلے۔ حضور نے پوچھا کہ ''حذیفہ ان کو

پہچانتے ہو؟'' حذیفہ نے جواب دیا میں ان کی سواریاں ان کے رہوار کے ذریعہ ان کو پہچانتا ہوں۔ حضور نے ان پر کوئی سزا عائد نہ کی۔ حذیفہ نے جو بعد میں اکثر ''حضور کے راز دان'' کے لقب سے جانے جاتے تھے ان منافقوں کو پہچانا اور بعد میں حضور نے راز داری کے ساتھ ان کو دوسرے منافقوں کے نام بھی بتا دیئے۔ آئندہ سالوں میں حضرت عمر خلیفہ دوئم لوگوں کے جنازے پر حضرت حذیفہ کا عمل دیکھتے تھے۔ اگر وہ جنازے میں شریک نہ ہوتے تھے تو حضرت عمر اس میت کو منافق گردان کر جنازے میں شریک نہ ہوتے تھے۔

منافقوں کو۔ یہودیوں کو۔ دشمن قبائل کو بڑی امیدیں تھیں کہ ہرقل کی فوجیں تبوک میں مسلمانوں کو کھا جائیں گی۔ بڑی ناامیدی ہوئی ان کو جب رومی فوجیں پیچھے ہٹتی گئیں اور گرمی اور بھوک اور پیاس اور آمد و رفت کا پندرہ سو کلومیٹر کا سفر بھی مسلمانوں کو نہ توڑ سکا نہ موڑ سکا۔ اور مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر کودتا پھاندتا نہیں بھنگڑا ڈالتا نہیں۔ بڑکیں مارتا نہیں۔ شور مچاتا نہیں۔ نبی کی قیادت میں وزن۔ وقار۔ ذوق عبودیت سے سرشار۔ اللہ اور رسول کی رضا کے حصول پر نازاں۔ اور شکر گزار۔ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے۔ اور راتوں کی سجدہ گزاریوں۔ کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوا۔

''جو بڑھے تو سیل رواں تھے ہم

جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم''

مدینہ میں ایک صبح نو کا طلوع سب نے دیکھ لیا۔ اور عرب نے شیطانی سیاہ رات کو عرب کے افق سے دور کہیں زیادہ گہری ظلمات میں ڈوبتے دیکھا۔ اس کے بعد تو عربوں کے وفود کی انتہا نہ رہی۔ مختلف مؤرخین نے ان کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ طبقات ابن سعد نے ستر وفود گنوائے ہیں۔

(اگر ایک وفد کے قیام اور تحریر معاہدہ کے لئے اوسط تین دن لگائیں تو سال میں سے دو سو دن تو اسی میں نکل گئے اور ایک ہی سال کے اندر حضور حجۃ الوداع کو تشریف لے گئے کوئی حد ہے اس مصروفیت کی؟)

☆☆☆☆☆☆

جھوٹی عرضیاں سچّا بیان

جب حضور تبوک سے مدینہ واپس آئے تو وہ منافقین یا کمزور ایمان مسلمان یا وہ لوگ جو تبوک کو مسلمانوں کی قتل گاہ سمجھتے تھے دوڑے ہوئے آئے اور اپنی عرضیاں پیش کیں کہ وہ جنگ میں کس لئے شریک نہ ہو سکے۔ ان کی تعداد ۸۰ اسّی بتائی جاتی ہے۔ حضور نے سب کی معذرت قبول کر لی اور سب کو معافی مل گئی۔

تین سچے ایسے تھے کہ انہوں نے حضور کے سامنے بیان دیا کہ ان کو کوئی مجبوری نہیں تھی اور وہ صرف کاہلی۔ لاپرواہی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان کو حکم ہوا کہ جائیں اور اپنی سزا کا انتظار کریں۔ یہاں سے آپ ان تین میں سے ایک کعب بن مالک کا بیان ان کی زبان سے سنئے۔

حضرت کعب کہتے ہیں ”میرے خاندان کے لوگوں نے مجھ کو گھیر لیا اور کہا کہ جب سے تم اسلام لائے ہو ہم نے تمہیں کوئی گناہ کرتے نہیں دیکھا۔ تم بھی کوئی بات بنا دیتے۔ حضور کی دعائے مغفرت تمہارا دھبّہ دھونے کو کافی ہوگی۔ مجھے خیال آیا کہ پلٹ جاؤں اور اپنا بیان بدل دوں۔ میں نے پوچھا کہ میرے علاوہ کوئی اور بھی ایسا ہے جو سزا کا منتظر ہو۔ تو معلوم ہوا کہ ہلال بن امیہؓ واقفی اور مرارہ بن ربیع عمروی ہیں۔

یہ دونوں اصحاب بدر میں سے تھے۔ میں رک گیا۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی ان تینوں سے بات چیت نہ کرے۔ میں جس مسلمان سے گفتگو کرنا چاہتا وہ اپنا رخ پھیر لیتا۔ اپنوں کی اس بے رخی کو دیکھ کر میرے دو ساتھیوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ میں نماز کے وقت مسجد نبوی جاتا۔ حضور کے قریب جا کر سلام کرتا اور دیکھتا رہتا کہ حضور کے ہونٹ ہلتے ہیں یا نہیں۔ لوگوں کی بے رخی سے گھبرا کر ایک دن میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقتادہ کے باغ گیا۔ ہم دونوں میں بڑی محبت تھی۔ میں نے سلام کیا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ ابوقتادہ تم تو میرا خون ہو تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں۔ یہ سن کر بھی اس کے منہ سے کچھ نہ نکلا میں نے تیسری بار اس کو اللہ کی

قسم دی کہ جواب دو تو۔ اس کا جواب تھا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ یہ سن کر آنسوؤں اور آہوں نے ضبط کا دامن چھوڑ دیا۔

"رو لے اب دل کھول کے اے دیدۂ خوں نابہ بار"

اب تو میرے ایمان کی گواہی دینے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ دل کہتا تھا کہ کاش زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ زمین مجھ پر تنگ تھی اور آسمان دور تھا۔

باغ سے نکل کر بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک نصرانی کو دیکھا کہ وہ لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ وہ ایک خط لایا تھا جو شاہ غسان کی طرف سے تھا (تبوک میں قبیلہ غسان کے خلاف فوج کشی ہوئی تھی)۔

خط تھا "اے کعب بن مالک میں نے سنا ہے کہ تمہارے آقا تم سے ناراض ہیں۔ تم کو اب وہاں نہیں رہنا چاہیے جہاں تمہاری کوئی عزت نہیں ہے۔ جیسے ہی تم کو یہ خط ملے میرے پاس آجاؤ۔ یہاں تمہارے لئے عزت آبرو اور سرافرازی موجود ہے"۔

میں نے خط پڑھتے ہی "اناللہ وانا الیہ راجعون" کہا۔ اب وہ دن آ گئے تھے کہ دشمن میری وفاداری کی قیمت لگا رہے تھے مجھے خریدنا چاہتے تھے۔ قاصد نے خط کا جواب مانگا۔ میں نے خط قریب کے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا کہ یہ ہی جواب تھا۔ درِ رسول کی غلامی خریدی جا رہی تھی بادشاہی اعزاز کی قیمت پر۔ **میرے سر پر ان کی جوتیاں تیرے تاج سے بہتر ہیں۔**

پچاس دن اسی طرح گزر گئے۔

ہر شب وہ سیہ بوجھ کے دل بیٹھ گیا تھا

ہر صبح کو لو تیر سی سینے میں لگی تھی

مسجد نبوی جاتا تو بطور خاص وہاں نماز ادا کرتا جہاں حضور تشریف فرما ہوتے۔ دوران نماز کن انکھیوں سے حضور کی طرف دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ حضور شفقت سے نظر فرما رہے ہیں مگر آنکھ ملتے ہی حضور کی آنکھیں اور بعض وقت چہرہ دوسری طرف پھر جاتا۔ یعنی ابھی سزا ختم نہیں ہوئی۔

پچاسویں دن گھر پر ہی فجر کی نماز پڑھ کر منہ چادر سے ڈھک کر لیٹ گیا۔ کوہ سلع سے پکارنے والے نے پکارا۔

''اے کعب بشارت ہو۔۔۔۔''۔

آگے کیا سنتا۔ بے اختیار سجدے میں گر پڑا۔ باہر آواز ہوئی زبیر بن عوّام گھوڑے کو بھگاتے آئے۔ ''مبارک ہو مبارک ہو''۔ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف بھاگا کہ معافی تو ان کے ہونٹوں سے سنّی تھی۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ فرمایا ''کعب تیری زندگی میں ماں کے پیٹ سے جنم لینے سے آج تک آج سے کوئی بہتر دن نہ آیا ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی تھی۔ سورۃ التوبہ میں ان تین بندوں کا ذکر ہے۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ -

ترجمہ: ان تین آدمیوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جو چھوڑ دیئے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین بھی ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بہتر کوئی پناہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اسی کی طرف رجوع ہوں اور پھر اللہ نے توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی توبہ کرتے رہا کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

(سورۃ التوبہ وہ واحد سورۃ ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بغیر شروع ہوتی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک قرآنی آیت

ہے۔قرآنی آیت میں تحریف ایسا جرم ہے کہ انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے''بسم اللہ الحی القیوم'' لکھنا بولنا پڑھنا صرف اپنی انشاء پردازی کا زور دکھانا ہے۔اللہ معاف کرے۔قرآن کریم میں صرف بسم اللہ تو آیا ہے اور اس طرح اس کی اجازت ہے مگر حی القیوم لگایا تو پھر کچھ اور لوگ ''سمیع البصیر'' اور ''علیم الخبیر'' بھی لکھیں گے اور کئی سو فرقہ بنائے جائیں گے)۔

حضور ﷺ کے تین سو کے قریب مکتوبات (خطوط) پرانے سیرت نگاروں نے جمع کئے ہیں۔میں انہیں اگلی کتاب کے لئے جمع کر رہا ہوں۔ہر خط کا سرنامہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔کسی مکتوب میں کسی کاتب نے بھی کوئی انشاء پردازی کر کے اس آیت میں تحریف نہیں کی ہے۔حضور ﷺ کا ہر خطبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتا ہے کہیں کسی لفظ کی تبدیلی نہیں ہوئی۔اس مولف نے کچھ خطبات اردو انگریزی میں ترجمہ کر کے چھاپے ہیں۔مزید بشرط زندگی۔حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور خلفائے راشدین نے سارے معاہدات کا سرنامہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی رکھا اور آج تک ہمارے سلف صالحین نے اس کو برقرار رکھا۔سمجھ میں نہیں آتا کہ لفاظی اور انشاء پردازی کی ضرورت کیا ہے۔میرا یہ بیان صرف ایک خاص شخص اور حادثہ سے متعلق ہے۔عام قاری اس کو نظر انداز کر دے۔

☆☆☆☆☆☆

خطبہ حجۃ الوداع

''حرف کی ایک ایک کرن روشنیِ رہ گزر''

حضور ﷺ رجب ۹ ہجری میں تبوک سے واپس آئے اور حضور نے 70 وفود سے جو تمام عرب سے آئے تھے ملاقات کی اور ذی قعدہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے لئے روانہ ہوئے یعنی اندازاً سترہ مہینے کے بعد۔ اس حج کے کئی نام لکھے جاتے ہیں۔ حجۃ البلاغ۔ حجۃ الاتمام والا کمال۔ حجۃ الاسلام اور حجۃ الوداع۔ ان تمام ناموں کے معانی بتاتے ہیں کہ مؤرخین سیرت نگاروں نے اسے کس طرح دیکھا ہے۔ بہت سے مسائل کی تبلیغ ہوئی ہے اس لئے حجۃ البلاغ۔ اور اسکے فوراً بعد آیت نازل ہوئی۔

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا''۔

اس لئے حج اتمام واکمال اور حجۃ الاسلام اور چونکہ یہ حضور کا آخری حج تھا اس لئے حجۃ الوداع۔

نیچے حضور ﷺ کا حج وداع کے (متفقہ) خطبہ کا قریب ترین اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع

لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

لوگو! تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی اس شہر کی اس مہینے کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات میں قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔

جاہلیت کے قتل کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔

پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا۔ میں چھوڑتا ہوں۔

جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جس کو میں مٹاتا ہوں۔ وہ عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہے)۔ نہ آنے دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔

عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ۔ اچھی طرح پہناؤ۔

لوگو! تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید امت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور پنج گانہ نماز ادا کرو۔ خانہ خدا کا حج کرو۔ اور اپنے اولیائے امور وحکام کی اطاعت کرو۔ جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہو گے۔

لوگو! قیامت کے دن تم سے میرے بابت بھی دریافت کیا جائے گا مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا۔ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے۔

آپ ﷺ نے رسالت ونبوت کا حق ادا کر دیا۔

آپ ﷺ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔

(اس وقت) نبی ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا۔

آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے۔

(فرماتے تھے) اے خدا سن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں)

اے خدا گواہ رہنا (کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں)

اے خدا گواہ رہ (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں)

دیکھو! جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں۔ اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں۔ جن پر تبلیغ کی جائے۔

☆☆☆☆☆☆

حضور ﷺ کی حدیثیں محدّثین نے کاوش اور جاں فشانی سے اور پوری تحقیق سے جمع کی ہیں۔ خود اس گناہ گار مولّف نے کچھ حدیثوں کا اردو انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے۔ یہ ایک حدیث اس لحاظ سے منفرد ہے کہ صوفیاء کرام نے اس حدیث کو تصوف کی بنیاد بنایا ہے۔ سارا تصوف اس حدیث پر انحصار کرتا ہے۔ (میں تو یہ ہی سمجھا ہوں۔ غلط ہو سکتا ہے) یہ حدیث حضرت عمر سے روایت ہے ثقہ راوی ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث جبرئیل

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد حضور ﷺ ایک دن مسجد میں صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک اجنبی حاضر ہوا۔ اس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بے حد سیاہ تھے۔ لباس سے خوشبو کی مہک آ رہی تھی۔ اجنبی ہونے کے باوجود اس پر سفر کے کچھ آثار نہ تھے۔ ہم میں سے کوئی اس نووارد کو جانتا بھی نہ تھا۔ وہ آپ ﷺ کے قریب نہایت ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے حضور ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے۔

اس شخص نے دریافت کیا اے محمد ﷺ! اسلام کیا ہے؟

فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تم شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو۔

فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر حج بیت اللہ کی استطاعت ہے تو حج کرو۔

نووارد نے جواب سن کر کہا کہ آپ ﷺ نے سچ کہا۔

اس نے پوچھا۔ مجھے بتلایئے کہ ایمان کیا ہے؟

فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو۔ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخر یعنی قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو، یہ بھی سن کر اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ کہا۔

حدیث کے راوی حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس پر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور خود ہی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ استفسار کیا احسان کس چیز کا نام ہے؟

فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت ایسی دل لگا کر کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال رہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس نے سوال کیا۔ قیامت کب آئے گی؟

فرمایا۔ جس سے یہ بات پوچھی جا رہی ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ (ناواقفیت میں دونوں برابر ہیں)۔

عرض کیا۔ تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلایئے؟

فرمایا۔ میں تمہیں اس کی علامتیں بتائے دیتا ہوں۔

(۱) جب لونڈی اپنے آقا اور مالک کو جنے گی۔

(۲) تم دیکھو گے جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں، وہ بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

وہ شخص باہر نکلا اور غائب ہو گیا۔ کسی نے نہ دیکھا کہ کدھر گیا۔ کافی دنوں کے بعد حضور ﷺ نے پوچھا کہ اے عمر تم جانتے ہو وہ کون شخص تھا؟

حضرت عمرؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے۔ تمہاری مجلس میں اس لئے آئے کہ تمہیں تمہارا دین سکھا دیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کے چھ خطبات کو ایک ہی جلد میں جمع کرنے کا ایک مقصد تھا۔ مگر اب اس مقصد کو پورا کرتے ہوئے ڈر رہا ہوں۔ افصح الفصحا ﷺ کے خطبات پر تبصرہ کرنے کا خیال تھا اور اب اس خیال سے لرز رہا ہوں میں کہاں اور حضور ﷺ کی خطابت پر تبصرہ اور محاکمہ کہاں۔

لے سانس بھی آہستہ کے دربار نبی ہے

خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

حضور ﷺ کا کوئی لفظ۔ کوئی حرف۔ خود حضور کے کسی لفظ سے نہ کم تر ہے نہ برتر۔ اور موازنہ کی جرأت کم از کم مجھ جیسے کم علم کو نہیں کرنا چاہئے۔ دو ہفتہ قلم روکے رکھا مگر خود حضور ﷺ کی نظر کرم کے بھروسہ پہ قلم اٹھالیا ہے کہ وہ خود ہی وہ لکھوا دیں گے جس میں کوئی بے ادبی اور موازنہ کا پہلو نہیں نکلے۔

☆☆☆☆☆☆

خطبہ اول صفا

کچھ کھینچ کر اس خطبہ کو جو بعثت نبوی کے پہلے سال کا ہے اس دوسری جلد میں لایا ہوں تا کہ وہ پانچ خطبے جو ایک جگہ پیش کرنا چاہتا ہوں ایک ہی جلد میں آجائیں۔ اس خطبہ کو پڑھ کر جو تصویر میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک سنگلاخ زمین سخت چٹانیں اور ان کے درمیان ریگستان سخت گرمی میں جھلس رہی ہے۔ یکا یک رحمت حق کو جوش آتا ہے۔ ہزاروں سال کی ترسی ہوئی زمین پر باران رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ وہ پہلا قطرہ بارش کا جو اس گرم چٹان جھلتی ہوئی ریت پر گرتا ہے فوراً اپنی ہستی کو ختم کر دیتا ہے۔ نشان بھی نہیں رہتا۔ کیا وہ پہلا قطرہ بے کار گیا؟ اس کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔ کیا وہ واقعی بے کار گیا۔ ظاہر بیں آنکھ والا یہ ہی بیان دے گا کہ ہاں اس قطرہ کا کوئی کارنامہ نظر نہیں آیا۔ مگر

ایک دوسرا شخص پوچھ سکتا ہے کہ اس قطرے کے بعد جو متواتر قطرات گرے۔ جو باران رحمت ہوئی۔ جو انسانیت کی کھیتی ہری بھری ہوئی۔ جو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام انسانیت کے نام آیا۔ اس میں اس قطرے کا کوئی حصّہ نہیں ہے؟ کہیں سے جواب بھی آئے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت تھی کہ آخری کامیابی کب اور کیسے آئے گی۔

مگر اس قطرہ کا نام بسم اللہ ہے۔ اور یہ اتنا ہی محترم ہے جتنا پورا صحیفہ

اس خطاب کا دروبست بڑی صناعی رکھتا ہے۔ پہلے حضور ﷺ خود اپنے متعلق استفسار کرتے ہیں اور جواب آتا ہے کہ "اے ابن عبداللہ تم سچے ہو۔ ہم نے تمہارا کوئی بیان حرف یا لفظ جھوٹا چالیس سال میں نہیں سنا۔ یہ کافی نہیں ہے کیا؟ مقرر علیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ پوچھتے ہیں کہ اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر پڑا ہوا ہے کہ تم پہ حملہ کرے تو یقین کرو گے؟۔

لوگوں نے کہا کہ ہم ضرور یقین کریں گے کیونکہ تم صادق القول ہو۔ دو دفعہ اپنے صدقِ مقال کی گواہی لینے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے مکّہ کی دعوت اسلام پیش کی۔ وہی توحید۔ رسالت اور معاد یعنی یوم حشر جزا سزا۔ اس مجمع میں تین طرح کے لوگ تھے۔ ایک چھوٹا سا گروہ پانچ یا سات افراد کا جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے۔ دوسرا وہ گروہ جو حضور نبی کریم ﷺ کے کردار اور سیرت کی خوبیوں سے متاثر تھا مگر اس نئی دعوت کے قبول کرنے میں ان کو تامّل تھا۔ ان کو روشنی میں آنے میں صفر سے لے کر تیرہ (۱۳) سال تک بلکہ بیس سال تک لگ گئے۔ اور ایک گروہ تھا ازلی گمراہ جو بکتا جھکتا گالیاں دیتا وہاں سے رخصت ہوا اور ان کے شیطان اعظم کے لئے اوپر سے پیغام آ گیا۔

"سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّ امْرَاَتُهٗ"

یہ وہ خطبہ تھا کہ جس سے اس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اس لئے اس کو بھی یقینی ایک کامیاب خطبہ کہیں گے۔

☆☆☆☆☆☆

خطبہ فتح مکّہ

پہلے خطبہ صفا کے اندازاً بیس سال کم از کم انیس سال کے بعد یہ خطبہ آتا ہے۔ فضا یکسر بدل چکی ہے۔ پہلے کے کچھ دشمن جاں قریش جاں نثار صحابہ بن چکے ہیں ایک دوسرا گروہ دنیا کے بہترین انسانوں کا جو انصار کہلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ شیر وشکر ہے۔ بیس سال پہلے کے سخت کافر خود پانچ سو کلومیٹر دور مدینہ جاکر لڑے اور اپنے انجام کو پہنچے۔ غور سے دیکھ لیجئے کہ مدینہ نے کبھی مکّہ پر حملہ نہیں کیا۔ مکہ اکثر مدینہ پر چڑھ دوڑا۔ مگر آج سارے عالم کا سرور اور مدینہ کا شہنشاہ تلواروں کی جھنکاروں کے ساتھ نہیں تحمید و تلاوت کے ساتھ ایک بوڑھی وفادار اونٹنی پر سر جھکائے آیا ہے۔ وہ ایک خطبہ عطا فرماتا ہے۔ جس میں کوئی بات ذاتی علاقائی نسبی بڑائی کی نہیں ہے۔ فتح مکّہ کو وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت بتاتا ہے۔ اس خطبے کے پہلے چار جملے بسم اللہ کے بعد ہیں۔

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۲۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

۳۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔

۴۔ اللہ نے اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن کے سارے جتّھے کو اکیلے شکست دی اور آخری (نواں) جملہ ہے ''سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے''۔

دنیا کے کسی اور فاتح نے کبھی کسی دور میں اپنے کھوئے ہوئے دارالسلطنت کو دوبارہ پا کر اگر ایسا مختصر اور منکسر المزاج خطبہ دیا ہو تو پیش کریں ورنہ مجھے اجازت دیں کہ میں پھر اپنا دعویٰ دہراؤں۔

کوئی مثل مصطفےٰ کا

نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا

صلی اللہ علیہ وسلّم

☆☆☆☆☆☆

مکّہ میں دوسرا خطبہ

یہ تیسرا خطبہ جو یہاں جمع کیا گیا ہے وہ ایسا ہے کہ خطبہ کبھی انسانیت نے اس سے پہلے اور اس کے بعد نہیں سنا۔ سنتا کیسے کہ کوئی خطبہ الفاظ میں ادا نہیں ہوا۔ اس خطبہ پر تبصرہ اس خطبہ کی روح کو مجروح کردے گا۔ سارے خطا کار مجرم۔ ظالم سازشی لوگوں کا گروہ فتح مکّہ کے بعد اپنی سزا سننے کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ کافی دیر حضور خاموش ہیں۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہیں۔ پیشانیوں پر پسینہ آ گیا ہے۔ سزا کا خطرہ سامنے ہے اور پھر حضور کوئی خطبہ نہیں دیتے۔ ایک قرآنی آیت کی تلاوت کہ آج کے دن کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ تم پر کوئی الزام نہیں تم آزاد ہو۔

اگر ایسا کوئی اور فاتح تاریخ میں کسی کو نظر آئے تو وہ مجھ کو دکھائے ورنہ مان لے کہ میرے آقا کی کوئی مثال نہیں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆☆☆☆

ہوازن میں خطبہ

جنگ حنین کے بعد انصاری نوجوانوں کو جنہوں نے بے پناہ شجاعت دکھائی تھی کچھ شکایت ہوگئی کہ حضور نے غنیمت تقسیم کرتے وقت قریش کو ان سے زیادہ حصہ دیا۔ شاید ان کے دماغ میں یہ خیال بھی آیا ہو کہ قریش بہر حال حضور کے رشتہ دار ہیں اور حضور نے رشتہ داری کا خیال رکھا ہے۔ اس خیال کی جب حضور ﷺ کو اطّلاع ملی تو انہوں نے خطبہ دیا۔ انصار کے گروہ کو علیحدہ۔ یہ افصح الفصحا کا خطبہ تھا اور مکمل سچ پر مشتمل تھا۔ اس کی اثر آفرینی کا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ میرا تبصرہ کیا۔ صحابی حضرت ابو سعید خدری کا تبصرہ سنئے۔

''کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو بھر نہ آئی ہو۔کوئی داڑھی ایسی نہ تھی جو آنسوؤں سے تر نہ ہو۔کوئی دامن ایسا نہ تھا جو اشک ندامت سے بھیگا نہ ہو۔گریہ بڑھا تو گریہ پیہم بن گیا۔اشک رواں ہوئے تو اشک گہر بار بن گئے۔ہچکیاں بڑھیں تو گلے رندھ گئے۔ہر زبان پر یہ ہی تھا'' ''ہمیں کچھ نہیں چاہئے''۔''ہمیں کچھ نہیں چاہئے''۔''ہم تقسیم میں اللہ اور رسول ﷺ کے سوا کچھ نہیں چاہتے''۔''ہم تقسیم میں اللہ اور رسول ﷺ کے سوا کچھ نہیں چاہتے''۔''نہ مال و دولت دنیا نہ رشتہ و پیوند''۔

ہمارا حصّہ رسدی۔سید مکّی مدنی العربی

حضور نے انصار کے لئے دعا کی اور انصار جھولیاں بھر بھر کر دعائیں لے گئے۔

☆☆☆☆☆

خطبۂ تبوک

یہ خطبہ اپنے اردگرد کے ماحول کے کس قدر موافق ہے۔ایک سپہ سالار جنگ میں کھڑا ہے جہاں کسی کے سر پر کوئی سایہ نہیں ہے اور پیروں میں صرف اس کے وجود کا سایہ ہے۔گرمی ایسی ہے کہ شاید کبھی نہیں پڑی۔دور دور تک صرف ریگستان ہے۔دشمن سامنے ہی نہیں آتا۔

ایسے میں حضور کا خطبہ۔گنے ہوئے پچاس جملے۔ہر جملہ مختصر۔تاکہ آخر تک دہرا کر سنایا جاسکے۔ہر جملہ ایک تیر کی طرح ہونٹ سے نکلتا ہے اور ہدف پر لگتا ہے۔کسی جملہ میں کوئی تفسیر نہ تفہیم نہ توجیہ نہ کوئی حکایت۔ہر جملہ ایک سالارِ اعلیٰ کے منہ سے نکلا ہوا ناقابل ترمیم حکم۔یہ ماحول سے سازگار خطبہ صرف ایک فصیح البیان سپریم کمانڈر کے شایان شان ہے۔

☆☆☆☆☆☆

خطبہ حجّۃ الوداع

اس خطبہ کا تذکرہ بہت ہوا۔ اس خطبہ کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبّ اپنے حبیب کو پیغام بھیج رہا ہے کہ جو کام میرے سپرد کر دیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ خطبہ میں لوگوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت کے لئے یہ بات کھول دی گئی تھی کہ حضور فرماتے ہیں کہ شاید یہ حضور کا آخری حج ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں نے اس خطبہ کو براہ راست سنا۔ چھوٹے چھوٹے جملے تھے جن کو بیچ میں کھڑے ہونے والے مکبّرین نے آخری حدوں تک پہنچایا۔ لوگ کہتے ہیں اور یقیناً سچ کہتے ہیں کہ حقوق انسانی کا پہلا اعلان اسی خطبہ میں ہوا یعنی انسان کی مساوات۔ اخوت اور حریت۔ کا اعلان اسی خطبہ میں ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ اعلان تو اس وقت سے آج تک ہو رہا ہے مگر اس پر عمل صرف حضور کی صحبت اور ریاست مدینہ میں ہوا۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

انسانی مساوات کا نظام مسجد۔ بازار۔ اور میدان جنگ میں۔ اور دستر خوان پر۔ جیسا قوم رسول عربی نے دکھایا ویسا پھر بعد میں کہیں نظر آیا ہو تو ہمیں بتائیں۔۔۔۔۔ نہ تلاش کریں ایسا کبھی نہیں ہوا۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو

ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں محمد

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ

ہمارے نبی ﷺ کا آخری کلام تھا۔

اللھم الرّفیق الاعلٰی

گیارھویں سن ہجری میں ۱۲ ربیع الاوّل کو دوشنبہ کے دن حضور ﷺ نے اپنے رفیق اعلٰی کی طرف سفر فرمایا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

روضۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے مواجہہ شریفہ کی جالیوں پر کندہ

نعتیہ اشعار

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِی التُّرْبِ اَعْظُمُهٗ

فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ

فِیْهِ الْعَفَافُ وَفِیْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ترجمہ

اے بہتر ان سب سے جن کے اجسادِ شریفہ خاک میں مدفون ہوئے ہیں

اور ان کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک گئے ہیں

میری جان اس پاک قبر پر فدا جس میں آپ سکونت فرما ہیں

اس قبر شریف میں پرہیز گاری ہے اور اسی میں جود اور کرم ہے

☆☆☆☆☆☆

خطبہ حجۃ الوداع

حج کے دن حضور ﷺ عرفہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ ﷺ نے قصویٰ (اپنی اونٹنی) کو لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کر کے حاضر کی گئی تو آپ ﷺ (اس پر سوار ہو کر) بطنِ وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

آپ ﷺ نے خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی: خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے کوئی اس کا ساجھی نہیں، خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اس کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا)

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔

چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجم پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے، نہ گورا کالے

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْحَجِّ اَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَرَفَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَآءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ فَاَتٰى بَطْنَ الْوَادِیْ فَخَطَبَ النَّاسَ خُطْبَتَهُ الَّتِیْ بَيَّنَ فِيْهَا مَا بَيَّنَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ قَائِلًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَحَزَبَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

اَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوْا قَوْلِیْ فَاِنِّیْ لَا اَرَانِیْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ نَجْتَمِعَ فِیْ هٰذَا الْمَجْلِسِ اَبَدًا بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ فَلَيْسَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰى عَجَمِیٍّ عَلٰى عَرَبِیٍّ وَّلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَبْيَضَ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ فَضْلٌ

On the day of Hajj Hazoor ﷺ came to Arafat and stayed there till the sun started declining. The she camel "Qaswa" was brought and Hazoor ﷺ mounted it and delivered from the camel-back the famous sermon.

Hazoor ﷺ (as usual) first praised Allah and then began His Sermon.

"There is none worth worship but Allah. He is One all Alone and He has no parner. Allah has fulfilled His promise. He helped His Slave and He alone subdued all the united forces of evil."

'O' People! Listen to me for I do not think that we will ever be together like this.

'O' People! Allah says that He created all human beings from one man and woman. You have been divided in groups and tribes only for the sake of recognition. The more honorable amongst you is the one who fears Allah more. There is no superiority for black person, nor a black person superior to a white person.

All humankind is progney of Adam and Adam was createdfrom clay. All claims of (racial) superiority have been trodden under my feet.

Only the guardian ship of Kaaba and the service of supplying water to the pilgrims remain in the families as before.

O' People! of Quraish do not let it happen that on the day of Judgment others bring their good

سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہ باقی رہیں گی۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرے لوگ سامانِ آخرت لے کر پہنچیں، اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کردی گئیں ہمیشہ کے لئے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہِ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔

دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔

اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچادے۔

اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔

اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ اَلَا کُلُّ مَأْثُرَةٍ اَوْدَمٍ اَوْ مَالٍ یُدَّعٰی بِهٖ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَیَّ هَاتَیْنِ اِلَّا سِدَانَةُ الْبَیْتِ وَسِقَایَةُ الْحَاجِّ ثُمَّ قَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ لَا تَجِیْئُوْا بِالدُّنْیَا تَحْمِلُوْنَهَا عَلٰی رِقَابِکُمْ وَیَجِیْءُ النَّاسُ بِالْاٰخِرَةِ فَلَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْکُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ دِمَائَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ اِلٰی اَنْ تَلْقَوْرَبَّکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا وَکَحُرْمَةِ شَهْرِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا۔ وَاِنَّکُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْئَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ۔ اَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَّضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

deeds before Allah and you come laden on your necks the love of this world. If it so happen I will not be able to help you.

People of Quraish! Allah has destroyed your arrongance and you have no ground to gloat over the achievments of your for fathers.

'O' People! your blood and property and honour has been ordained scared for each other, as this day and this city is scared. You will all have to present yourselves before Allah and He wil judge your deeds.

Do not go astray after me and start shedding each other's blood.

If something is entrusted to somebody as ('Amanat') trust it has bo be returned to the owner (intact).

'O' People! each Muslim is a brother of other Muslims and all Muslims are bretherns.

I have trodden under my feet the customs of the period of ignorance. Blood feud of the past have been abolished. The first blood revenge that I annul is that pertaining to my own family. There will be no revenge killing because of the murder of infant child of Rabia bin Haris who was killed by the tribesmen of Banu Huzail. All claims of interest (usury) have been abolished. The first claim that I set aside is the claim due to Abbas bin Abdul Muttalib.

اَيُّهَا النَّاسُ! كُلُّ مُسْلِمٍ اَخُوا الْـمُسْلِمِ وَاِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ اَرِقَّآءَ كُمْ اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ۔ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَىَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَآءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ الرَّبِيْعَةِ ابْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضَعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهٗ هُذَيْلٌ۔ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَ اَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى اِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ اَلدَّيْنُ مَقْضِىٌّ

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔ دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں تلے روند دیا، زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔

ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے ہوئے بیٹے کا خون، جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا، پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے حق کے لئے وصیت نہ کرے۔

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرامکاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے، حساب و کتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا اس پر خدا کی لعنت۔

قرض قابلِ ادائیگی ہے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہئے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہئے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے جس پر اس کا

'O' People! Allah has ordained the law of inhertiance. Now no one can make a will in favor of those who are the inheritors.

The child will be considered to belong to one on whose bed it is born (no contests of paternity) and for those who indulge in adultery their punishment is "in the stone".Deeds will be judged before Allah.

Any one who claims a change in his paternity or any slave who claims change of his master is cursed by Allah.

Loan must be repaid. Whatever has been borrowed should be (ultimately) returned. If some one stands surety for someone he must pay the damages. No one should take away any thing from his brother (another Muslim) except what has been given freely to him. No one should oppress another or his own self.

For a woman it is not proper to give away a property of her husband to any one except with his permission.

Listen! Your women have rights over you as you have some rights over them. Your right is that they do not call to them any one, whom you do not approve and they to not cheat you nor do they indulge in any untoward behavior and if they do so you are permitted to punish them physically but lightly. But when they give up such behavior then treat them well, give them good food and clothing.

well, give them good food and clothing.

Treat women well because they have been given under your protection. In dealing with them keep in your mind your reponsibility entrusted to you by Allah. You accepted them in the name of Allah and they have been made lawful to you by Allah. People! understand what I say to you. I have conveyed to you the will of Allah.

I am leaving behind Me something for you. If you hold it fast you will never go astray. That thing is the Book of Allah. And listen! Do not exaggerate in the matters of religion. The people before you have been destroyed because of this.

The Satan does not expect that he will be worshipped in this city ever after but it is possible that you may follow him in the matters you consider minor. That will be enough for him. Save your religion from him.

وَالْعَارِيَةُ مُرَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِّنْ اَخِيْهِ اِلَّا مَا اَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ فَلَا تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ اَلَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ اَنْ تُعْطِيَ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِهٖ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ وَ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يَاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ عَوَانٍ لَكُمْ لَا يَمْلِكْنَ لِاَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا. فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ وَ اِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوْا

بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے، خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔ عورت کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔
دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں، اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں، عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔
عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔
میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے۔ اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہیں باتوں کے سبب ہلاک کر دیے گئے۔ شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں

رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہے۔ اسی لئے تم اس سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرنا۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہلِ امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمّے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلہ بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتادیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔ اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا، بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے امانت (دین) پہنچادی اور آپ ﷺ نے حقِ رسالت ادا فرمادیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اُٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

بَعْدَهُ اَبَدًا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابَ اللّٰهِ وَاِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِى الدِّيْنِ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمُ الْغُلُوَّ فِى الدِّيْنِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ مِنْ اَنْ يُّعْبَدَ فِىْ اَرْضِكُمْ هٰذِهٖ اَبَدًا وَّلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْمَا تُحَقِّرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهٖ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰى دِيْنِكُمْ اَلَا فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا اَنْفُسُكُمْ وَتَحُجُّوْا بَيْتَ رَبِّكُمْ وَاَطِيْعُوْا وَلَاةَ اَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ اَلَا لَا يَجْنِىْ جَانٍ اِلَّا عَلٰى وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ وَاَنْتُمْ قَائِلُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ قَدْ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَبَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

'O' People! worship you Lord the Cherisher. Offers Salat Five times a day. Observe fasting for a month (in ramzan) pay Zakat from your wealth willingly and happily. perform Hajj. Obey your rulers. Your will enter the paradise of your Creator.

Now the one who commits the crime will himself be responsible. The father will not be caught for his son, nor the son will be caught for his father.

Listen! Those who are here should convey the orders to those who are not here. It is possible that one who is absent may follow the orders better than you and may stick to the order.

'O' People! you will be asked by Allah about me.

Tell me what will you say?
The people replied "We will give witness that you (our Rasulullah) conveyed the Message of Allah to us completely and beautifully and you brought to us His Bounties.

Huzoor ﷺ raised his forefinger up towards heaven and pointingtowards the people gathered there, said thrice.

خدایا! گواہ رہنا

خدایا! گواہ رہنا

خدایا! گواہ رہنا

بَاصُبُعِهِ السَّبَّابَةَ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَآءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔

O Allah! be Witness.

O Allah! be Witness.

O Allah! be Witness.

حدیث قدسی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ہمارا رب ہر رات جبکہ تہائی شب باقی ہوتی ہے آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور آواز دیتا ہے: ”ہے کوئی جو مجھے پکارتا ہے کہ میں اس کا جواب دوں، ہے کوئی جو دعا مانگتا ہے کہ میں اس کو قبول کروں، ہے کوئی جو مغفرت کا طلب گار ہو کہ میں اس کی مغفرت کروں“۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ اَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَغَرِّ وَأَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْـهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا، حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ الَّيْلِ الْآخِرُ، فَيَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِىْ فَاَسْتَجِيْبُ لَهٗ؟ مَنْ يَسْأَلُنِىْ فَاُعْطِيَهٗ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِىْ فَأَغْفِرَلَهٗ؟

(البخاری)

Hadith e Qudsi
(Not a Khutba)

Abu Huraira, Razi Allah Taala Anho, narrated that the Prophet Sal Allah o Alehe wa Sallam said:

'Our Cherisher (Rab) comes down every night to the heaven of this world (lowest heaven) when only one third of the night remains. Allah then says 'Is there anyone calling Me that I may Respond? Is there anyone making requests that I may Grant them? Is there anyone asking forgiveness that I may Forgive him (or her)?'

(Sahih Bukhari)

یومِ حشر

آسمان کا شیشہ ٹوٹ گیا۔

سارے ستارے جھڑ کے گرے۔

زلزل زلزل زمین ہلی۔

کانپی رب کی ہیبت سے۔

دریا ابلے کھول گئے۔

اُبل کے سارے بہنے لگے۔

بے نور ہوا سورج کا چہرا۔

اور تارے ٹوٹے۔ٹوٹ گرے۔

فرمان اپنے رب کا سن کر۔

آسمان پھٹا ٹکڑے ٹکڑے۔

اونچے پربت چلنے لگے۔

بھاری ٹیلے ٹوٹ گرے۔

روئی کے رنگین گالے بن کر

پربت ٹیلے اڑنے لگے۔

دھرتی نے اپنا سینہ چیرا

بوجھ نکال کے باہر پھینکا۔

خلقت ساری حیراں اٹھی۔

کچھ چہرے ایسے بھی ہیں ان میں

مسرور بھی ہیں اور ہنستے بھی۔

نازاں ہیں اپنی خدمت پر

امید بھی ہے انعام کی انکو

زیادہ چہرے ایسے ہیں

جو حیراں ہیں جو گریاں ہیں۔

پریشان ہیں اور مصیبت میں

گھرے ہوئے ہیں آفت میں

دوزخ بھی بھڑکائی گئی

اور سامنے انکے لائی گئی

گرمی اور تپش میں انکو

کھولتا پانی پینا ہے۔

کانٹا پورا حلق میں ٹھونسا۔ اسے بھی انکو کھانا ہے۔

پھر آئی وہ ہیبت ناک آواز۔ ایک چنگھاڑ

کان کے پردے پھاڑ گئی۔

انسانوں سے بھاگے انسان۔

بھائی سے بھائی ماں باپ سے بیٹے اور بیٹی

اور شوہر بیوی سے بھاگا۔

کوئی کسی کا ساتھی نہ تھا۔ نفسی نفسی۔ نفسی نفسی۔

شفاعت

ڈھونڈتی ہے مخلوق سہارا

ہر در پر دستک دیتی ہوئی۔ ہر در سے خالی لوٹی ہے

مایوسی مایوسی مایوسی مایوسی

رعب جلال سے پیغمبر

فرماتے ہیں نفسی نفسی۔

جب تک نہ اجازت رحمٰں کی ہو۔

کوئی کیا بولے کیسے بولے۔

آدم بھی خاموش رہے۔

موسیٰ بھی بس چپ ہی رہے۔

عیسیٰ کچھ بھی کہہ نہ سکے۔ سارے مرسل چپ ہی رہے۔

کوئی بھی سفارش کی خاطر

تیار نہیں ہے ہیبت سے۔

مخلوق کی آس ٹوٹ گئی۔

انسانوں نے ہمّت ہاری ہے۔

مشکل ہے بہت مشکل مشکل۔

بہت بڑی دشواری ہے۔

وہ دیکھو نور کا سیلاب اُٹھا

چمکا ہے امید کا تارا

خوشبو کا اک جھونکا آیا۔

وہ خنک ہوا کو ساتھ میں لایا۔

محبوبؐ ہے اپنے ربّ کا وہ

کمزوروں کا مولا ہے۔ غریبوں کا وارث وہ ہے۔ مجبوروں کا آقا ہے

طالح بندے خاص ہیں اسکے

نام ہی اسکا رحمت والا

امّت کا رکھوالا ہے۔

معراج میں بھی وہ بھولا نہ تھا۔

اپنی امّت کے لوگوں کو۔

ربّ کو بھی یاد پکارا اسکی۔

معراج کی شب میں ایک ہی دعا۔

یاربّ امّتی ۔ یاربّ امّتی۔

امّتی یاربّ ۔ یاربّ امّتی۔

اللہ کا پیارا آیا ہے۔

گرتوں کا سہارا آیا ہے۔

ساری نظریں اسکی طرف ہیں۔

سب کا سہارا آیا ہے۔

تسکین سہارا لایا ہے۔

شاید وہ اب بھی کہہ دیگا۔

لاتحزن انّ اللہ معنا۔

وہ اللہ کا پیارا ہے۔ اللہ اسکے ساتھ ہے۔

شاید اسکے صدقے میں۔

اللہ ہمارے ساتھ بھی ہو۔

اب دیکھو وہ سجدے میں گر جائیگا۔

گرتے ہوئے بندوں کو پھر وہ خود ہی آ کے اٹھائے گا۔

گھبراؤ نہیں گھبراؤ نہیں۔ اسکو دعا تو کرنے دو۔

جب اسکی زباں ہل جائیگی۔ سب کو اماں مل جائیگی۔

اک اس کا سہارا کافی ہے۔ صرف اسکا سہارا کافی تھا۔ صرف اسکا سہارا کافی ہے۔

اک اسکا سہارا سب کو تھا۔ صرف اسکا سہارا سب کو ہے۔

شفاعت کا در جب کھل ہی گیا۔

پھر ہو سکتا ہے اور بھی آئیں۔

اپنے اپنوں کو چھڑوائیں۔

بخشش پھر رحم بھی کرے گا۔

محروم تو شاید کم ہی رہیں۔

لیکن اپنا کملی والا آقاؐ۔

محمود مقام کو جائیگا۔ اِذن مقام کو جائیگا۔

جب وہ سجدے میں پھر سر رکھ دے گا۔

بخشش عام کا در کھل جائیگا۔

رحمت کی بارش میں سب کے

گناہوں کی سیاہی دھل جائیگی۔

اللہ کو یاد یقینی ہے۔ وعدہ اپنا فترضیٰ کا۔

تشریحات:۔ سورۃ انفطار ۸۲۔ اذا السماء انفطرت واذ الکواکب انتثرت، جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب تارے جھڑ جائیں گے، سورۃ الزلزال ۹۹۔ اذا زلزلت الارض زلزالھا۔ جب زمین ہلا ڈالی جائیگی، سورۃ التکویر ۸۱۔ اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت، سورۃ القارعہ ۱۰۱۔ وتکون الجبال کالعہن المنفوش۔ جس دن پہاڑ دھنکی ہو روئی رنگ برنگ روئی کی طرح ہو جائینگے، سورۃ الزلزال ۹۹۔ وقال الانسان مالھا۔ جب زمین زلزلہ سے ہلا ڈالی

جائیگی اور وہ اپنے بوجھ نکال پھینکے گی اور انسان حیرت سے کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہو گیا۔

وجوہ یومیذٍ ناعمہ۔ لسعیہا راضیہ۔ کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہونگے اپنے نیک اعمال پر نازاں، وجوہ یومیذٍ خاشعۃ۔ عاملۃ ناصبۃ۔ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وہ خوار ہونگے تھکے ہوئے برباد۔ دھکتی ہوئی آگ میں داخل، تسقیٰ من عین آنیہ۔ کھولتے ہوۂ چشمے سے پانی پلایا جائیگا، لیس لھم طعام الا من ضریع۔ کھانا کانٹے دار کے علاوہ کچھ اور نہیں، سورۃ ق۔ یوم یسمعون الصیحۃ۔ جس دن وہ چنگھاڑ کی آواز سنیں گے، سورۃ عبس ۸۰۔ یوم یفر المرء من اخیہ۔ اس دن اپنے بھائی سے بھاگے اور اپنے ماں باپ سے اور بیوی سے اور بچوں سے۔

شفاعت :۔ الطالحون لی۔ گناہ گار میرے ہیں، من ذالذی۔ کون ہے جو اسکے سامنے بغیر اجازت سفارش کر سکے، سورۃ والضحٰی۔ ولسوف یعیطک ربک فترضٰی۔ اللہ آپؐ کو وہ عطا کرے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہؓ کی مجلس میں فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ آدم علیہ السّلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں۔ آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے۔ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں۔ میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا۔ نفسی نفسی (اے میری جان! اے میری جان!!) لوگ حضرت نوح کے پاس جائینگے۔ اور کہیں گے کہ خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے۔ آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے وہ کہیں گے۔ ہمارا یہ رتبہ نہیں۔ آج کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ مجھ کو ایک مستجابِ دعا کا موقع عنایت ہوا تھا۔ وہ اپنی قوم کی تباہی کے لئے مانگ چکا۔ نفسی نفسی! تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ مخلوق ان کے پاس جائیگی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی۔ کہ اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے۔ میرا یہ رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ نفسی نفسی! تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جائینگے اور ان سے کہیں گے اے موسیٰؑ آپ خدا

کے پیغمبر ہیں۔ خدا نے اپنے پیغام وکلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے۔ اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے۔ حضرت موسیٰؑ ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا میں اپنے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے وہ بھی کہیں گے۔ یہ میرا رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے۔ جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ نفسی نفسی!

تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئیگی اور کہے گی اے محمد ﷺ آپؐ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جن کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔ آپ ﷺ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اِذن طلب کریں گے۔ اذن ہوگا تو سجدے میں گر پڑیں گے۔ آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القاء فرمائیگا جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہ ہوئے۔ آپ ﷺ دیر تک سر بسجود رہیں گے۔ پھر آواز آئے گی۔ اے محمدؐ سر اُٹھاؤ کہو سنا جائے گا۔ مانگو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو قبول کی جائیگی۔ عرض کریں گے۔ الٰہی امتی امتی خداوند! میری امت میری امت حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد وثنا کر کے عرض پرداز ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے۔ پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمدؐ سر اٹھاؤ کہو سنا جائیگا۔ مانگو دیا جائیگا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ عرض کریں گے الٰہی امتی امتی حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا۔ آپ ﷺ پھر جا کر واپس آئینگے اور حمد ثناء کر کے سجدہ میں گر پڑیں گے پھر ندا آئے گی۔ اے محمدؐ! سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائیگا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔ صدا آئے گی اس کا اختیار تم کو نہیں لیکن مجھے اپنی عزّت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے میں دوزخ سے ہر

اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا من قالَ لا الہ الا اللہ۔ (یہ پوری حدیث صحیح بخاری باب تفسیر بنی اسرائیل کتاب الانبیا تذکرہ نوح وصحیح مسلم باب الشفاعۃ میں مختلف صحابیوں سے تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر سے مروی ہے)۔

شافع محشر۔ خاص پیمبر

صل اللہ علیہ وسلّم۔

☆☆☆☆☆☆

حشر میں شفاعتِ رسولؐ

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں: ایک روز رسولؐ خدا نے نمازِ فجر پڑھائی اور وہیں بیٹھے رہے جب خوب دن چڑھ آیا تو آپؐ ہنسے، لیکن وہیں بیٹھے رہے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں مگر کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ گھر جانے لگے تو صحابہؓ نے مجھ سے کہا: آپ حضورؐ سے پُوچھیں آج کیا بات ہے؟ اس طرح تو کبھی نہیں ہوا۔۔۔۔۔ حضورؐ نے یہ سُنا، تو قبل اس کے کہ صدیق اکبرؓ کچھ سوال کرتے، آپؐ نے ارشاد فرمایا:

عُرِضَ عَلَیَّ مَا هُوَ کَائِنٌ مِنْ اَمْرِ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ فَجُمِعَ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ فِیْ صَعِیْدًا وَّاحِدٍ۔ حَتّٰی اَنْطَلَقُوْآ اِلٰی اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ وَالْعُوْقُ یَکَادُ یُلْجِمُهُمْ فَقَالُوْا یَآ اٰدَمُ اَنْتَ اَبُو الْبَشَرِ۔ اِصْطَفَاکَ اللّٰهُ اِشْفَعْ لَنَآ اِلٰی رَبِّکَ۔ فَقَالَ قَدْ لَقِیْتُ مِثْلَ الَّذِیْ لَقِیْتُمْ۔ اِذْهَبُوْآ اِلٰی اَبِیْکُمْ بَعْدَ اَبِیْکُمْ اِلٰی نُوْحٍ۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ o فَیَنْطَلِقُوْنَ اِلٰی نُوْحٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ فَیَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ لَنَآ اِلٰی رَبِّکَ فَاَنْتَ اصْطَفَاکَ اللّٰهُ وَاسْتَجَابَ لَکَ فِیْ دُعَآئِکَ فَلَمْ یَدَعْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا۔ فَیَقُوْلُ لَیْسَ ذَاکُمْ

عِنْدِیْ فَانْطَلِقُوْا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ فَاِنَّ اللّٰه اتَّخَذَهٗ خَلِیْلًا فَیَنْطَلِقُوْنَ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ فَیَقُوْلُ لَیْسَ ذَاکُمْ عِنْدِیْ مُوْسٰی فَاِنَّ اللّٰه کَلَّمَهٗ تَکْلِیْمًا۔ فَیَنْطَلِقُوْنَ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ فَیَقُوْلُ لَیْسَ ذَاکُمْ عِنْدِیْ وَلٰکِنِ انْطَلِقُوْا اِلٰی عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فَاِنَّهٗ کَانَ یُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَیُحْیِ الْمَوْتٰی۔ فَیَقُوْلُ عِیْسٰی لَیْسَ ذَاکُمْ عِنْدِیْ وَلٰکِنِ انْطَلِقُوْآ اِلٰی سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ فَاِنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ اِنْطَلِقُوْآ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَلْیَشْفَعْ لَکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ قَالَ فَیَنْطَلِقُوْنَ اِلَیَّ۔ وَاٰتِیْ جِبْرِیْلَ فَیَأْتِیْ جِبْرِیْلُ رَبَّهٗ۔ فَیَقُوْلُ ائْذَنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ فَیَنْطَلِقُ بِهٖ جِبْرِیْلُ۔ فَیَخِرُّ سَاجِدًا قَدْرَ جُمُعَةٍ۔ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰه تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَیَرْفَعُ رَأْسَهٗ۔ فَاِذَا نَظَرَ اِلٰی رَبِّهٖ خَرَّ سَاجِدًا قَدْرَ جُمُعَةٍ اُخْرٰی۔ فَیَقُوْلُ اللّٰه یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ۔ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَیَذْهَبُ لِیَقَعَ سَاجِدًا فَیَاْخُذُ جِبْرِیْلُ بِضَبْعَیْهِ وَیَفْتَحُ اللّٰه عَلَیْهِ مِنَ الدُّعَآءِ مَالَمْ یَفْتَحْ عَلٰی بَشَرٍ قَطُّ۔ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ جَعَلْتَنِیْ سَیِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وَ اَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ۔ حَتّٰی اِنَّهٗ لَیَرِدُ عَلَی الْحَوْضِ اَکْثَرَ مَا بَیْنَ صَنْعَآءَ وَ اِیْلَةَ۔ ثُمَّ یُقَالُ ادْعُوا الصِّدِّیْقِیْنَ فَیَشْفَعُوْنَ ثُمَّ یُقَالُ ادْعُوا الْاَنْبِیَآءَ۔ فَیَجِیْءُ النَّبِیُّ مَعَهُ الْعِصَابَةُ وَالنَّبِیُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ وَالسِّتَّةُ وَالنَّبِیُّ لَیْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ۔ ثُمَّ یُقَالُ ادْعُوا الشُّهَدَآءَ فَیَشْفَعُوْنَ فِیْ مَنْ اَرَادُوْ فَاِذَا فَعَلَتِ الشُّهَدَآءُ ذَالِکَ۔ یَقُوْلُ اللّٰه جَلَّ وَعَلَا۔ اَنَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اَدْخِلُوْا جَنَّتِیْ مَنْ کَانَ لَا یُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا۔ فَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰه تَعَالٰی اُنْظُرُوْا فِی النَّارِ هَلْ فِیْهَا مِنْ اَحَدٍ عَمِلَ خَیْرًا قَطُّ۔ فَیَجِدُوْنَ فِی النَّارِ رَجُلًا۔ فَیُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ خَیْرًا قَطُّ فَیَقُوْلُ لَا غَیْرَ اِنِّیْ کُنْتُ اُسَامِحُ النَّاسَ فِی الْبَیْعِ فَیَقُوْلُ اللّٰه اَسْمِحُوْا لِعَبْدِیْ

كَاِسمَاحِهٖ اِلٰی عَبِیدِیْ۔ ثُمَّ یَخرُجُ مِنَ النَّارِ اٰخرُ۔ فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ عَمِلتَ خَیرًا قَطُّ۔ فَیَقُولُ لَا غَیرَ اَنِّیْ کُنتُ اَمَرتُ وَلَدِیْ اِذَا مِتُّ فَاَحرِقُونِیْ بِالنَّارِ۔ ثُمَّ اطْحَنُوْنِیْ حَتّٰی اِذَا کُنتُ مِثْلَ الْکُحلِ اِذْهَبُوْا بِیْٓ اِلَی الْبَحرِ فَذَرُوْنِیْ فِی الرِّیحِ۔ فَقَالَ اللّٰهُ لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ؟ قَالَ مِنْ مُّخَافَتِكَ فَیَقُوْلُ انْظُرُوْٓا اِلٰی مُلْكِ اَعْظَمُ مُلْكٍ۔ فَاِنَّ لَكَ مِثْلَهٗ وَ عَشرَةَ اَمْثَالِهٖ۔ فَیَقُوْلُ لِمَ تَسخَرُبِیْ؟ وَ اَنْتَ الْمَلِكُ۔ فَذَالِكَ الَّذِیْ ضَحِکْتُ مِنْهُ مِنَ الْفَجرِ۔ (مُسند احمد)

دنیا کے بارے میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ اور آخرت آج میرے سامنے پیش کی گئی سارے اگلے پچھلے انسان ایک چٹیل میدان میں جمع کیئے گئے۔ پسینے اُن کے مُنہ تک پہنچنے کو تھے کہ وہ حضرت آدم علیہ السّلام کے پاس گئے اور کہا کہ اے آدمؑ! آپ انسانوں کے باپ ہیں آپ کو خدا تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا ہے۔ آپ خدا کے پاس ہماری سفارش کے لیے تشریف لے جایئے۔ لیکن حضرت آدمؑ نے فرمادیا کہ آج میں بھی تمہاری طرح مبتلا ہوں تم اپنے اس بات کے بعد کے باپ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاوَ۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو، نوحؑ کو اور آلِ ابرہیمؑ کو اور آلِ عمران کو برگزیدہ بنایا ہے اور سارے جہان پر انھیں عزّت دی ہے۔ اب یہ سب حضرت نوحؑ کی طرف جائیں گے اور ان سے کہیں گے: آپ خدا سے ہماری سفارش کیجئے کیونکہ آپ خدا کے پیارے ہیں آپ کی دعا قبول فرما کر جنابِ باری نے روئے زمین پر کوئی کافر نہ چھوڑا۔ لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاوَ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت خلیل اللہ علیہ السّلام کے پاس جائیں گے، لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں تم حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے پاس جاوَ جن سے اللہ تعالیٰ نے (بے واسطہ) بات چیت کی تھی۔ سب اہلِ محشر حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس منصب کے لائق نہیں تم حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام کے پاس جاوَ وہ مادر زاد گونگے کو اور کوڑھیوں کو (بحکمِ خدا) اچّھا بھلا کردیتے تھے اور مُردوں کو (بحکمِ خدا) زندہ کردیتے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بھی یہی جواب دیں گے

اور فرمائیں گے: تم اولادِ آدم کے سردار کے پاس جاؤ وہی ہیں جو سب سے پہلے اپنی قبر سے نکلے ہیں جاؤ محمد ﷺ کے پاس جاؤ کہ وہ تمہارے رب کے ہاں تمہاری سفارش کریں۔ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں جبریلؑ کے پاس جاؤں گا۔ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ انھیں شفاعت کی اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی سنادو۔ حضرت جبریلؑ سے یہ خوشخبری سُن کر میں سجدے میں گر پڑوں گا۔ تقریباً ایک ہفتے تک سجدے میں پڑا رہوں گا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ سے فرمائے گا اے محمد (ﷺ)! اپنا سر اٹھاؤ، کہو تمہاری سُنی جائے گی، سفارش کرو قبول کی جائے گی۔ آپ اپنا سر اُٹھائیں گے اور جناب باری کی طرف نظر کر کے پھر سجدے میں چلے جائیں گے بقدر جمعہ سے جمعہ تک پھر سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (ﷺ)! سر اٹھایئے، کہیے آپ کی بات سُنی جائے گی، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اس نعمت پر پھر سجدے میں جانا چاہوں گا لیکن حضرت جبریل علیہ السلام میرے بازو تھام لیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ مجھے وہ دعائیں سکھائے گا جو کسی انسان کو نہیں سکھائیں۔ پس آپ کہیں گے اے اللہ! تُو نے مجھے تمام اولادِ آدم کا سردار بنایا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، مجھے تُو نے سب سے پہلے قبر سے اٹھانے والا بنایا اس پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں (چنانچہ اب میں شفاعت کروں گا) اس کے بعد میرے حوض پر لوگ آنے شروع ہوں گے جو صنعاً سے لے کر ایلہ سے بھی زیادہ وسعت والا ہوگا۔ پھر کہا جائے گا کہ صدیق لوگوں کو بلاؤ وہ بھی شفاعت کریں۔ پھر کہا جائے گا نبیوں کو بلاؤ۔ انبیاء آنے شروع ہوں گے۔ کسی کے ساتھ تیس چالیس آدمی ہوں گے، کسی کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ چھ کسی نبی کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا۔ پھر کہا جائے گا، شہیدوں کو بلاؤ کہ جس کی چاہیں شفاعت کریں۔ جب شہید یہ کرلیں گے تو جناب باری جل وعلا فرمائے گا: میں ارحم الراحمین ہوں (حکم دیتا ہوں) جن لوگوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ان سب کو جنّت میں پہنچادو۔ چنانچہ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو جہنّم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے کبھی بھی کوئی بھلا کام کیا ہو؟ دیکھیں گے تو ایک شخص کو پائیں گے اس سے سوال ہوگا کہ تُو نے کبھی کوئی نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا ہاں صرف یہ کہ میں بیوپار میں بہت نرمی کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے اس بندے سے بھی نرمی کرو جیسے یہ میرے بندوں سے نرمی کیا کرتا تھا۔ اتنے میں ایک اور آدمی دوزخ سے نکلے گا اس سے پُوچھا جائے گا: تو

نے بھی کبھی کوئی نیک عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا نہیں سوائے اس کے کہ میں نے اپنی اولاد سے کہا تھا کہ جب میں مرجاؤں تو تم مجھے جلادینا پھر میری خاک کو پیس ڈالنا حتّٰی کہ جب میں سُرمے کی طرح ہوجاؤں تو سمندر کے کنارے جا کر تیز ہوا میں مجھے اڑا دینا۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: تُو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا: فقط تیرے ڈر سے۔ جنابِ باری فرمائے گا: دیکھو سب سے بڑا ملک دیکھ لو تیرے لیے وہ ہے اور ویسے ہی دس ملک اور۔ تو وہ کہے گا کہ الٰہی! تُو مجھ سے مذاق کیوں کررہا ہے؟ تُو تو مالک ہے۔ اسی چیز نے صبح مجھ کو ہنسا دیا تھا۔

شفاعتِ رسولؐ

قریش کے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آنحضورؐ کے رشتہ دار ہیں اور اس سبب سے آخرت میں وہ شفاعتِ رسولؐ کے مستحق ہوں گے۔ اس تصوّر کے پیشِ نظر ایک دن رسولؐ اللہ نے اپنے قریبی رشتہ داروں، اہلِ خاندان اور بعض قریبی قبائل کو جمع کیا اور ان کے سامنے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

یا معشر عبد منافٍ انقذو انفسکم من النّار فانی لا املك لکم من اللّٰہِ ضرّاً ولا نفعًا۔ یا معشر بنی قصی انقذوا انفسکم من النار فانی لا املك لکم من اللّٰہ ضراً ولا نفعًا۔ یا معشر بنی عبدالمطلب انقذو ا انفسکم من النار فانی لا املك لکم ضرّاً ولا نفعًا۔ یا صفیه عمة محمّدا نقذی نفسك من النار فانی لا املك من اللّٰہ ضرّاً ولا نفعًا۔ یا فاطمة بنت محمد انقذی نفسك من النار فانّی لا املك لك ضرّاً ولا نفعًا ان لك رحمًا وسا بلها بِبَلالِھا۔ (ترمذی)

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنے کو خدا کی آگ سے نکالنے کا انتظام کرو میں تم کو خدا کے سامنے کچھ بھی نفع اور نقصان نہ

پہنچا سکوں گا۔اے قصی کی اولاد، اے عبدالمطلب کی تم بھی اپنے کو آگ سے بچاؤ میں خدا کے سامنے تمہارے لیے کچھ نہ کرسکوں گا۔ اور اے صفیہ رسولِ خدا کی پھوپھی، اور اے فاطمہ رسولِ خدا محمدؐ کی بیٹی! تم بھی اپنے کو آگ سے بچاؤ کہ میں خدا کے ہاں تمہارے لیے کچھ نہ کرسکوں گا۔ ہاں دنیا میں تو میری رشتہ دار ہے اور میں اس کا حق ادا کرتا ہوں۔

حوضِ کوثر پر

اُمّ المؤمنین حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں لوگوں سے حوضِ کوثر کے متعلق سُنا کرتی تھی لیکن آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس بارے میں سننے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ایک دن مشاطہ میرے بال گوندھ رہی تھی کہ مجھے آپؐ کی آواز سنائی دی:

اَيُّهَا النَّاس (اے لوگو!)

میں نے مشاطہ سے کہا چھوڑ دو کہ آپؐ کا وعظ سن سکوں۔ میں نے کان لگا کر سنا تو آپؐ فرما رہے تھے:

اِنِّی لَكُمْ فَرَطٌ عَلَى الْحَوْضِ فَاِيَّایَ لَايَاْتِيَنَّ اَحَدُكُمْ فَيُذَبُّ عَنِّی كَمَا يُذَبُّ الْبَعِيرُ الضَّالُّ فَاَقُوْلُ فِيْمَ هٰذَا فَيُقَالُ : اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَآ اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا ٥ (مسلم شریف)

میں حوض (کوثر) پر تمہارا پیشرو ہوں۔ خبردار! تم ایسے نہ بنو کہ میرے پاس آنا چاہو تو اس طرح دُور ہٹا دیے جاؤ جیسے پرایا اُونٹ، اور جب میں دریافت کروں کہ ان سے یہ سلوک کیوں ہو رہا ہے، تو مجھے جواب دیا جائے کہ آپ کے بعد انہوں نے جو وطیرہ اختیار کیا تھا آپ کو معلوم نہیں۔ اور میں بھی کہوں کہ ہلاک ہو جائیں۔

شفاعتِ رسول ﷺ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ایک بار منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

مَا بَالُ رِجَالٍ يَقُولُونَ اِنَّ رَحِمَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنفَعُ قَوْمَهُ بَلٰى وَ اللّٰهِ اِنَّ رَحِمِىْ مَوْصُولَةٌ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اِنِّى اَيُّهَا النَّاسُ فَرَطٌ لَّكُمْ عَلَى الْحَوْضِ فَاِذَا جِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَقَالَ اَخُوْهُ اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَالَ لَهُمْ اَمَّا النَّسَبُ فَقَدْ عَرَّرْتُهٗ وَلٰكِنَّكُمْ اَحْدَثْتُمْ بَعْدِىْ وَارْتَدَدْتُّمُ الْقَهْقَرٰى۔ (مسند احمد)

لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی رشتے داری آپؐ کی قوم کو کچھ نفع نہ دے گی؟ ہاں سنو، میری رشتے داری دنیا آخرت میں ملی ہوئی ہے۔ لوگو! میں حوضِ کوثر پر تم سب کا میر سامان ہوں۔ جب تم آؤ گے تو لوگ مجھ سے کہیں گے کہ یارسولؐ اللہ! میں فلاں کا بیٹا ہوں، یارسولؐ اللہ! میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں جواب دُوں گا کہ ہاں نسب تو پہچان لیا لیکن تم نے میرے بعد بدعتیں نکال لی تھیں اور پچھلے پیروں لَوٹتے گئے تھے۔

ان احادیث کی روشنی میں حتمی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ کس کی شفاعت ہوگی اور کس حد تک۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایمان خشیّت (خوف) اور امید کے درمیان ہے۔ کتنا خوف رکھنا چاہئے اور کس قدر امّید یہ اپنی اپنی توفیق پر منحصر ہے اور اعمال صالحہ کی استعداد پر

(۱) قرآنی آیت ہے کہ **ولسوف يعطيك ربك فترضى**۔ یعنی اللہ تعالیٰ حضور کو اسقدر دینگے کہ حضور خود راضی ہو جائیں۔ آیئے امّید رکھیں۔

شافع محشر خاص پیمبر

صل اللہ علیہ وسلّم

بارگاہ نبوی میں

کتنے سال ہوگئے اس لمحہ جاوداں کو۔ یہ بات حساب میں لانا غیر ضروری ہے جاوداں لمحہ کو گنتی اور حساب کی گرفت میں نہیں لاتے۔ وقت نماز عصر کا ہے۔ مقام ''قدوم رحمت عالم'' کے پاس ہے۔ ایک بزرگ وہاں بیٹھ کر تفسیر قرآن لکھتے ہیں۔ ایک شخص نے رمضان کے مہینے میں اپنا ٹھکانا وہیں بنالیا ہے۔ روزان صاحب کو دیکھتا ہے۔ شکل سے پہچانتا ہے۔ نام سے واقف ہے۔ ملاقات کبھی نہیں کی۔ ایک درّانی سے سنا تھا کہ ایک بلگرامی اسوقت دربار رحمت میں قرآن کے فیوض بٹور رہا ہے۔ اس ادھیڑ عمر کے گنہ گار بچاری نے سوچا کہ ''بابا ان مقرّب غلامان بارگاہ رسول کے معاملات اور تعلقات میں میرا کیا کام ہے۔ اور اس بارگاہ میں بیٹھ کر کسی ''غلامِ رسول'' سے تعارف حاصل کرنا بے ادبی ہے''۔

اقامت ہوئی۔ صف بندی ہونے لگی تو بغیر کسی ارادہ اور کوشش کے یہ معاملہ ہوا کہ بلگرام کا مرشد درّانی کے غلام کے کندھے سے کندھا ملا کے کھڑا ہوا۔ نمازِ عصر ختم ہوئی تو تھوڑی سی فرصت دعا کی یا خاموشی کی ہوتی ہے۔ وہ بات جو پچھلے دس دن سے کبھی دل میں یا زبان پر نہیں آئی تھی۔ غلامِ درّانی کی زبان پر نامکمّل بے ربط جملے کی شکل میں آئی۔

''حضرت!۔۔۔۔۔میں کراچی سے۔۔۔۔۔عبید اللہ درّانی کا غلام۔۔۔۔۔'' اس کٹے پھٹے جملے میں شاید کوئی بات نہیں کہی گئی کہ کسی کی سمجھ میں آئے یا پھر ہر بات کہہ دی گئی اور وہ ساری بات شاہِ بلگرام تک پہنچ گئی۔

فرمایا ''آیئے میرے ساتھ حضور صل اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیجئے'' یہ حکم آیا تھا بلگرام سے؟ یا عطا تھی شہنشاہ کونین شاہ مدینہ کی اس کا فیصلہ کرنا ضروری نہیں۔ یاد یہ نہیں ہے کہ ہاتھ پہلے اٹھے تھے یا حرف صلواۃ و سلام پہلے ادا ہوا تھا یا تربیلہ بند پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا۔

ادیب رائے پوری گھر آیا تھا نعت بلکہ نعتیں سنانے وہ سنا گیا تھا۔

''لب کون کھولتا ہے دربار مصطفٰے میں''؟۔

شاید وہ کہہ گیا تھا کہ وہ سارے الفاظ اور بیان درود وسلام کے جو اس سے پہلے اور بعد میں ادا کیئے وہ شاید ادا نہیں ہوئے۔

اور وہ اعتراف غلامی اور حرف وفا جو سیلاب اشک میں بہہ گیا وہی لفظ ادا ہوا۔

اور قبولیت کی صرف امید ہی ہوتی ہے۔

اور پھر آنکھ بند ہوئی اور ہوش وخرد نے جواب دیا۔ اور دماغ جو سب سے بڑی آماجگاہ شیطان ہے کچھ خوابیدہ ہوا تو دل نے کہا کہ آنکھ کو بند رکھو۔ اب تصوّر کام کرے گا۔

فضا میں تلاوت اور سلام کی آوازیں گنگنا رہی ہیں۔ جیسے شہد کی مکھیاں ایک دوسرے کو میٹھی شہد بھری مبارکبار اور خوش خبریاں دے رہی ہوں۔ وہ دیکھئے ایک وفد باب جبرئیل سے داخل ہو رہا ہے کتنا لمبا ہے یہ جلوس۔ کسقدر

خاموش محتاط اور باادب ہیں یہ قدم۔ باب جبریئل سے باہر تک کا فاصلہ میلوں تک بڑھ گیا ہے۔ تاحدّ نظر بڑھ گیا ہے۔ کچھ حصّہ۔ سربراہ حصّہ ہے شاید یہ اندر آ گیا ہے۔ یہ لوگ کسقدر محتاط آہستہ قدم ہیں۔ ادب ان کی آنکھوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ پہلے دوگانہ تحیۃ المسجد ادا کرتے ہیں پھر مواجہ میں صف بند ہیں۔ درود وسلام پیش کرتے ہیں۔ یہ حضور ﷺ کے احسان کے معترف ہیں۔ ان کی پیشانی پر علم کا نور ہے۔ پیشانی پر آنکھوں میں ایمان کی روشنی کوندتی نظر آ رہی ہے۔ کتنی بڑی تعداد ہے ان کی۔ کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ کوئی ان سب کے نام جانتا ہے؟۔ کوئی ان کے نام بتاسکتا ہے؟۔ مسافر پجاری جسکو دیکھتا ہے اسکا نام۔ تعارف کوئی دل میں چھپا ہوا راز دان بتاتا ہے۔ یہ اس امّت کے امام ہیں۔ پورے پورے کتب خانے اور مکتب فکر کے بانی ہیں۔ یہ علمی اداروں کے بانی ہیں اور علم کی شاہراہوں کے راہ دان ہیں۔ یہ سامنے مالک بن انس ہیں۔ ادھر امام ابوحنیفہ ہیں۔ وہ سر جھکائے ہوئے امام شافعی ہیں ان کے قریب جھکی ہوئی کمر کے ساتھ امام احمد بن حنبل ہیں شاید ان کی کمر پر کوڑوں کے نشان ہیں مگر یہ فاتح تو ہیں انھوں نے قرآن کو مخلوق نہیں مانا تھا۔ ذرا پیچھے لیث بن سعد مصری ہیں امام اوزاعی ہیں۔ یہ ذرا تھکے سے ہوئے حضرت امام بخاری ہیں جنھوں نے لاکھوں حدیثوں کے سراغ میں ہزاروں میل کا سفر کیا تھا۔ امام مسلم امام بخاری سے دور کیسے رہتے۔ وہیں ہیں۔ ذرا پیچھے تقی الدین بن تیمیہ ہیں ابن قدامہ ہیں ابواسحاق الشاطبی ہیں کمال ابن الہمام ہیں یہ صاحب تو لباس سے ہندوستانی دلّی وال مغل لگتے ہیں۔ نہیں یہ مغل نہیں ہیں یہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔ مسلم ہندوستان میں اسلام کو لانے والے۔ قرآن کریم کا فارسی ترجمہ اور پھر اسلامی تحریک کے جدّ امجد۔ ان کے دائیں بائیں ان کے خانوادہ کے لوگ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز ہیں جو قرآن کریم کو اردو میں عام لوگوں کے قریب لائے ان میں سے کسی نے حضور ﷺ کے حضور میں جماعت کی طرف سے خطاب کیا یہ اندازہ نہ ہوسکا۔ کہ وہ امام بخاری تھے یا شاہ ولی اللہ۔ انداز تو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ خطاب فرمایا۔

یارسول اللہ آپ کی لائی ہوئی شریعت لازوال تھی اور ہے۔ یہ وسیع ہے یہ جامع ہے یہ عادلانہ ہے اس شریعت نے مدد کی کہ انسانی ذہن اور انسان کی صلاحیت نئے افق نئی جہات کو تلاش

کر سکے۔ اس شریعت کی مدد سے آپکی امت کے ذہین انسانوں نے انسانیت کا دامن بیش قیمت موتیوں سے بھر دیا۔ خوش بودار پھولوں سے بھر دیا۔

حضور آپ کی شریعت اور سنت اور احادیث نے انسان کو وہ حکیمانہ۔ معجزانہ نظام دیا جو اور کوئی تحریک مذہب عمل اور بیان نہ دے سکا۔ آپ نے انسان کو تفکر اور تدبّر کا پیغام دیا۔ حضور آپ سے پہلے انسان گناہ گار پیدا ہوتا تھا اور پیغمبر کو کفارہ کے لیئے صلیب پر لٹکنا ہوتا تھا۔ پیدا ہی صلیب پر چڑھنے کے لیئے ہوتا تھا۔ محرّف شدہ دین عیسوی یا پے در پے ابد تک نئے جسم میں آتا تھا کہ زندگی کی ساری زحمتیں کلفتیں برداشت کرے آور گون ہندو خیال۔ آپ نے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی بشارت دی اور کائنات کی تسخیر کا کام سپرد کیا۔ آپ کی شریعت نے ایک عظیم فقہ کو وجود دیا۔ عظیم اسلامی قانون دیا۔ آپ کی شریعت سے اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ وجود میں آیا جسکے سامنے سارا مذہبی لٹریچر ساری دنیا کا ہیچ ہے۔ بچوں کا کھیل نظر آتا ہے۔ عقل انسانی اساطیری کھیل ہے۔ کہانیاں سنتی سناتی رہتی۔ اے ہمارے مدینۃ العلم آقا ہم آپ کے احسان مند ہیں کہ آپ نے نہ صرف وہ علم دیا جو ہم اسوقت تک ہضم کر سکتے تھے بلکہ وہ جستجوئے علم دی کہ جو ابد تک ہمارے کام آئے ہم احسان مند ہیں۔ ہم احسان مند ہیں ہم احسان مند ہیں اے آقا۔۔۔۔۔

ابھی شاہ ولی اللہ کا تشکّر ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک اور جماعت کو دیکھا جو باب الرحمۃ سے اندر کی طرف بڑھ رہی تھا۔ ان کے آگے آگے خوشبو کا جھونکا آ رہا تھا۔ ان کے چہرے پر آثار تھے زہد و تقویٰ کے۔ پاکیزگی ان کے وجود سے نظر آ رہی تھی۔ یہ سر جھکائے ہوئے پہلے تحیۃ المسجد کی نماز ادا کر کے آہستہ روی سے عاجزی سے مسکینی سے مواجہ شریف میں آئے۔ دل کے ہم نشیں نے دل میں یہ بات اتاری کہ یہ جماعت ان صوفیا کی ہے جو تقویٰ میں اعلیٰ مقام ہیں۔ وہ دیکھو ان میں وہ سفید پوش حسن بصری ہیں گرد آلود پھٹے پرانے کپڑوں میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ داہنی طرف سفیان

ثوری ہیں اوران کوتو تم جانتے ہی ہو یہ فضیل بن عیاض ہیں۔ داود الطائی ابن اسحاق بھی ہیں۔ بغداد سے شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں دلّی سے نظام الدّین اولیا ہیں اور عبدالوہاب متّقی ہیں۔ یہ اپنے پیش رؤوں کی یاد تازہ کرر ہے ہیں جنھوں نے صفّہ کے چبوترے پر عمر گذاردی اور علوم دینی انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سیکھے۔ نماز تحیۃ المسجد کے بعد یہ بھی حضوری میں کھڑے ہوئے۔ درود وسلام کا تحفہ پیش کرنے لگے۔ پھر آواز آئی انھیں میں سے کسی کی۔

اے ہمارے آقا۔ اے رسول اللہ صلواۃ وسلام آپ پر آپ کی آل پر۔ اگر آپ کی سنّت کا روشن منارہ ہمارے سامنے نہ ہوتا تو ہم بھٹک جاتے۔ آپ کا قول ہم نے یاد رکھا کہ ''زندگی تو آخرت کی زندگی ہے'' آپ کی وصیّت ہم نے یاد رکھی کہ دنیا میں اسطرح زندگی گذارو جیسے مسافر ہو۔ امّ المومنین عائشہ کا بیان ہمارے سامنے رہا کہ ایک چاند کے بعد دوسرا چاند اور پھر تیسرا چاند بھی آجاتا تھا اوران تین مہینوں میں ہمارے گھر چولھا بھی نہیں جلتا تھا نہ کوئی دیگچی چڑھائی جاتی تھی۔ ام المومنین ام سلمہ نے فرمایا کہ آپ کے بستر کی چادر زمین پر چار تہہ کرکے بچھادی تو آپ نے اسکو مسترد کیا کہ زیادہ اچھی نیند آجاتی ہے تہجد کی نماز قضا ہوجاتی ہے۔ ہم میں سے بیشتر آپ کی سنّت پر عمل نہ کرسکے مگر ہم میں سے ہر ایک کی نظر میں آپ کی سنّت کی بنیاد قائم رہی ہم نے حتی الامکان ساری عمر غریبانہ زندگی گذاری اور عزائم بلند رکھے۔ ہم نے آپ سے زندگی بسر کرنے کا حسن پایا قناعت فقر مسکینی کے ساتھ بلند عزائم ہم نے آپ سے سیکھے۔ اے ہمارے آقا ہم آپ کے احسان مند ہیں۔ آپ نے ہر گروہ پر احسان کیا ہے۔ ہمارے گروہ پروہ احسان کیا ہے جیسے کہ آپ ہمارے گروہ پر ہی زیادہ احسان کرتے ہیں۔ ہمارا اسلام ہمارا درود قبول فرمائیے۔

ابھی ان کی التجائیں ختم نہیں ہوئیں تھیں کہ باب النساء کی طرف سے کچھ سائے بڑھ کر آنے لگے۔ یہاں پھیلنے

والی خوشبو نہیں تھی کیونکہ حضور نے منع کیا ہے۔ یہاں کا گروہ مستور تھا کہ یہ مستورات تھیں۔ یہ سب سے زیادہ نرمی سے آہستگی سے بغیر کسی آہٹ کے داخل ہوئیں کہ کچھ اندازہ نہ ہوسکا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ان کا گروہ بھی ان چند خواتین کے علاوہ جو آگے آگے تھیں ایک پورا قافلہ حدِ نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ دل کے ہم نشین نے آہستہ سے دل میں کہا کہ ان کے کچھ نام نہیں ہیں۔ یہاں نام تک کا پردہ ہے۔ یہ دیکھو یہ سب حجرۂ فاطمہ کی طرف سمٹ رہی ہیں۔ یہ تو شاید مواجہ تک نہ آئیں۔ ان کا سلام و درود تو شاید ام المومنین عائشہ یا سیدۃ النساء فاطمہ پہنچائیں گی۔ باہر کے کان سے کچھ نہ سن سکو گے۔ اسکو بند کرکے اندر رجوع کرو تو شاید کچھ مل جائے۔

ہم نشین دل نے کہا کہ دیکھ تو میں بھی نہیں سکتا۔ پہچانتا تو میں بھی نہیں مگر ان باوقار خواتین کو دیکھو ان میں شاید عفرا بھی ہوں جن کے دو بیٹے جنگ میں ابوجہل کے لیئے ملک الموت بنے تھے۔ ان میں شاید وہ دیناری خاتون بھی ہیں جن کے بھائی باپ اور شوہر نے احد میں شہادت حاصل کی تھی۔ شاید ان میں ام عمارہ ہوں۔ سمیّہ تو یقینی ہونگی۔ امّ سلیم پیچھے رہنے والی نہیں ہیں۔ اور آگے آگے کیا رابعہ بصری نہیں ہیں؟ عاشق بچاری نے سوچا کہ ان کو فرداً فرداً پہچاننے کے لیئے بڑی پاکباز باوضو آنکھ چاہیئے مگر ان سب کو سر جھکا کر سلام پیش کرتا ہوں۔

یہ خواتین بہت دبی زبان اور پورے ادب احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

اے آقا ہمارے سلام آپ پر درود آپ پر آپ کا احسان ہمارے طبقہ نسواں پر خصوصی ہے۔ آپ سے پہلے ہم میں سے اکثر پیدا ہونے کے بعد زندہ زمین میں گاڑ دی جاتیں تھیں۔ آپ نے ہم کو مردوں کے ظلم وستم سے آزاد کرایا۔ ہمارے حقوق متعین کیئے۔ ہم کو وراثت میں حصہ دلایا۔ ہم کو ہمارے بیٹوں کے لیئے معزّز بنایا۔ ہمارے بیٹوں کو یہ بتایا کہ جنّت ماؤں کے پیر کے نیچے ہے اور مائیں تین گنا نیک سلوک کی مستحق ہیں۔ آپ نے مردوں کو یہ بتایا کہ ان میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیئے بہتر ہیں۔ آپ نے اپنے آخری خطبہ میں ہم کو یاد رکھا۔ حضور ہم کو معلوم ہے کہ آپ محسن انسانیت ہیں مگر ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کا احسان ہمارے طبقہ پر زیادہ ہے۔ آپ ہمارے درود وسلام آج اور ہمیشہ ہمیشہ قبول کرکے ہم پر مزید احسان کریں۔

یہ نرم آوازیں جو سرگوشیوں کی طرح خاموش تھیں روح پر ہلکی ٹھنڈی پھوار کی طرح گر رہی تھیں کہ توجہ باب السّلام کی طرف ہوگئی۔ ایک جماعت نظر آئی۔ ان میں کئی طرح کے افراد تھے یہ کئی ملکوں سے آئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ یہ فقیری گدڑیوں میں ملبوس تھے۔ ان میں سے کچھ خاص عرب کے تھے اور کچھ یورپ اندلس مصر اور ترکیہ کے تھے۔ یہ وسطی ایشیا کے بھی تھے۔ کچھ کے ہاتھوں میں ابھی تک کتابیں تھیں۔ کیمیا الجبر و المقابلہ ہندسہ لغات عرب وعجم کچھ جامعہ الازہر سے آئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ کچھ کتب خانہ بغداد و مصر سے تھے وہاں کی جامعات کے استاد و شاگرد تھے کچھ ندوۃ العلما لکھنؤ اور کچھ دار العلوم دیوبند سے متعلق تھے۔ ان میں ائمہ نحو بلاغت ولغت کی جماعت تھی۔ ان میں سرجن ابوسینا بھی تھے اور آنکھ کے سرجن الھیثم بھی تھے۔ ان میں امیر البحر بار بروسا بھی تھے۔ علامہ لوگوں کی جماعت میں جنھوں نے عربی زبان کو ایسی وسعت دی کہ اس نے ساری دنیا کے دنیوی علوم کو سمیٹ لیا اور اسلام کے دینی علوم کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ ان میں ابوالاسود الدولی خلیل بن احمد سیبویہ کسائی ابوعلی الفارسی عبدالقاہر الجرجانی السکاکی مجدالدّین فیروز آبادی سید مرتضٰے الزبیدی تھے ان میں فریدالدّین عطار بھی تھے۔ رازی تھے۔ غزالی تھے۔ ابوریحان البیرونی تھے۔ خورازمی ریاضی دان تھے جنکا علم اندلس کے راستہ یوروپ پہنچا اور یوروپ کا راہ بر ہوا۔ یہ سب اپنی شہرت اور علمی مرتبہ کا خراج ادا کرنے کے لیئے در پر حضور کے حاضر ہوئے تھے۔ وہ بڑے بلیغ انداز میں ادبی طریقہ سے حضور کی خدمت ہدیہ تبریک پیش کر رہے تھے۔

اے آقا۔ سلام۔ صلوٰۃ درود آپ پر اور آپ کی آل پر ہم احسان مند ہیں۔ ہم ساری دنیا۔ ساری انسانیت کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے۔ یہ مقدّس کتاب نہ ہوتی۔ جو آپ پر نازل ہوئی آپ کی احادیث نہ ہوتیں نہ شریعت ہوتی جسکے سامنے ساری دنیا نے سر جھکا دیا۔ تو پھر بہت کچھ نہ ہوتا۔ لوگ اس کتاب کی وجہ سے عربی سیکھنے پر مجبور ہوئے اور مہارت حاصل کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور اسکی وجہ سے ہم کو دنیاوی علم ملا اور ہم نے دنیا کی رہ نمائی کی۔

اے ہمارے آقا آپ کی ذات آپ کی کتاب۔ آپ کی کتاب کی زبان آپ کی کتاب

کے اشارات ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان میں رابطہ اور واسطہ تھے جو آپ کے عہد رسالت و امامت میں پیدا ہوئے۔ درحقیقت آپ ہی عرب و عجم اور دنیا اور دین کے درمیان میں رابطہ ہیں۔ آپ کا احسان ہے ہماری ذہانت اور طبّاعی پر اور علم کی گہرائی اور گیرائی پر۔ آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس ثروت پر اور امّت کے عالمانہ مزاج پر کہ ہم کو یتفکّرون اور یتدبّرون پر آمادہ کیا راستہ دکھایا۔

اے رسول اللہ ہمارا گمان بلکہ یقین ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو یہ زبان عربی جس نے ہمیں راہ دکھائی دوسری زبانوں کی طرح دنیا سے مٹ جاتی۔ اگر قرآن مجید کا معجزہ نہ ہوتا تو اس پر تحریف کا ایسا عمل جراحی ہوتا کہ اس کی صورت مسخ ہوجاتی۔ اے رسول اللہ ہم آپ کے احسان مند ہیں احسان شناس ہیں اور شرمندہ ہیں کہ ہم معیار سے گر گئے۔ آپ ہم پر کرم فرمائیں۔

پھر یہ گروہ عالمان رخصت ہوا۔ جب صفہ کے چبوترہ سے گذرا تو ہر عالم نے ہر سائنسدان نے اور ہر ماہر علم نے اپنی گردن صفہ کے سامنے ایسے خم کی کہ شاید وہ سجدہ کرنے والے ہیں۔ عالم تھے جانتے تھے کہ سجدہ کا فعل حرام قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہ بھی معلوم تھا کہ دل اگر عاجزی کا سجدہ کرنا چاہے تو یہ میلان۔ یہ خواہش۔ قابل گرفت نہیں ہے۔ ان عالموں نے محسوس کیا اور اپنے انداز سے اعتراف کیا کہ اگرچہ وہ مدینۃ العلم ﷺ کے خادمان خاص میں سے گروہ خادمان ہیں مگر بہر حال یہ صفّہ والے تقویٰ۔ عاجزی۔ سیر چشمی۔ علوم دینی پر دسترس رکھنے کے معاملے میں گروہ عالمان سے بہت آگے ہیں۔ یہ صفہ کی جماعت صوفیا وہ ہے جو کئی کئی سال تک دن رات بار بار حضور نبی کریم ﷺ کی نظروں میں رہی ہے۔ جن لوگوں پر حضور ﷺ کی نگاہِ کرم ایک دفعہ پڑ گئی اور جن لوگوں نے حضور کی نظروں میں زندگی گذارنے کو ساری دنیاوی کاوشوں سے برتر جانا انکے مقام کا تعیّن کون کرسکتا ہے۔

(علم کی سرداری اسلامیوں کے پاس سے چلی گئی مگر صفائے قلب کی سرداری قائم ہے)

مسافر صفّہ کے صوفیانِ باصفا کے مرتبہ پر غور کر رہا تھا کہ ایک دم نظر باب عبدالعزیز پر پڑی۔ ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا کہ جنکے چہروں پر نشان تھے جاہ وجلال کے۔ سطوت وثروت کے۔ حکم رانی کے انداز جو صرف ظاہری طور پر چھپا دیئے گئے تھے۔ ان لوگوں نے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے اپنے خادمان کو اپنے سے علیحدہ کر لیا تھا۔ انھوں نے اپنے جوتے خود اتارے تھے۔ کفش بردار آگے بڑھے تھے مگر اشارہ پا کر پیچھے ہٹ گئے۔ یہ عاجزی اور انکسار کا جیتا جاگتا نمونہ بن کر آئے تھے۔ شاہی طمطراق اور جاہ وجلال دروازے کے باہر رہ گیا تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کا جلال وجاہ رسول اللہ کی نعلین مبارک کے احترام کی وجہ سے تھا۔ مسافر دیکھ رہا تھا کہ ان پر مختلف قوموں اور ملکوں کی چھاپ تھی۔ مگر آج اس دروازے کے اندر سب برابر کے غلام تھے۔ ادھر پورے جسم سے مستعد مگر جھکے ہوئے سر کے ساتھ صلاح الدّین ایوبی بھی تھے۔ محمود غزنوی۔ شہاب الدّین غوری۔ طارق بن زیاد۔ محمد بن قاسم۔ طاہر بیبرس۔ سلیمان القانونی۔ اورنگ زیب عالم گیر کو تو ہم نشینِ دل نے پہچان لیا تھا۔ لیکن یہ قافلہ بڑا لمبا تھا۔ مسافر کی آنکھوں میں اس طویل وعریض دنیا کے جغرافیہ کا نقشہ پھر گیا۔ ان سب کا جلال جاہ اور دولت احسان مند تھے کملی والے آقا کی جوتی کی نوک کے برابر۔

مسافر کو ایک شعر یاد آ گیا۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود

فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

اس گروہ میں وہ بادشاہ خلیفہ بھی تھا جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر کہا تھا کہ "تیرا جہاں جی چاہے جا کے برس۔ تیرا اخراج آخر کار میرے ہی خزانے میں آئیگا"۔ (یہ ہارون رشید بغدادی تھا)۔ وہ شخص بھی تھا کہ جسکی سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار اونٹ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہے تو اسکو دن رات سفر کر کے بھی پندرہ مہینے لگیں گے (ولید بن عبدالملک) ان میں وہ فرماں روا بھی شامل تھے جو نصف کرۂ ارضی پر

حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرتے تھے۔ (سلیمان قانونی) ان میں وہ فرماں روا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا (مشرق سے آسٹریا ویانا (Vieana) تک دسترس اور مغرب میں فرانس کو اندلسیہ سے بچاؤ صرف ایک درمیانی پہاڑ۔ ان کے زمانے میں مسلمانوں کو عزّت کا وہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے **تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ وسطوت کے اثر سے گرجوں کے گھنٹے بجنا بند ہو جاتے تھے۔** (سلیمان بن سلیم العثمانی)

یہ سب مسجد نبوی میں حضور کو ہدیہ درود وسلام پیش کرنے کے لیئے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ انکا سب سے بڑا شرف اور اعزاز تھا۔ ان کے دلوں پر ہیبت طاری تھی۔ جلال اور حکومت سے سرخ چہرے حضور کے مزارِ مقدس کی ہیبت سے زرد تھے۔ یکایک صفہ کے چبوترے کے پاس ٹھٹھک گئے۔ ان کا جلال صوفیا کے جمال کے آگے زمین بوس ہوا۔ وہاں انھوں نے تحیۃ المسجد کی نماز ادا کی۔ اور پھر ڈرتے ڈرتے عاجزی سے مزار مقدس کے سامنے آئے۔

"اے رسول اللہ اگر آپ نہ ہوتے تو آپ کا یہ جہاد اور دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔ بڑے بڑے ملک فتح کیئے۔ آپ کے دین پر ایمان لانے پر ہمارے اباواجداد گم نامی سے نکلے اور دینوی عزّت سے ہم کنار ہوئے۔ ہم نے ان قوموں سے خراج لیا جو ہم کو لاٹھی سے ہانکتے تھے۔ اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گم نامی سے تسخیر عالم کی طرف ہمارا یہ سفر نہ ہوتا تو ہم اسی محدود وقبائلی زندگی میں گھرے ہوتے اور کہیں ہمارا تذکرہ نہ ہوتا۔ ہم اپنے گاؤں اور قبیلہ سے آگے بڑھ کر کچھ۔ سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اے رسول اللہ ہمیں دین کی ایسی روشنی عطا کی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہم سارے عالم کی آنکھیں کھولنے کے لائق ہوئے۔ اے رسول اللہ یہ سب روشنی آپ کی لائی ہوئی روشنی ہے جو قائم رہے گی۔ ہم نے اپنی تمام خوابیدہ صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے ظلم اور جہالت کا ساری دنیا میں مقابلہ کیا۔ حضور صرف آپ کی نظر عنایت سے۔ ہم آج آپکی خدمت میں اپنے جذبۂ محبت سے مجبور ہو کر آئے ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ آپ کے دین کے نافذ کرنے میں ہم سے سخت کوتاہیاں

ہوئیں ہیں۔ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔وہ بے شک رحیم اور معاف کرنے والا ہے اور اے ہمارے آقا ہم آپ سے شرمندہ ہیں۔آپ ہم کو معاف کر دیجئے۔ہم آپ کے نہ بن سکے۔آپ ہمیں اپنا بنا لیجئے۔

مسافران بادشاہوں اور حکمرانوں کے عاجزانہ بیان اور اعتراف خطا کی طرف متوجہ تھا کہ دیکھا کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی۔انھوں نے ایک نظر بھر کر اس گروہ سربراہان حکومت اور صاحبان اقتدار کو نہیں دیکھا۔ انکو مکمل نظرانداز کیا۔ ان بادشاہوں کے رعب اور دبدبہ کا ان پر کوئی اثر نہیں تھا۔یا یہ لوگ ان سے اظہار براءت کر رہے تھے۔یہ شاعر لگتے تھے۔یا نثر نگار تھے یا انقلابی تھے۔یہ حکومت وقت کے باغی تھے۔ یہ کٹر موحّد تھے یہ جو کچھ سوچتے تھے شدّت سے سوچتے تھے۔خیال آیا کہ ان کو کہیں دیکھا ہے۔ہم نشینِ دل نے دل میں اتارا کہ یہ واقعی انقلابی شاعر خطیب۔نثر نگاروں کا گروہ ہے جو وقت کے دھارے کو موڑنے کی جدوجہد میں رہا۔ان میں سے چند تو پہچان میں آرہے تھے۔نمایاں تھے سیّد جمال الدّین افغانی (وہی افغانی ہیں پین اسلام ازم کی تحریک والے) امیر سعید حلیم۔محمّد علی جوہر۔اسطرف حسن البنّا کے ساتھ کھڑے تھے سید قطب شہید اور ترکی کے مشہور شاعر محمد عاکف ادھر ذوق عبودیت میں غرق سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے سراپا عاجزی۔محمد اقبال لاہور پنجاب سے۔اور بھی تھے اور بہت سے تھے۔درودوسلام یک زبان پیش کیا گیا۔پھر جماعت نے محمد اقبال کی طرف دیکھا کہ وہ اگرچہ سب سے کم عمر تھے مگر جذبات اور بیان کے معاملے میں انکو فوقیت دی گئی۔مگر پہلے ہی جملے پر لوگ چونکنے ہوگئے کہ اقبال کی آواز کہیں بلند نہ ہوجائے۔شکوہ کہیں تلخ نہ ہوجائے کیونکہ وہ اس جراءت کے لیئے مشہور ہیں۔مگر بارگاہ رسالت میں تلخی اور تندی کی اجازت نہیں ہے۔

درودوسلام کے بعد اقبال بولے:

یا رسول اللہ میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے

آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوان نعمت سے لطف اندوز

ہو رہی ہے۔ آپ کے ٹکڑوں پر پل رہی ہے۔ آپکے سایہ رحمت

میں زندگی گذار رہی ہے۔ لیکن یہ قوم یا رسول اللہ آج

اُسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے

وجود کا دارومدار ہے۔ اس کے رہ نما اور لیڈر آج یہ

کوشش کر رہے کہ اس قوم کو ۔ اس امت واحدہ

کو قومیتوں میں بانٹ دیں۔ اس قوم نے تازہ خدا ایجاد

کرلیے ہیں۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے "وطن" ہے

جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ قوم اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتی ہے جسے آپ نے ختم فرمایا تھا۔ یہ اس چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا۔

وہ اس امت کو جاہلیت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وہ یورپ کی امریکہ کی تقلید کرنا چاہتے ہیں جوان کو جوتے کی نوک پر رکھ کر روٹی کا ٹکڑا دیتے ہیں۔ وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر رہے ہیں۔ یہ اپنی قوم کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ چراغ مصطفوی اور شرار ابولہبی میں آج پھر جدال ہے۔ مدد۔ مدد۔ مدد یارسول اللہ مدد۔

"نگاہ یارسول اللہ نگاہ"

آپ نے بتوں سے کعبہ کو پاک کر کے بُت جلوا دیئے تھے۔ آج نئے بت تعمیر۔ تجویز۔ تالیف اور تصنیف کیے جا رہے ہیں۔ یا رسول اللہ! ہمارے لیڈر شیطان کے کہنے پر ہم کو بنیاد پرست کہتے ہیں اور ہماری بنیاد اکھاڑ رہے ہیں۔ کس قدر تاریک ہے ان کی خیالوں کی دنیا۔ انھوں نے نہ صرف ہماری دنیا بلکہ دین پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ شیخ حرم بن گئے ہیں۔

یہ ہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا

اقبال سے توقع تھی کہ وہ شکوہ میں گرم جوش ہو جائیں گے۔ اب انکو نرم کرنا ضروری تھا۔ پیچھے سے ایک بوڑھا بڑھا اور اقبال کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اقبال نے اس ہاتھ کو پہچان لیا اور اپنے آنسو دونوں آستینوں میں جذب کر کے پیچھے ہو گئے اور پھر ایک کمزور آواز بلند ہوئی۔

"اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے"

آندھی چلتے چلتے رک گئی۔ تمام انقلابیوں باغیوں نے دوسرا مصرعہ اٹھایا۔ سب نے الطاف حسین حالی کی آواز سے آواز ملائی۔

(الطاف حسین حالی کی آواز)	(ساری جماعت کی آواز)
اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے	امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے	پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ	خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں	اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں	اب اس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے	اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آ کے ملائے	اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوع بشر تھا اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی دینداروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہباں بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

کر حق سے دعا امتِ مرحوم کے حق میں خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ اخبار میں الطالح لی ہم نے سنا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

حسن اختر

۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ

اللھم صل علی محمدا نبی الامی وعلیٰ آلہٖ و بارک وسلّم